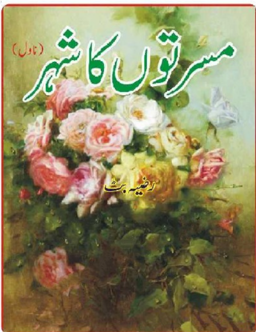

مسرتوں کا شہر
(ناول)
رضیہ بٹ

مسرتوں کا شہر

(ناول)

رضیہ بٹ

مسرتوں کا شہر

مدتیں گزریں شابلاس کی پہاڑیوں کے دامن میں حارین نامی ایک خوبصورت شہر آباد تھا۔ اس شہر کے ایک طرف سرسبز پہاڑیوں کے سلسلے تھے۔ جو پھولوں اور پھلوں کے درختوں سے لدی رہتی تھیں دوسری طرف چنچل اور شوخ ندی تھی جس کا صاف شفاف پانی چاندی کی طرح چمکتا رہتا تھا...... شہر میں جگہ جگہ میدان بھی تھے۔ جن میں اگی سبز گھاس یوں لگتا قدرت نے بڑی نفاست سے قالین بچھا رکھے ہیں۔ پھولوں کے تختے ان میدانوں کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے اور جب ہوائیں سرسراتے ہوئے گزرتیں تو پھولوں اور پھلوں کی مہک ہر سو پھیل جاتی۔

یہاں چھوٹے بڑے کچے پکے مکانات بھی تھے۔ مکانوں کی سرخ اور سفید چھتیں جب سورج کی روشنی میں چمکتیں تو بے حد خوبصورت نظر آتیں۔ شہر کی سڑکیں پکی اور صاف ستھری تھیں۔

صدیوں تک یہ شہر خوبصورت اور آباد رہا۔ کیوں کہ اس شہر کے باسی بڑے ایماندار جفاکش اور محنتی تھے۔ بھائی چارہ اور اخوت ان کا امتیازی نشان تھا۔ سب مل جل کر رہتے ایک دوسرے کی مدد میں پیش پیش ہوتے۔ کسی کو دکھ تکلیف نہ دیتے۔ بڑوں کی دیکھا دیکھی بچے بھی ایسا ہی کرتے ماں باپ کا ادب بزرگوں کا لحاظ اور خدمت کرتے کہنا ماننا ان کی فطرت تھا دل لگا کر محنت کرنا ان کا اشعار۔

لیکن جانے کیا ہوا کہ اس شہر کے باسیوں نے آہستہ آہستہ اپنے طور طریق بدلنا شروع کر دیئے۔ اچھائیوں سے روگردانی شروع کردی اور برائیوں کو اپنانے لگے۔ امیر غریب چھوٹے بڑے سب ہی برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے۔ غیبت کرتے۔ چغلی کھاتے۔ جھوٹ بولتے۔ ریاکاری کرتے۔ لڑائی جھگڑا معمول بن گیا۔ حق مانگنے کی بجائے حق چھیننے کو ترجیح دینے لگے۔ چوری چکاری عام ہو گئی۔ لوٹ مار سے کوئی نہ چوکتا۔ جس کے ہاتھ جو آتا اڑا لیتا محنت اور لگن سے کام کرنا جیسے کسی نے سیکھا ہی نہ تھا۔

بچے بھی بڑوں کی تقلید کرتے تھے۔ ساری برائیاں اور عیب ان میں بھی آ گئے تھے۔ نہ تو وہ ماں باپ کا کہنا مانتے نہ ہی کسی بزرگ کا ادب لحاظ کرتے۔ ماں باپ اپنی رنگ رلیوں میں کھوئے رہتے۔ بچوں کو تربیت کرنے کی انہیں فرصت ہی نہ تھی۔

جو شہر صدیوں سے شاد و آباد اور پر رونق تھا' نصف صدی ہی میں اس کا حال خراب ہو گیا۔ جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر نظر آتے۔ مکان ٹوٹ جاتے تو کوئی مرمت کی زحمت نہ کرتا۔ چونکہ لوگوں نے محنت کرنا چھوڑ دی تھی۔ اس لیے عام لوگ پہاڑیوں پر چڑھ جاتے اور درختوں سے پھل توڑ توڑ کر کھاتے۔ پھر آگ جلانے کے لیے انہوں نے درخت کاٹنا شروع کر دیئے کچھ ہی عرصے میں سرسبز پہاڑیاں ننگی ہو گئیں۔ پتھریلی چٹانیں سی بن گئیں۔ کسی کسی جگہ پھلدار درختوں کے جھنڈ رہ گئے۔ تو اس پر شہر کے امیر آدمی کشت یار نے قبضہ کر لیا۔ وہ بڑا ریا کاری اور جور و ستم کا عادی تھا۔ رحم نامی جذبے سے آشنا ہی نہ تھا۔ اسے جس چیز کی خواہش ہوتی وہ چھین لیتا

کشت یار بڑا ظالم آدمی تھا۔ گو شہر کے تقریباً سبھی لوگ برائیوں میں مبتلا تھے۔ لیکن کشت یار سے سبھی ڈرتے تھے۔ اس کے ظلم کے آگے ٹھہر نہ سکتے۔ کیونکہ اس کا وار بھرپور ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ چند لوگ جن کے دلوں میں خوف خدا باقی تھا۔ شہر میں رہتے تھے۔ لیکن ان کی زبانیں بھی بند تھیں۔ وہ ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کشت یار من مانی کرتا۔۔۔۔۔۔۔ یہ لوگ بزدل اور ڈرپوک بن گئے تھے۔ کشت یار کے سامنے دم نہ مار سکتے یہی بات تھی کہ جب اس نے فارس کی بیوہ اور بچوں کو ان کے گھر سے نکال کر خود اس پر قبضہ کر لیا۔ وہ روئی' چیخی چلائی لیکن کسی نے اس کی مدد نہ کی

کشت یار کے چند ساتھی اور بھی تھے۔ جو اسی کی طرح ظالم عیار و مکار تھے۔ دھوکہ دہی میں ان کی مثال نہ تھی

یہ تھے واسقہ اور مہیب۔۔۔۔۔۔۔ ظالم و عیار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بدمزاج اور تند خو بھی تھے۔ گالیاں بکنا عادت تھی

مہیب کی ایک بہن صعف تھی۔ وہ بھی بڑی بدماغ اور لڑاکا تھی۔ تساہل پسند تھی۔ دولت کی فراوانی تھی۔ اس لیے پر تعیش زندگی گزار رہی تھی۔ اپنے نوکر نوکرانیوں پر ذرا ذرا سی بات پر اتنا ظلم کرتی کہ آسمان لرز اٹھتا۔

موہین بھی ایک ایک درندہ صفت لڑکی تھی۔ کشت یار کی رشتہ دار تھی۔ اسی لیے وہ کشت یار کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔

ایک دفعہ موہین اپنی رتھ گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی سیر کو نکلی۔ اس نے بیش قیمت لباس پہن رکھا تھا۔ سفید گھوڑوں پر ریشمی چادریں تھیں۔ اور رتھ بان بڑی احتیاط سے رتھ چلا رہے تھے کہ اچانک سڑک پر عین درمیان میں ایک آدمی آ گیا۔ وہ غالباً اندھا تھا۔ کیونکہ اس نے ہاتھ میں چھڑی پکڑی ہوئی تھی اور سڑک کو چھڑی سے ٹٹول ٹٹول کر چل رہا تھا۔

رتھ بان گھوڑوں کی لگامیں ایک دم کھینچیں تو موہین کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔۔۔۔۔۔۔

''کیوں کیا ہوا؟ رتھ کیوں روکی ہے'' وہ شیرنی کی طرح غرائی۔

رتھ بانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''بولتے کیوں نہیں'' وہ چلائی۔اور ہاتھ میں پکڑی چابک سے ایک رتھ بان کو پیٹ ڈالا۔

''دوسرا جان بچانے کی خاطر بولا'' مالکن سڑک پر شاید کوئی اندھا آدمی جا رہا ہے۔''تو کیا ہوا۔ایک اندھے کی خاطر مجھے جھٹکا دیا'' اس نے چابک ہوا میں لہرائی۔دوسرے رتھ بان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔جھٹ سے رتھ چلا دی۔اندھا آدمی گھوڑے سے ٹکرا کر اوندھے منہ گرا۔لیکن موہین نے رتھ روکنے کی اجازت نہیں دی۔رتھ بانوں سے بھی پرواہ نہ کی۔اور تو اور چندراہ گیر بھی تھے۔لیکن انہوں نے بھی آگے بڑھ کرنابینا کو نہیں دیکھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ واسقہ نے بھی دو تین آدمی مروا دیئے۔اس کے محل کی بیرونی دیوار گر گئی تھی۔جسے بنوانے کے لیے اس نے چند کاریگروں اور مزدوروں کو کام پہ لگایا۔دیوار قدرے ٹیڑھی بنی۔واسقہ نے جب ٹیڑھی دیوار دیکھی غصے سے بھر گیا اور اسی وقت اپنے ملازموں کو بلا کر دیوار گرانے کا حکم دیا اس نے دو تین مزدوروں کو بھی وہاں سے ہٹنے کی مہلت نہ دی اور وہ دیوار کے نیچے آ کر مر گئے

ان بڑے اور امیر کبیر لوگوں کی دیکھا دیکھی عام لوگ بھی بے حس ہو گئے تھے۔چوری اور نقب زنی میں تو ماہر ہو گئے تھے۔لوٹ کھسوٹ کے بھی عادی بن گئے تھے۔امیر غریب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے تھے۔

شہر کی فضا ان لوگوں کے گناہوں سے بوجھل ہو گئی تھی۔ندی کا صاف وشفاف پانی گدلا ہو گیا تھا...... اور نیلے چمکیلے آسمان پر لگا تار دھندسی چھائی رہتی ہے۔لوگوں کو مطلقاً ان تبدیلیوں کا احساس نہیں تھا۔

لیکن

یہ تبدیلیاں بڑی واضح تھیں اور چشم بینا کو صاف طور پر نظر آ سکتی تھیں۔

چند بچے میدان میں کھیل رہے تھے۔انہوں نے اپنے بستے پتھروں تلے رکھ دیئے تھے۔مکتب جانے کی بجائے کھیل کود اور دھینگا مشتی کے لیے اس میدان میں آ گئے تھے۔کچھ بچے تو کھیل کود کر واپس ہو لیے لیکن پانچ بچے وہیں کھیلتے رہے۔ان میں شاتم رمیلہ اور فریدوں تین بہن بھائی تھے۔گیرو اور سیمہ بھی بہن بھائی تھے۔یہ شہر بھر کے بچوں میں سے سب سے زیادہ شرارتی بچے تھے۔آوارہ گردی ان کا کام تھا۔فریدوں اور گیرو کی عمریں لگ بھگ برابر تھیں۔تیرہ چودہ سالہ یہ بچے شیطانی ذہن رکھتے تھے۔شرارت کے منصوبے انہی کے ذہن کی پیداوار ہوتے۔شاتم رمیلہ اور سیمہ ان کا ساتھ دیتے۔ان بچوں کے ماں باپ بھی ان سے لاپرواہ تھے۔انہوں نے ان سے کبھی باز پرس ہی نہ کی تھی کہ وہ سارا دن کہاں گزارتے ہیں۔کھانا کہاں سے کھاتے ہیں۔یہ مکتب

جاتے ہیں یا نہیں۔اور گھر شام کو لوٹتے ہیں یا رات گئے

اور بچے چلے گئے تو یہ پانچوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے

''اب کچھ کرنا چاہیے'' فریدوں بولا۔

''ہاں تم سوچو نا کہ کیا کرنا چاہیے'' رمیلہ بولی۔

''ہاں بھئی....... ابھی تو بہت وقت پڑا ہے کچھ کرنا چاہیے'' گیرو نے بال کھجائے۔

''بھوک لگی ہے مجھے تو....... '' بارہ سالہ سیہ نے پیٹ میں ہاتھ گھسائے۔

''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے'' تیرہ سال شاتم نے بھائی کی طرف دیکھا۔

''اچھا....... '' گیرو کچھ سوچنے لگا۔

''اس میں اتنی لمبی چوڑی سوچ کی کیا ضرورت ہے'' فریدوں تنگ کر بولا۔'' بھوک سب ہی کو لگی ہے۔اس لیے اس کا بندوبست ہونا چاہیے۔

''وہی تو سوچ رہا ہوں'' گیرو نے کہا۔

''آج تمھیں کوئی بات سوجھ ہی نہیں رہی۔'' شاتم نے طنز سے کہا۔

''تو تم سوچ لونا....... میں نے ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا'' گیر غصے سے بھر گیا۔

''اے ہے اب لڑنے نہ لگ جانا۔خوامخواہ وقت ضائع کرو گے۔جلدی سے سوچو کہ ہم کیا کریں؟''

''میں نے سوچ لیا'' فریدو نے چٹکی بجائی

''کیا؟ کیا؟ بتاؤ نا'' شاتم رمیلہ اور سیہ جلدی سے کہہ اٹھیں۔

''ہونہہ۔۔۔۔۔۔سوچی ہوگی کوئی معمولی سی شرارت'' گیرو نے تمسخر سے کہا۔

''معمولی ہو یا غیر معمولی۔پیٹ بھرنا ہے ہمیں بس...... بتاؤ فریدوں کیا کرنا ہے''

''بتاتا ہوں'' فریدوں نے تنک کر کہا۔

سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔تو وہ سینہ تان کر بولا۔''آج ہم قیصو کے ریڑھے سے پھل چرائیں گے....... ''

''ہونہہ....... '' گیرو نے ناک چڑھائی....... ''یہ کونسا معرکہ مارنا ہے....... ''

''معرکہ تو ہے۔ قیصو آج کل ہم لوگوں سے بڑا محتاط رہتا ہے۔ اس کی ریڑھی سے پھل اڑانا آسان نہیں۔''

''ہاں بھئی یہ بات تو ہے۔ اس کے ہتھے ہم میں سے کوئی بھی چڑھ گیا تو کھال ادھیڑ ڈالے گا۔''

''ہم کونسا ڈرنے والے ہیں۔'' فریدوں بولا....... ''پھل اڑانے کی ترکیب بھی سوچی ہے میں نے''

''بتاؤنا....... کیسے پھل چرانے ہیں.......'' شاتم نے کہا۔

''ایسے کہ.......'' فریدوں بڑے معتبر انداز میں بولا۔''میں جا کر اس کی ریڑھی کے قریب کھڑا ہو جاؤں گا۔

''اور ہم سب''

''تم لوگ ان گھنے درختوں کے پیچھے چھپ جانا.......''

''وہ کیوں؟''

''وہ اس لیے....... کہ میں فوراً ہی قیصو کی ریڑھی پر جھپٹا ماروں گا....... ظاہر ہے مجھے پکڑنے کی کوشش کرے گا.......''

''ہاں وہ تو ہے۔''

''میں بھاگ لوں گا.......''

''ہوں''

''بس وہ میرے پیچھے لپکے گا....... اور تم سب ریڑھی پر دھاوا بول دینا۔''

''ٹھیک بالکل ٹھیک۔''

''تو چلو....... سب ان گھنے درختوں کی طرف۔ پتہ نہ چلے قیصو کو۔ چھپ جاؤ جا کر'' فریدوں نے سب کو اشاروں سے چھپنے کی جگہ بتائی۔

''شاتم اور رمیلہ دائیں ہاتھ دبے قدموں چل دیں گیرو اور سیمہ چپکے چپکے بائیں ہاتھ چل دیے تھوڑی ہی دیر میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اب فریدوں نے سڑک پر نگاہ دوڑائی۔ قیصو اپنی ریڑھی لئے سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ اور دو تین عورتیں اس سے پھل خرید رہی تھیں۔ پیسوں پر کوئی جھگڑا ابھی ہو رہا تھا ایسے جھگڑے تو معمول کا حصہ تھے۔ اس لیے فریدوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ اور لاپرواہی سے سڑک پر چلنے لگا۔ سڑک پر ایک گدھا گاڑی جا رہی تھی۔ فریدون نے ایک پتھر اٹھایا اور گدھے کی ٹانگوں پر کھینچ مارا۔

گدھے نے ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے دولتی جھاڑی' گاڑی الٹتے الٹتے بچی۔ گاڑی بان قلابازی کھا کر گرا۔ لیکن ہتھی کو پکڑ کر سنبھل گیا اس نے فریدوں کو بے نقط سنا ڈالیں۔ فریدوں قہقہے لگا تا بھاگ گیا۔

اے ''قیصو'' فریدوں نے اسے متوجہ کیا۔

فریدوں کو دیکھتے ہی قیصو نے گھبرا کر پیسے گلے میں ڈالے اور گلہ ریڑھی کے نیچے چھپا کر تلخی سے بولا'' کیا ہے بے....... ''

''پھل چاہئیں''

''پیسے ہیں''

''میں نے پھل مانگے ہیں۔''

چل چل راہ پکڑ اپنی....... آج پھلوں کو ہاتھ لگایا ہاتھ توڑ دوں گا۔ لحاظ کرنے کر نہیں...... پیسے ہیں تو بات کرو نہ راہ پکڑ.......

''سوئے....... تیری عقل بھی تیری طرح موٹی ہے بک بک کیے جا رہا ہے۔ پھل دے مجھے۔''

''پیسے نکال.......''

''تو پیسوں کے پھل لایا ہے۔''

''تو....... تو....... تمہیں اس سے کیا.......''

''میں جانتا ہوں۔ کشت یار کے باغ سے چرا کر لاتا ہے تو پھل اور پیسے کھرے کر لیتا ہے.......''

''تم....... تم....... کون ہوتے ہو باز پرس کرنے والے....... میری مرضی جہاں سے لاؤں۔''

''اور میری بھی مرضی....... جیسے چاہوں پھل لوں.......'' کہتے ہوئے فریدوں نے جھپٹا مارا...... اور دو چار پھل اٹھا کر دوڑ پڑا.......

''ٹھہر جا تو.......'' اس کی توقع کے عین مطابق قیصو چھڑی لے کر اس کے پیچھے لپکا۔

لیکن

ایک تو وہ موٹا تھا دوسرے عمر میں بھی فریدوں سے کئی سال بڑا تھا۔ غصے سے تاؤ کھانے کے باوجود فریدوں کو پکڑ نہ سکا۔

فریدوں نے بھاگتے ہی سیٹی بجا دی تھی۔ جسے سنتے ہی اس کے ساتھی بچے ریڑھی پل پڑے تھے۔ اور پھل سے جھولیاں بھر لی

تھیں۔ پوری ڈیڑھی زمین لرالٹ دی تھی اور جو پھل اٹھائے نہ جا سکتے تھے انہیں پاؤں سے کچل ڈالا تھا۔

قیصو نے تھوڑی دیر تو فریدوں کا تعاقب کیا۔ لیکن فریدوں بھاگ کر درختوں یں غائب ہو گیا تھا...... ناچار ہانپتے ہانپتے قیصو واپس پلٹا۔

اور

جو

اس نے پھل اور ریڑھی کا حال دیکھا۔

تو بے اختیارانہ چیختے ہوئے ادھر ادھر پاگلوں کی طرح دوڑنے لگا۔

کوئی بچہ اس کے ہاتھ نہ آیا۔

کیونکہ وہ سب تو ایک گھنے جھنڈ تلے بیٹھے اپنے سامنے لگے پھلوں کے ڈھیر سے پھل اٹھا اٹھا کر کھا رہے تھے۔

ساتھ ہی ساتھ وہ قیصو کا مذاق بھی اڑا رہے تھے۔ اور فریدوں کی ہمت کی داد بھی دے رہے تھے۔ آج کی کامیابی پر وہ سب نازاں تھے۔

بادل نہیں تھے۔ پھر بھی فضا میں دھندلاہٹ تھی۔ آسمان صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ لگتا تھا دھوں ہی دھواں پھیلا ہوا ہے۔ ایسی کیفیت تو سال ہا سال سے تھی۔ لیکن ان دنوں دھندلاہٹ زیادہ ہی ہو رہی تھی۔ پہاڑیوں پر گھاس پھونس سوکھ گئی تھی۔ درختوں کے پتے کالے پڑ گئے تھے۔ پھول بدوضع سے نظر آتے تھے۔ اور بہت سے پھلوں میں کیڑے پڑ گئے تھے۔

کشت یار صعف اور مہیب شاندار مسندوں پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے خوبصورت اور قیمتی لباس زیب تن کر رکھے تھے۔ فرش پر قیمتی قالین پڑے تھے۔ اور سونے چاندی کے ظروف میں کھانے پینے کی اشیاء رکھی تھیں۔ جنہیں ان کے ملازم باری باری انہیں پیش کر رہے تھے۔ تینوں آج محسوس کر رہے تھے کہ پھلوں کی مٹھاس بدمزہ ہے۔ اور مشروبات بھی پینے سے دل خراب ہوتا ہے۔ یہ سب کشت یار کے مسندوں سے سجے ہال میں بیٹھے تھے۔

منقش پیالہ صعف نے منہ سے لگاتے ہی واپس رکھ دیا۔

''کیوں بھئی'' کشت یار نے پوچھا۔ ''مشروب پسند نہیں آیا''

''آج پتہ نہیں کیا بات ہے۔ یا تو میرے منہ کا ذائقہ خراب ہے۔ یا پھر شربت۔''

صعف بولی۔ اس نے خوبصورت دستی رومال سے اپنا منہ صاف کیا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے بھی یہ بدمزہ لگا ہے'' مہیب نے کہا۔

''یہ پھل بھی کچھ اچھے نہیں'' کشت یار بولا....... ''جانے کیا بات ہے۔ پھل میرے ہی باغات سے آئے ہیں''

واسقہ کل بتا رہا تھا کہ اس کے باغ کے پھلوں میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔''

بھئی یہی بات میں کہنے آئی تھی....... '' پچھلے محرابی در سے اندر آتے ہوئے نازک اندام موہین بولی۔

سب نے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن اٹھ کر کسی نے اس کو تعظیم نہیں دی۔ نہ ہی موہین نے برا منایا اپنا خوبصورت لیس دار ڈریس سمیٹتے ہوئے وہ ایک کرسی پر خود ہی بیٹھ گئی۔

''تم کیا کہنے آئی تھیں....... موہین!'' صعف نے ناک منہ چڑھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

''واسقہ کے پھلوں میں کیڑے پڑ گئے'' وہ بیزاری سے بولی۔

''کہیں ان پھلوں میں بھی کیڑے نہ ہوں'' مہیب نے ملازم کے ہاتھ میں پکڑی طشتری سے ایک تازہ پھل اٹھایا۔

''اوہ....... '' اس نے پھل کاٹتے ہی واپس پھینکا'' کیڑوں سے بھرا ہے۔ کوئی نہ کھائے۔

''یہ پھل....... ''

''واقعی'' کشت یار کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''خود دیکھ لو....... ''

''اگر ایسا ہے تو بری بات ہے اس کا کیا کریں گے''

''یہ تو ہم نہیں جانتے....... '' مہیب بولا....... ''لیکن ہے واقعہ بری بات''

''بری بات تو فضا کی تبدیلی بھی ہے۔ کیا تم لوگوں نے محسوس نہیں کیا کہ آسمان لگتا ہے ہر وقت کالے بادل چھائے رہتے ہوں....... '' موہین بیزاری سے بولی'' مجھے تو دھیرے سے وحشت ہوتی ہے....... ''

''مجھے خود....... '' صعف نے کہا'' میں بھی یہ تبدیلی محسوس کر رہی ہوں۔''

''اور پہاڑیوں کے پتھر بھی کالے ہوتے جا رہے ہیں۔ سبزہ جل رہا ہے اور پھول خوشنما نہیں رہے....... ''

''ہاں ندی۔ندی کا پانی بھی روز بروز گدلا ہوتا جا رہا ہے''

''لیکن وجہ؟''

''کیا پتہ........''

وہ باتیں کر رہے تھے کہ واسق بھی آ گیا۔اس نے بیش قیمت لباس پہن رکھا تھا اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت مخملیں ڈبہ تھا۔

''واسق بھی آ گیا'' کشت یار بولا........ ''بھئی تمہارے بغیر محفل سونی تھی۔'' ''اچھا........'' واسق بولا ''محفل کو سجانے کے لیے تو صعف اور موہین ہی تھیں۔لیکن کیا بات ہے آج یہ دونوں کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔چہروں پر ہر روز والی رونق نہیں۔پھر وہ تمسخر سے موہین کو دیکھ کر بولا ''بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہو گی۔بھئی اسے تو مسند پر ہونا چاہیے تھا۔جہاں تساہل سے یہ لیٹ سکتی۔''

''دیکھو واسق'' موہین بولی۔

''ہوں''

''میں آرام پسند ضرور ہوں........ لیکن........''

''لیکن کیا؟''

''اس وقت ہم فضا اور شہر میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی باتیں کر رہے ہیں حیران کن بھی ہیں اور پریشان کن بھی........''

واسق متفکر نظر آنے لگا........ ''میں بھی انہی کے متعلق سوچتا رہتا ہوں۔میں کچھ لوگوں سے سنا ہے کہ گائے بھینسوں اور بکریوں نے دودھ بھی کم دینا شروع کر دیا........

''ہاں........ کشت یار جلدی سے بولا ''میرے ملازموں نے یہ بات مجھ سے کہی ہے۔لیکن میں نے سنی ان سنی کر دی تھی''

مہیب فکرمندی سے بولا۔'' کچھ لوگ فصلوں کی باتیں کر رہے تھے کہ اس دفعہ فصلیں جل رہی ہیں۔گندم کے سٹے خالی ہیں۔ان میں خال خال دانے ہی ہیں۔

سب فکرمند سے نظر آنے لگے جس محفل کچھ بے مزہ ہونے لگی۔صعف تنک کر بولی ''اس میں اتنی فکرمندی کی کیا بات ہے۔ہم لوگ دولت مند ہیں۔ہمارے پہ سب کچھ ہے........ فصلیں جل گئیں تو ہمیں کیا فرق پڑے گا۔بھوکا تھوڑا ہی مر جائیں گے''

''خیر بھوکا مرنے والی بات تو نہیں۔لیکن یہ تبدیلی........

''تبدیلی........ اچانک ہی کسی نے کشت یار کی بات کاٹی۔آواز اتنی گونجدار تھی کہ سب نے اس سمت دیکھا جس سمت سے

آواز آئی تھی۔

''ہال کے مغربی در میں سفید بے داغ لباس والا ایک معزز انسان کھڑا تھا۔اس کے سر کے بال اور داڑھی بھی سفید تھی۔وہ اتنا پر وقار مقدس اور پر نور نظر آ رہا تھا کہ سب اسے دیکھتے ہی اپنی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہو گئے۔حالانکہ یہ ان امیر زادوں کا نہ طریقہ تھا نہ دستور۔وہ کبھی کسی کو اپنے سے زیادہ معتبر نہ سمجھتے تھے نہ ہی عزت دیتے تھے۔

لیکن

اجنبی میں جانے کیا بات نظر آئی کہ سب تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔اور مزید عزت دینے کو سینوں پر ہاتھ رکھ کر سر قدرے خم کر دیئے تھے۔

اجنبی نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ سے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آپ کون ہیں....... کشت یار نے بیٹھنے سے پہلے پوچھا۔

''ہم نے آپ کو اس شہر میں پہلے نہیں دیکھا'' یہ مہیب کی آواز تھی۔

''کسی دوسرے شہر سے آئے ہیں....... موہن کرسی میں سہل پسندی سے بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں بیٹی....... میں دوسرے شہر ہی سے آیا ہوں'' وہ بزرگ متانت سے بولا۔

وہ بزرگ آگے بڑھا اور اپنی لاٹھی کے سہارے ان سب کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''ہمارے شہر میں باہر سے کبھی کبھار ہی لوگ آتے ہیں'' صعف بولی ''یقیناً آپ کوئی حاجت مند ہیں جو کشت یار کے ہاں چلے آئے

''لیکن کشت یار کسی کی مدد نہیں کرتا....... '' واسقہ بولا۔

''تم کونسا کسی کی مدد کرتے ہو'' کشت یار غصے سے بولا۔

''تم آپس میں جھگڑو نہیں....... '' اجنبی نے کہا ''میں حاجت مند ہوں نہ ضرورت مند....... ''

''تو پھر تم یہاں کیوں آئے ہو'' صعف بدتمیزی سے بولی

اجنبی بڑی متانت سے مسکرایا۔

پھر

بولا.......

''اس شہر کے آسمان پر دھوئیں کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ یہ بادل اب دبیز ہو رہے ہیں.......''

''ہاں یہ ہم بھی جانتے ہیں.......''

''تم لوگ نہیں جانتے کہ ایسا کیوں ہے.......''

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ واقعی وہ نہیں جانتے تھے کہ ایسا کیوں ہے

''تم ہمیں بتا سکتے ہو کہ ایسا کیوں سب نے پوچھا۔

''اسی لیے تو میں یہاں آیا ہوں.......''

''تم کس شہر میں رہتے ہو.......''

''مسرتوں کے شہر میں''

''مسرتوں کے شہر میں'' سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''ہاں....... مسرتوں کے شہر میں.......''

''کیا تمہارا شہر ہمارے شہر سے زیادہ اچھا ہے.......''

''بہت زیادہ''

''سب نے ایک دوسرے کی طرف پھر دیکھا....... اجنبی نے بڑے تحمل سے کہا'' کہ زمانے میں تمہارا یہ شہر بھی بہت خوبصورت تھا۔ یہ بھی مسرتوں کے شہر ہی کی طرح تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے۔''

''ہاں ہم نے بھی سن رکھا ہے کہ صدیوں تک یہ شہر بے حد خوبصورت تھا۔'' کشت یار بولا۔

''لیکن اب تو.......''

وہ چپ ہو گیا تو واسقہ فکر مندی سے بولا۔'' اب ہمارا شہر بہت خراب ہوتا جا رہا ہے۔ آسمان روشن نہیں رہا۔ فصلیں تباہ ہو رہی ہیں....... ندی کا پانی گدلا ہو گیا ہے مہیب نے ہاں میں ہاں ملائی اور بولا'' تشویش کن بات تو یہ ہے کہ بھینسوں' گایوں اور بکریوں نے دودھ کم دینا شروع کر دیا ہے.......''

''جانتے ہو یہ سب کیوں ہو رہا ہے'' اجنبی نے پوچھا

''جانتے ہوتے تو تم سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی .... ''صعف نے ناک چڑھا کر کہا۔

''آپ جانتے ہیں'' کشت یار نے صعف کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں....... اور یہی بتانے یہاں آیا ہوں....... ''اجنبی نے کہا۔

واسقہ جلدی سے اٹھا اور اجنبی کو ایک مسند پر بٹھاتے ہوئے بولا ''بتایئے۔ کیا وجہ ہے۔ ہم سب سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے۔''

''اجنبی اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر نور پھیلا تھا۔ وہ معمر تھا۔ لیکن جسم تومند تھا۔ وہ بڑے تحمل سے باتیں کرتا تھا۔ بڑے پیار سے سمجھاتا تھا۔ اور بڑے خلوص سے نصیحتیں کرتا تھا۔

سب اس کی طرف متوجہ تھے۔

اور

وہ انہیں

ان کے شہر کی بربادی کی وجوہات تفصیل سے بتا رہا تھا۔

وہ صاحب کرامات بزرگ تھا۔ سب مسحور سے نظر آ رہے تھے۔

''آج بوڑھی سمائی کو تنگ کرنے کا مزہ آ گیا۔''

''خوب گالیاں بک رہی تھی''

''ہمارا گالیوں سے کیا بگڑا''

''منہ کے بل گری خوب''

''بھئی میں نے ٹھوکر لگنے کے لیے پتھر ہی اس طرح جمائے تھے''

''تم نے نہیں میں نے.......''

''ترکیب تو میں نے ہی بتائی تھی نا.......''

''لیکن گری تو میرے پتھر جمانے سے.......''

''ماتھے پہ چوٹ آئی ہے اسے''

''کیا فکر ہے....... کونسا ہم تک پہنچ پائے گی۔ دو قدم ٹھیک سے تو چل نہیں سکتی وہ''

''بوڑھی ہے نا.......''

''اس میں ہمارا قصور ہے بھلا.......''

''پر خیر مزہ بڑا آیا....... کھانے کی چیزیں ہاتھ لگیں''

''پراٹھا مزے کا تھا.......''

''اور آلو.......''

''ہاں وہ میٹھے خمیرے پکوان تو بہت ہی مزے کے تھے۔''

''اے ہے۔ خود تھوڑا ہی بناتی ہے۔ پیسے ہیں اس کے پاس۔ بازار سے خرید لاتی ہوگی۔''

''چرا لاتی ہوگی۔ ہمارے شہر میں پیسے دے کر چیزیں خریدنے والے چند بے وقوف ہی ہیں.......''

''یہ بات تو ہے....... چوری چکاری عام ہے۔''

''اسی لیے تو کوئی پوچھتا نہیں۔''

''سب جو بھی کام کرتے ہیں۔ رات میرا باپ میری ماں سے کہہ رہا تھا کہ اس نے واسقہ کے گھر سے ڈھیر سارے سکے چرائے ہیں۔''

''اور میری ماں نے موہین کی قیمتی موتیوں کی مالا اڑا لی تھی۔ ماں کہتی ہے اسے کسی دوسرے شہر جا کر فروخت کرے گی۔ تو ڈھیر سارے پیسے ہاتھ آئیں گے۔''

پانچوں بچے سمالی کا کھانا کھانے کے بعد ایک درخت تلے پاؤں پسارے بیٹھے تھے۔ آج کا معرکہ مار کر بہت خوش تھے۔ کھانے پینے کو بھی اچھی اچھی چیزیں ملی تھیں۔ اور بڑھیا کو ستایا بھی بہت تھا۔ اپنے کارنامے سے وہ بہت ہی خوش تھے۔

کچھ دیر باتیں کرنے اور ستانے کے بعد گیرو سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور فریدوں سے بولا ''اب کیا کیا جائے.......''

''کچھ سوچو نا....... ہم تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہیں.......''

''اچھا.......''

''ہاں''

اب شاتم رمیلہ اور سیبہ بھی سیدھی ہو بیٹھیں۔کوئی نئی شرارت کرنے کے لیے وہ تیار تھیں فریدوں اور گیرو سوچ ہی رہے تھے کہ ایک کتا جو قدرے لنگڑا رہا تھا۔ادھر آ نکلا کھانے کی بچی کھچی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔وہ انہیں دیکھ دیکھ کر زبان نکالنے لگا اس کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔

شاتم اس کی طرف دیکھ کر بولی''بھوکے ہو........''

رمیلہ نے ہنس کر کہا'' کچھ ٹکڑے ڈال دیتے ہیں اسے''

''میں ڈالتی ہوں.......''سیبہ نے کتے کو دیکھ کر کہا۔پھر ایک گول سا پتھر اٹھایا اور نشانہ باندھ کر کتے کو دے مارا۔

اس کی اس حرکت پر رمیلہ اور شاتم نے خوب تالیاں بجائیں۔پھر وہ بھی پتھر اٹھا کر کتے کو مارنے لگیں۔کتے کے پتھر لگتا تو وہ چاؤں چاؤں کرتے ہوئے ادھر ادھر بھاگتا۔جدھر جاتا ادھر سے پتھر پڑتا۔

ان کے دیکھا دیکھی فریدوں اور گیرو بھی گول گول پتھر اٹھا کر کتے کو مارنے لگے۔پانچوں نے اس زخمی اور چیختے چلاتے کتے کو اس طرح گھیر لیا کہ وہ کہیں بھاگ ہی نہ سکتا تھا۔وہ پتھر کھا کھا کر زخمی ہوتا رہا۔یہ بچے بڑے سفاکانہ انداز میں کتے کو پتھر مارتے ہوئے قہقہے لگا رہے تھے۔تالیاں پیٹ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

پھر

جانے کیسے کتا وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔

''بھاگ نکلا کم بخت''فریدوں بولا...... ورنہ میرا ارادہ تھا کہ اس کی ٹانگ میں رسی باندھ کر اسے دور تک گھسیٹا جائے.......''

''ہائے پہلے بتا دیتے''سیبہ بولی''ہم اسے بھاگنے ہی نہ دیتے........''

''کم بخت''شاتم بڑبڑائی۔

''چلو کوئی اور آ جائے گا''رمیلہ بولی۔

وہ سب باتیں کر رہے تھے کہ انہیں درخت کے پیچھے سے کتے کی چاؤں چاؤں پھر سنائی دی۔فریدوں ایک دم ہی پلٹ کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا''لگتا ہے شامت اسے پھر گھیر لائی ہے۔''باقی بچے بھی اٹھ کر ادھر دیکھنے لگے۔

لیکن

وہ سب دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئے۔ اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی بھی جیسے ہمت نہ رہی انہوں نے دیکھا۔ وہ زخمی کتا ادھر ہی آ رہا تھا۔

اور

اور

اس کتے کے پیچھے پیچھے ایک بزرگ جس کی ریش اور سر کے بال بالکل سپید تھے اور جس نے سفید براق لباس زیب تن کر رکھا تھا چلا آ رہا تھا۔ بزرگ کے چہرے پر نور برس رہا تھا۔ اس کی پیشانی چمک رہی تھی اور اس کی ذہین آنکھوں میں بڑی ملائمت تھی۔

اجنبی ان کے قریب آ کر رک گیا۔

پانچوں بچے اب تک خاموش اور قدرے حیران کھڑے تھے۔ ایسا معزز اتنا بارعب اور پروقار اور پرنور بزرگ انہوں نے آج پہلی بار دیکھا تھا۔

"پیارے بچو....... بزرگ نے پھر کہا....... "کیا تمہارے ہاں بزرگوں کو سلام کرنے کا رواج نہیں۔ بچے شرمندہ ہو گئے۔ فریدوں نے قدرے ہمت کی اور سر نفی میں ہلانے کو تھا کہ گیرو بولا۔

"ہے رواج۔ ہم کوئی غیر مہذب لوگ نہیں"

"بزرگ اس کے جھوٹ پر مسکرایا۔ پھر پوچھا" اس بیچارے کتے کو کس نے زخمی کیا ہے"

"ہمیں کیا خبر....... "اب شاتم ہمت سے جھوٹ بولا۔

"تم سب کو خبر نہیں....... "بوڑھا ان کے جھوٹ پر مسکرایا

"ہاں ہم سب کو خبر نہیں کہ اس کتے کو کس نے زخمی کیا ہے" رمیلہ اور سیمہ نے بھی جھوٹ بولا۔ اجنبی پھر مسکرایا۔ اور جھک کر ہاتھ میں پکڑے کپڑے سے کتے کے زخم کو صاف کرنے لگا۔ سب بچے بہت حیران ہوئے اس شہر میں تو کوئی انسانوں سے بھی اتنی ہمدردی نہ کرتا تھا جتنی یہ اجنبی ایک بے زبان جانور سے کر رہا تھا۔

"اے اجنبی....... "گیرو سے نہ رہا گیا وہ پوچھ ہی بیٹھا" تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ ہم نے اس شہر میں تمہیں پہلے تو کبھی نہیں دیکھا......."

بوڑھا کتے کے زخم صاف کر کے اس پر سفوف سا چھڑک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کندھے پر ڈالے چھوٹے سے مشکیزے سے پانی لے کر ہاتھ دھوئے کتے کو پچکار کر دوسری طرف بھیج دیا اور ہاتھ پونچھتے ہوئے گیرو کی طرف دیکھ کر بولا "ہاں تم نے مجھے پہلے نہیں دیکھا۔ میں آج صبح ہی اس شہر میں آیا ہوں......."

"کہاں سے آئے ہو" فریدوں نے ہمت کی۔

"مسرتوں کے شہر سے۔ مجھے دنیا دیکھنے کا شوق ہے۔ میں شہر شہر گھومتا ہوں۔ لیکن اس شہر میں آ کر مجھے سخت مایوسی اور پریشانی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟" تقریباً سبھی بچوں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لیے کہ یہاں ہر کوئی گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ ہر ایک کے ذہن پر گناہوں اور برے کاموں کا بوجھ لدا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہاں کے بچے بھی اس بوجھ تلے دبے ہیں......."

کیسا بوجھ.......؟" گیرو نے جلدی سے سوال کیا۔ تم کیسی باتیں کر رہے ہو اجنبی"....... "آہ میرے بچو۔ تم کتنے بے خبر ہو" وہ افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے بولا

"کس بات سے" اب شاتم نے پوچھا۔

"اس بات سے کہ تم جانتے تک نہیں کہ تمہارے ذہن کتنے بھاری بوجھ لیے ہوئے ہیں۔ اور وقت کے ساتھ ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے......."

"ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو" فریدوں نے سر جھٹکا۔

"لیکن"

سیمہ ملائمت سے بولی "اچھے بزرگ تمہاری باتیں مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔ ہمیں سمجھاؤ تو......."

"ہاں ہاں بتاؤ تو کچھ ہمارے بھی پلے پڑے" گیرو ابھی تک اکڑا کھڑا تھا۔ لہجے میں بدتمیزی بھی تھی

بزرگ نے پھر بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولا "سنو میرے بچو۔ تم یا تمہارے چھوٹے بڑے جب بھی کوئی برا کام کرتے ہیں۔ تو ان کے ذہن پر گناہ کا بوجھ لد جاتا ہے تم یا کوئی اور جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے۔ تو اس بوجھ میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور دماغ بوجھل ہو جاتے ہیں۔" بزرگ بڑی سنجیدگی سے بچوں کو سمجھانے لگا۔

لیکن

کسی کے پلے کچھ نہ پڑا۔

اس لیے گیرو تمسخر سے بولا ''ہم کوئی گناہ کرتے ہی نہیں.......''

بزرگ متانت سے بولا ''تم لوگوں کے گناہ اتنے بڑھ گئے ہیں کہ تمہارا خوبصورت شہر ویران ہو گیا ہے۔ آسمان کالا ہو رہا ہے ندی کا پانی گدلا ہے اور تمہارے بڑے بتا رہے تھے کہ اب فصلیں جل رہی ہیں جانوروں نے دودھ دینا کم کر دیا ہے اور پھلوں میں کیڑے پڑ رہے ہیں۔ جھوٹ بولنا چوری کرنا دوسروں کو دکھ دینا اذیت پہنچانا ظلم کرنا....... بزرگ لمبی فہرست گنوانے لگا

.... ''تو تو کیا یہ گناہوں کی وجہ سے ہے'' شاتم ہکلائی۔

ہاں میرے بچو۔ خدا نے یہ دنیا انسان کے لیے بنائی ہے۔ یہ بہت خوبصورت ہے۔ انسان کے لیے خدا نے ہر چیز پیدا کی ہے۔ ساتھ ساتھ عقل بھی دی ہے۔ زندہ رہنے کے گر بھی سکھائے ہیں۔ اخلاق و کردار کے وصف بھی اپنے پیغامبروں کے ذریعے انسان کو سکھائے ہیں۔ لیکن افسوس کہ اس شہر کے لوگ سب کچھ بھول کر صرف اور صرف گناہوں کی طرف مائل ہیں۔ اسی لیے ان کے ذہنوں پر بوجھ ہے۔

بچے توجہ سے بزرگ کی باتیں سن تو رہے تھے۔ لیکن سمجھ نہ پا رہے تھے۔ اسی لیے جب بزرگ چپ ہوا۔ تو گیرو بولا ''میرے ذہن پر تو کوئی بوجھ نہیں۔''

فریدوں نے سر ادھر ادھر ہلایا اور قہقہہ لگا کر بولا....... ہمیں ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ ''دیکھو میرا سر ہلکا پھلکا ہے میں کوئی بوجھ محسوس نہیں کر رہا.......''

''اور مجھے بھی کوئی بوجھ محسوس نہیں ہو رہا.......'' سیمہ بولی۔

شاتم نے بھی سر ادھر ادھر ہلایا اور ہنس کر بولی....... میرے دماغ پر کوئی بوجھ نہیں۔''

اجنبی بچوں کو دیکھ کر شفقت سے مسکرایا اور بولا....... صبح جب میں تمہارے شہر کے کچھ بڑے آدمیوں سے ملا۔ تو انہوں نے بھی یہی کہا.......''

''پھر'' بچے دلچسپی سے بولے۔

''پھر میں نے ان کے ذہنوں کے بوجھ ان پر ظاہر کر دیئے۔ خدا نے مجھے یہ قوت بخشی ہوئی ہے کہ میں ذہنوں کے بوجھ ظاہر کر

سکتا ہوں.......''

بچے حیرانگی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پھر گیرو دو قدم آگے بڑھا اور بولا ''تم سے وہ بوجھ دکھا سکتے ہو.......''

''اللہ کے حکم سے'' بزرگ نے کہا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ اللہ کے حکم سے ذہن کا بوجھ پر کمر پر آ جاتا ہے۔ خدا نے یہ قوت مجھے ودیعت فرمائی ہے۔''

گیرو نے قہقہہ لگایا اور بولا ''حد ہو گئی۔ ایک تو ہمارے ذہنوں پر کوئی بوجھ ہی نہیں اس پر تمہاری کرامت کہ بوجھ نمودار ہو جائیں گے کیسے بھلا؟''

''ایسے کہ وہ گٹھڑی کی طرح تمہاری پشت پر نمودار ہو کر جسم کا حصہ بن جائیں گے۔''

''ہاں ہاں ہمارے بوجھ بھی نمودار کرو تو جانیں....... شاتم آگے بڑھی۔

اب فریدوں رمیلہ اور سہیہ نے بھی بزرگ کی بات کا تمسخر اڑاتے ہوئے یہی بات کہی اجنبی افسردگی سے مسکرایا۔

''اچھا تمہاری مرضی ہے تو میں کر دکھاتا ہوں.......''

''دکھاؤ.......''

''تم سب آنکھیں بند کر لو۔ اور جب میں کہوں آنکھیں کھولو تب ہی کھولنا۔''

''اچھا'' سب نے کہا۔

''آنکھیں بند کر کے کوشش کرو کہ سارے خیالات تمہارے ذہن سے نکل جائیں۔ چلو بند کرو آنکھیں۔ اور ذہن سے سب خیالات نکالنے کی کوشش کرو.......''

شاتم' فریدوں اور رمیلہ کو ذرا ڈر محسوس ہوا۔ لیکن جب سہیہ اور گیرو کو آنکھیں بند کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔

بچے اپنے طور سے کوشش کرنے لگے کہ ان کے ذہن سے خیالات نکل جائیں۔ دوسرے ہی لمحے انہیں یوں محسوس ہوا کہ ان کا ذہن ہلکا پھلکا ہو کر فضاؤں میں گھوم رہا ہے۔

بزرگ چند لمحے خود آنکھیں بند کیے کچھ پڑھتا رہا

پھر

اس نے گھمبیر آواز میں کہا ''بچو آنکھیں کھولو''

سب بچوں نے آنکھیں کھولیں۔ گیرو آنکھیں کھولتے ہی بولا ''ہاں تو کہاں نمودار۔لیکن وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا۔ اسے اپنی پشت پر خاصہ بار سا محسوس ہوا۔ وہ چونک کر اپنی پشت پر ہاتھ مارنے لگا۔ گوشت کی گٹھڑی نما چیز پشت پر محسوس کر کے وہ خوفزدہ ہو گیا۔

شاتم نے فریدوں کی پشت دیکھی تو چیخ ماری۔ سیہ نے بھی محسوس کیا اور رمیلہ کی پشت کا کب دیکھا کر خوف سے پیلی پڑ گئی۔

سب بچوں کی پشت پر گوشت کے کوہان سے ابھر آئے تھے جن کا بوجھ وہ محسوس کر رہے تھے۔

فریدوں کی گھگی بندھ گئی خوفزدہ ہو کر بولا ''یہ تو الگ بھی نہیں ہو رہا جسم کا حصہ بن گیا ہے۔''

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں'' گیرو روہانسا تھا...... ''یہ کیسے غائب ہوگا اچھے اجنبی اسے ختم کردو......''

اجنبی افسردگی سے بولا...... ''اب یہ کیسے تم سے الگ ہو سکتا ہے یہ گناہوں کا بوجھ ہے''

''اچھے بزرگ اس بوجھ کو واپس ہمارے ذہنوں میں پہنچا دو...... بچوں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

یہ ہمیں بے حد تکلیف بھی دے رہا ہے اور جب ہم گھروں کو لوٹیں گے تو لوگ دیکھیں گے ہمارے لیے شرمندگی کا باعث بھی ہو گا۔

بزرگ افسردگی سے بولا ''اب یہ میرے بس کا کام نہیں۔''

''کیوں...... بچے رو رہے تھے۔

''میں فقط اسے ظاہر کر سکتا تھا...... ''بزرگ بولا۔

''تو کیا ہم عمر بھر یہ بوجھ اٹھائے پھریں گے...... ''فریدوں بولا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

سب بچے رونے لگے۔

''روؤ نہیں بچو'' بزرگ نے انہیں تسلی دینے کو کہا...... تم چاہو تو یہ بوجھ دور ہو سکتے ہیں......''

''کیسے۔ جلدی سے بتائیں محترم بزرگ'' اب گیرو بڑی تمیز اور انکساری سے بولا بزرگ کے چہرے پر مسرت لہرا گئی۔

پھر

اس نے بچوں سے کہا ''صبح تمہارے کچھ بڑوں نے بھی مجھ سے ضد کی تھی کہ میں ان کے ذہنی بوجھ ان کی پشتوں پر ظاہر کر کے دکھاؤں۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ وہ ذہنوں پر گناہوں کے بوجھ لادے پھر رہے ہیں

''پھر....... بچے گھگیائے۔

''ان کے بوجھ بھی پشتوں پر کب کی صورت میں نکل آئے ہیں....... وہ بھی تمہاری طرح پریشان ہیں اور لوگوں کے سامنے اس حالت میں آنے پر شرمندگی محسوس کریں گے۔''

''پھر کچھ بتایئے بھی کہ اس کا علاج کیا بتایا ہے آپ نے ان کو ہمیں بھی بتائیں''

اس کا علاج یہاں ممکن نہیں....... ''بزرگ بولا۔

''تو کہاں ممکن ہے۔'' بچے بیک زبان بولے۔

''میرے شہر میں جو یہاں سے ہزاروں کوس دور ہے'' وہ بولا ہے۔

''ہزاروں کوس'' بچے بے طرح گھبرا گئے۔

''گھبرانے کی بات نہیں۔ یہ فاصلہ پہاڑوں کے راستے طے کیا جائے تو کچھ زیادہ نہیں۔ وہ دیکھو۔ وہ جو پہاڑ نظر آ رہا ہے نا اس کے پار میرا شہر ہے۔

''مگر وہ پہاڑ تو بہت دور ہے اچھے اجنبی'' فریدوں مئودبانہ انداز میں بولا۔

''نہیں۔ یہ ایسے دکھائی دیتا ہے۔ اگر تم کل ہی اپنا سفر شروع کر دو۔ تو پانچ چھ میں میرے شہر میں پہنچ جاؤ گے....... ''اجنبی نے انہیں تسلی دی اور بولا ''تمہارے بڑوں کا بھی یہی ارادہ ہے جن کے پاس کب نکل آئے ہیں وہ کل صبح سویرے اپنا سفر شروع کر دیں گے =وہ سب اس ندی کے پاس اکٹھے ہوں گے۔ اس موڑ پر'' اجنبی نے جگہ دکھائی تم بھی ان کے ساتھ چل پڑنا۔ اچھا بچو خدا حافظ۔ خدا تمہیں گناہوں کا یہ بوجھ اتارنے کی ہمت دے۔ خدا حافظ بچو!''

اجنبی نے ہاتھ ہلایا اور ایک سمت کو چل دیا۔

بچے کچھ دیر اس کو جاتے دیکھتے رہے۔ پھر ایک دوسرے کے کب دیکھ افسوس کرنے لگے کہ ناحق بزرگ سے ضد کی۔

لیکن

اب تو چارہ نہیں تھا۔ کل بڑوں کے ساتھ انہیں بھی سفر پر روانہ ہونا ہی تھا۔

رات خواب اتر آئی تو وہ چھپتے چھپتے اپنے گھروں کو گئے۔ رات ٹھیک سے سو بھی نہ سکے کہ پشتوں کے کب تنگ کر رہے تھے۔ ماں باپ کے تو وہ سامنے گئے ہی نہیں۔ ویسے بھی ماں باپ کونسا ان کا دھیان رکھتے تھے۔ وہ کئی کئی دن پہلے بھی باہر گزار آیا کرتے تھے اور ماں باپ پوچھتے تک نہیں تھے۔

رات جانے کب ان کی آنکھ لگی۔

لیکن

صبح وہ بہت جلدی اٹھ گئے۔ منہ اندھیرے گھروں سے نکلے اور ندی کے موڑ کی طرف چل دیئے۔

بچوں کے چہروں پر کوفت اور اذیت کے سائے لہرا رہے تھے۔ ہر کوئی اپنی پشت پر اٹھے کوہان سے ہراساں تھا۔ وہ سب ندی کے کے موڑ کی طرف جا رہے تھے۔

''میں جب سو کر اٹھا تا...... '' فریدوں نے گیرو سے کہا۔

''تو تم نے سوچا ہو گا کہ یہ پشت کا گٹھڑ محض اک خواب تھا'' گیرو بولا۔

''واقعی...... '' فریدوں نے کہا ''لیکن جب ہاتھ لگایا تو گوشت کا یہ گٹھڑا موجود تھا۔ میں بہت پریشان ہوا...... ''

''پریشان کی بات تو ہے ہی۔'' شاتم بولی۔ ''مجھ سے تو رات ٹھیک سے سویا ہی نہیں گیا اوندھے منہ پڑی رہی''

''میں بھی'' سیمہ نے کہا ''چت لیٹنے کا تو سوال ہی نہ تھا۔''

رمیلہ روہانسی ہو کر بولی ''جو یہ کب ٹھیک نہ ہوئے تو...... ''

''ہائے ہائے رمیلہ ایسی مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ جس اجنبی بزرگ نے یہ کب ظاہر کئے اس کے کہنے پر تو ہم لوگ اس کے شہر جا رہے ہیں۔ اس نے جھوٹ تو نہیں بولا ہو گا...... ''

''ہاں۔ جھوٹ بولنے کے تو ہم لوگ عادی ہیں'' گیرو نے کہا۔

''لیکن ہمیں کیا پتہ کہ جھوٹ بولنا گناہ ہے'' شاتم بولی ''ہمیں کبھی کسی نے تھوڑا ہی تھا''

یہ بات تو ہے ہمیں کبھی بڑوں نے یہ باتیں نہیں بتائی تھیں...... ؟''

''کبھی نہیں۔ ہمیں تو ہمارے ماں باپ نے بھی کبھی یہ باتیں نہیں بتائی تھیں۔ جانتے ہی نہیں کہ یہ سب باتیں گناہ ہیں...... ''

''ایک غلطی ہوگئی نا.......''

''کیا؟''

''ہمیں اجنبی بزرگ کو بتا دینا چاہیے تھا کہ ہمیں کبھی کسی نے بتایا ہی نہیں کہ جھوٹ بولنا چوری کرنا دھوکہ دینا ظلم کرنا''

شاتم نے گیرو کی بات کاٹتے ہوئے کہا....... ''ٹھیک ہے ہمیں کسی نے کبھی یہ باتیں نہیں بتائیں لیکن ذرا سوچو تو جب ہم کسی کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ تو وہ کتنا دکھ اٹھاتا ہوگا ہم نے بوڑھی سمالی کو منہ کے بل گرایا اس کا خون بہہ نکلا۔ کیا اسے چوٹ لگنے سے کوئی تکلیف نہ ہوئی ہوگی۔

''ضرور ہوئی ہوگی'' رمیلہ بولی ''ہمیں ذرا سی چوٹ لگے تو تکلیف ہوتی ہے نا۔''

''ہاں....... یہ باتیں سوچنے کی ہیں.......''

پانچوں بچے اپنی اپنی ذہنی استعداد کے لحاظ سے باتیں کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ ہلکا ہلکا اندھیرا چارسو پھیلا تھا۔ اور جس راستے وہ جا رہے تھے اور اس پر ابھی کوئی آدمی یا جانور بھی نہیں آ جا رہا تھا

''شکر ہے ہمیں اس حالت میں کسی نے دیکھا نہیں.......'' سیمہ بولی۔

''کتنے شرم کی بات ہے میں نے تو ماں کی چادر اپنی پشت پر ڈال لی ہے'' شاتم نے کہا۔

''شکر ہے گھر والوں کو بھی پتہ نہیں چلا۔'' گیرو بولا۔

''یار نہیں پتہ چل بھی جاتا تو پھر بھی کیا ہوتا۔ کونسا انہوں نے فکر مند ہونا تھا ہمارے لیے'' فریدوں نے تلخی سے کہا

سب باتیں کرتے ہوئے آگے پیچھے کچے راستے پر چلے جا رہے تھے۔ کبھی گیرو آگے ہو جاتا کبھی فریدوں۔ تینوں لڑکیاں ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھیں۔

دائیں ہاتھ مڑتے ہی انہیں ندی کا موڑ نظر آیا۔ وہاں کچھ لوگوں کے ہیولے بھی دکھائی دیے

''وہاں کچھ لوگ پہنچ چکے ہیں گیرو نے آنکھیں پھیلا پھیلا کر ندی کے موڑ کی طرف دیکھا۔''

''جانے کون لوگ ہیں وہ؟'' فریدوں نے کہا۔

''بھئی اسی شہر کے ہیں نا....... ابھی قریب پہنچ کر پتہ چل جائے گا.......''

''چلو ذرا تیز قدم اٹھاؤ''

''ہاں ان سے ملیں تو سہی........''

''ہمیں اکٹھے ہی جانا ہے اجنبی بزرگ نے بتایا تو تھا.......''

''ہاں۔وہ لوگ شاید ہمارا ہی انتظار کر رہے ہیں.......''

''شاید.......''

وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔

''گیرو ایک بات'' شاتم بولی

''کیا؟''

''بھئی ہم لوگوں نے کھانے پینے کو تو کچھ لیا ہی نہیں۔پانچ چھ دن کا سفر کرنا ہے'' ''اس کی ضرورت بھی نہیں تھی'' گیرو بولا۔''اس علاقے میں پانی کی بہتات ہے اور درخت بھی پھلوں سے لدے ہیں۔کچھ ہو ہی جائے گا.......''

''ہوسکتا ہے یہ بڑے لوگ کھانے پینے کا سامان ساتھ لائے ہوں

''لائے ہوں گے تو اپنے لیے ہمیں تھوڑا ہی دیں گے۔پتہ نہیں ہے کہ ہمارے شہر کا دستور کسی کو کچھ دینے کا نہیں لینے کا ہے۔ چھیننے کا....... لوٹنے کا.......''

''ہوں''

''خیر دیکھیں گے۔کیا ہوتا ہے''

سب آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔کبھی چپ ہو جاتے کبھی باتیں کرنے لگتے۔''اچانک ہی شاتم رک کر بولی'' ارے

''کیوں کیا ہوا.......؟'' سب نے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ دیکھا؟''

''کیا؟''

''یہ موہین نہیں ہے۔پتھر کے پاس۔پھولدار لبادے میں.......''

سب نے غور سے ادھر دیکھا۔وہ موہین ہی تھی۔اس نے پھولدار لبادے میں پورا جسم لپیٹ رکھا تھا۔چہرہ بھی نصف کے قریب ڈھکا ہوا تھا۔چونکہ اس کا رخ ادھر تھا۔اس لیے شاتم نے اسے پہچان لیا۔

''ہاں ہاں یہ تو موہین ہی ہے....... ''سب بولے۔

''اور وہ ساتھ واسقہ لگ رہا ہے''فریدوں نے کہا۔'' ہلکے سلیٹی لباس میں ہاں واسقہ ہی ہے''

اب سب جلد جلد قدم اٹھا رہے تھے ان کا تجسس بڑھ رہا تھا۔

پھر

گیرو نے کشت یار کو پہچان لیا۔ وہ انتہائی ظالم اور سفاک آدمی اس وقت اپنی پیٹھ کے بوجھ سے جھکا ہوا تھا۔ بچوں سے اسے نفرت تھی بچے اس ناپسند کرتے تھے۔

گیرو کو ایسے حالات میں بھی اسے یوں دیکھ کر ہنسی آ گئی۔

اب تو بچوں کو وہ پانچوں بخوبی نظر آ رہے تھے۔ مہیب بھی ان میں تھا۔ جو بہت بزدل ڈرپوک لیکن دھوکے باز بھی تھا۔ پرلے درجے کا جھوٹا اور فریبی تھا۔ اس کے ساتھ صعف بھی تھی۔ جو تھی تو بڑی بدمزاج اور اکڑ والی لیکن بچوں سے اسے بہت پیار تھا۔ اس لیے بچے بھی اسے پسند کرتے تھے۔

وہ سب قریب پہنچے تو سب سے پہلے صعف ہی نے انہیں دکھا اور بے اختیارانہ بولی ''بچو تم بھی اس اجنبی کی باتوں کا شکار ہو گئے۔ تمہاری کمریں بھی جھکی ہیں اور کب نکل آئے ہیں'' بچے اس کے قریب آ گئے۔

خلاف معمول اور خلاف توقع کشت یار بھی بچوں کو دیکھ کر ملائمت سے بولا ''تمہیں بھی وہ اجنبی بزرگ ملا تھا۔''

''جی'' بچے ڈرے وڑے سے تھے۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم سب نے ایک ہی جگہ جانا ہے'' صعف بولی ''بچو تم گھبراؤ نہیں ہم سب تمہارے ساتھ ہیں.......''

بچے ان بزرگوں کی شفقت سے کچھ حیران نظر آ رہے تھے۔ واسقہ اور مہیب بھی ان سے اچھے لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔''

''اب ہمیں سفر شروع کر دینا چاہیے'' کشت یار نے ادھر ادھر دیکھا ''سورج نکلنے سے پہلے ہمیں اپنے شہر کی حدود سے نکل جانا چاہیے۔''

''ہاں'' مہیب نے کہا '' تاکہ شہر کے لوگ ہماری یہ حالت دیکھ نہ لیں۔''

''ہم پہلے ہی شرمندگی کے احساس سے چور چور ہیں'' موہین بولی۔

''تو اٹھاؤ قدم'' کشت یار قدم اٹھاتے ہوئے بولا۔

''آپ سب کو معلوم ہے کہ ہم نے اس سامنے والے اونچے پہاڑ کی دوسری طرف جانا ہے؟'' گیرو نے آہستگی سے کہا

واسقہ تلخی سے بولا ''ہاں۔ اس کے پار ہی اس اجنبی بزرگ کا مسرتوں کا شہر ہے اور ہمارے یہ کب وہیں جا کر درست ہو سکتے ہیں''

''ہمیں جلد از جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے'' کشت یار بولا۔

''لیکن....... ''موہین پریشانی سے بولی ''میں کیسے چل پاؤں گی

''اب تساہل پسندی کو ختم کرو۔ اور چلنا شروع کر دو۔ یہ مصیبت تم نے بہر صورت اٹھانا ہی ہے....... ذہن سے آرام و آسائش کا خیال نکال دو.......''

''کشت یار تم تو موہین کو ڈانٹنے لگے۔ بھئی آرام سے سمجھاؤ۔ جانتے تو ہو۔ وہ کتنی سہل پسند ہے.......''

اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ہماری پیٹھوں پر لدے یہ گٹھڑ ایسے ہی ٹھیک سکتے۔ اب ہمیں راستوں کی کٹھنائیاں اور مصیبتیں مل جل کر ہی برداشت کرنی ہیں۔''

بچے بڑوں کی باتیں سن رہے تھے۔ انہیں حیرانگی ہو رہی تھی کہ اکھڑ ظالم اور بدمزاج لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی باتیں کر رہے تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں تھا۔

چلتے چلتے

چلتے چلتے

وہ سب اب ایک سرسبز و شاداب میدان میں پہنچ چکے تھے۔ ان کے شہر کی حد کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔ اسی لیے سب ندامت اور شرمندگی کی غلبے سے کسی حد تک نکل چکے تھے۔

سورج نکل آیا تھا اور اس کی سنہری کرنیں ہر سو اجالا پھیلا رہی تھیں۔ سبک اور مست خرام ہوائیں چل رہی تھیں۔ سبزے اور پھولوں کی مہک فضا میں رچی ہوئی تھی۔ میدان کے گرداگرد بڑے گھنے اور چھتنار درخت تھے۔ جن کے تنوں سے نازک اندام لال پیلے پھولوں والی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔

موسم انتہائی خوشگوار تھا۔

دس نفوس پر مشتمل یہ قافلہ رواں دواں تھا۔ کبھی بچے بڑوں کے ساتھ ساتھ چلتے کبھی آگے نکل جاتے اور کبھی جان بوجھ کر پیچھے رہ

جاتے۔ وہ پشتوں پر بوجھ کے باوجود بڑوں سے زیادہ تازہ دم تھے۔

فریدوں اور گیروتو ہنس ہنس کر کہہ رہے تھے....... لگتا ہے ہم نے یہاں ہی اپنی پشتوں کو بوجھ اتار پھینکا ہے۔ یا پھر ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں۔ پتہ ہی نہیں چل رہا کہ ہمارے کب نکلے ہوئے ہیں اور ڈھیر سارا گوشت ہماری گردن اور کندھوں کے درمیان لٹک رہا ہے"

ان کی باتیں سن کر کشت یار نے واسقہ سے کہا۔ "ان بچوں کی سوچ کتنی مثبت ہے ہمیں بھی ان ہی کی طرح سوچنا چاہیے۔ منزل تک پہنچنے کے لیے ایسی سوچ بڑی معاون ثابت ہوگی"

"ہاں ہوگی....... "واسقہ نے جواب دیا۔

"کیوں خیریت" کشت یار نے پوچھا۔ "تھک گئے ہو....... ابھی سے"

"نہیں....... " واسقہ نے منہ بنایا پھر موہین کی طرف اشارہ کیا۔ جو پاؤں اٹھا کر چلنے کی بجائے پاؤں گھسیٹے چلی آ رہی تھی۔

کشت یار کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

موہین سب سے پیچھے تھی۔ کشت یار کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو بولی "ٹھہرو کشت یار"

"کیوں؟" کشت یار کے ساتھ سب ہی رک گئے۔

موہین قریب آئی اور بمشکل سانس درست کرتے ہوئے بولی "کتنا خوبصورت علاقہ ہے کیا اچھا نہ ہوگا کہ یہاں تھوڑی دیر آرام کرلیا جائے"

صعف نے منہ بنایا اور بولی "ابھی راستہ کتنا ہی کتنا ہے؟ تمہیں آرام کی پڑ گئی۔"

"ہرج کیا ہے۔ راستہ طے ہو ہی جائے گا" موہین جو انتہائی سہل پسند تھی بہ منت بولی تو کشت یار نے جواب دیا "بہتر ہے۔ تم یہاں آرام کرو۔ جب تکان اتر جائے تو چلی آنا ہم تو رکنے سے رہے"

کشت یار کی بات پر صعف اور بچے ہنس پڑے۔ موہین نے برا سا منہ بنایا۔ اور بے دلی سے قدم اٹھانے لگی۔

وہ باتیں کرتے قدم قدم چلتے آگے بڑھنے لگے۔

اور

انہوں نے وہ وسیع وعریض سرسبز وشاداب میدان پار کرلیا۔ میدان کے آخری کنارے پر پہنچنے سے پہلے ہی انہیں زوروشور سے

بہتے پانی کی آوازیں سنائی دینے لگیں ہوائیں بھی نم آلود ہو گئیں۔اور پانی کی نرم سی پھوار بھی کسی لمحے ہوا کے دوش سواران کے چہروں کو چھونے لگی۔

''لگتا ہے کوئی ندی بہہ رہی ہے'' کشت یار بولا۔

''ندی ہے یا دریا۔'' واسقہ نے کہا۔

''مجھے تو ٹھاٹھیں مارتا سمندر لگتا ہے'' ڈرپوک مہیب خوفزدہ ہو کر بولا۔

بچے قلانچیں بھرتے آگے پیچھے دوڑتے چلے جا رہے تھے۔وہ کنارے تک پہنچے تو وہیں سے چلائے ''یہاں تو ندی بہہ رہی ہے.......''

''بہت تیز رفتار پانی ہے''

''لیکن صاف وشفاف''

''پانی اتنا صاف اور چمکدار ہے کہ نیچے بیٹھے پتھر بھی نظر آ رہے ہیں''

بڑے بھی وہاں جا پہنچے۔بچے ندی کنارے کھڑے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

لیکن

کشت یار کچھ پریشان سا ہو گیا۔اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔چمکتی دمکتی اٹکھیلیاں کرتی ندی ہی نظر آئی۔ندی کے پار وہ پہاڑ تھا۔جس پر انہیں پہنچنا تھا۔

لیکن

اس ندی کو عبور کیسے کیا جائے گا۔دور دور تک کوئی پل نہ دکھائی دے رہا تھا۔نہ کوئی کشتی نظر آ رہی تھی۔

مومین ہانپتے ہوئے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔

''ہم نے اس ندی کے پار جانا ہے'' واسقہ فکرمند سا نظر آنے لگا۔

''لیکن کیسے....... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ندی بہت ہی تیز رفتار ہے اسے تیر کر پار کرنا ناممکن ہے.......''

''دور نزدیک پل بھی کوئی نہیں....... '' مہیب ڈرا ہوا تھا۔

''پھر کیا کیا جائے؟'' کشت یار نے کہا۔

سب چپ ہو گئے۔ فریدوں اور گیرو دور تک ہو آئے لیکن کوئی پل نظر نہ آیا۔ وہ بھی کشت یار کے پاس آ کھڑے ہو گئے۔

''اب کیا کیا جائے؟'' کشت یار بولا۔

''کچھ تو کرنا ہوگا'' گیرو نے کہا۔ ہمارا سفر تو ابھی شروع ہوا ہے۔ اس ندی پر ہی رک گئے تو منزل تک کیسے پہنچیں گے۔

''کیا پتہ تھا ایسی مشکل پیش آئے گی'' تند خو صف بولی پھر خود ہی بڑبڑائی ''خواہ مخواہ ہی اس اجنبی سے ہم لوگوں نے ضد کی۔ اچھی بھلی چین کی زندگی گزر رہی تھی' مصیب اپنے گلے ڈال لی۔''

''کشت یار ندی پار کرنے کا سوچ رہا تھا۔ ان سب کی ترش کلامی سے زچ ہو کر بولا پچھلی باتیں چھوڑو آگے کی سوچو''

''میں کوشش کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔'' کشت یار بولا۔۔۔۔۔۔ پھر اس نے اپنا گھیردار لبادہ کمر کے پٹکے میں اڑس لیا۔ اور پانی میں پڑے پتھر پر پاؤں رکھ دیا۔

لیکن

پانی کا منہ زور ریلا آیا۔۔۔۔۔۔ کشت یار کو واسقہ اور مہیب پکڑ نہ لیتے تو شاید پانی اسے بہا لے جاتا۔ دونوں نے جلدی سے اسے کنارے پر کھینچ لیا۔ وہ ریتلے کنارے پر گر گیا اب تو سب ہی پریشان نظر آنے لگے۔

''کیسے ندی پار کریں۔۔۔۔۔۔'' شاتم فکرمندی سے بولی۔

''پار تو کرنا ہی ہے۔ ورنہ ہم اس پہاڑ تک پہنچ نہیں سکیں گے۔'' سیمہ نے ہراساں ہو کر کہا۔

''پار کرنے کی کوئی نہ کوئی جگہ ضرور ہوگی۔۔۔۔۔۔'' کشت یار بولا۔

فریدوں دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھ فاصلے پر ایک آدمی نظر آیا۔ وہ لباس سے چرواہا معلوم ہوتا تھا۔

''وہ دیکھیں!'' اس نے کشت یار کا کندھا پکڑ کر چرواہے کی طرف اسے متوجہ کیا۔

''کیا ہے؟''

''وہ کوئی مقامی آدمی لگتا ہے۔''

''تو پھر؟''

''اس سے پوچھتے ہیں شاید اسے علم ہو کہ ندی کو کیسے پار کیا جا سکتا ہے۔''

''شاباش فریدوں۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ وہ ادھر ہی آ رہا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں۔ ضرور کوئی راہ نکل آئے

گی۔۔۔۔۔۔۔''

چرواہا اپنے دھیان چلا آرہا تھا۔

چند قدم دور ہی تھا کہ گیرو نے آواز دی ''اے بھائی''

وہ آواز سن کر چونکا سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور قریب آ کر بولا ''کون ہو تم لوگ؟ تم نے مجھے آواز دی''

''ہاں''

''کیا چاہتے ہو''

کشت یار بولا ''ہم لوگوں نے اس پہاڑ پر جانا ہے۔لیکن یہ ٹھاٹھیں مارتی ندی راہ میں حائل ہے''

''کیا اسے پار کرنے کا کوئی طریقہ ہے''صعف بولی۔

''پل تو کوئی ہے نہیں'' واسقہ بولا۔

''تم لوگوں نے جانا کہاں ہے''چرواہا بولا۔

''مسرتوں کے شہر جو اس پہاڑ کی دوسری طرف ہے''

''اچھا۔۔۔۔۔۔'' اس نے سب کی پشتوں پر نگاہ ڈالی اور سر ہلاتے ہوئے بولا ''تم اس ندی کو پار کر سکتے ہو۔وہ دیکھو۔وہ عزم کا گھاٹ ہے۔اور جگہ جگہ حوصلے کے پتھر پڑے ہیں۔اس گھاٹ کے قریب ندی کی روانی از خود کم ہو جائے گی۔حوصلے کے پتھر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ندی کی تہہ میں بچھے ہیں۔اس عزم کے گھاٹ ہی سے اس طوفانی اور خودسر ندی کو عبور کیا جا سکتا ہے۔عزم کے گھاٹ سے ندی میں اترنے کے ہمت کی زینوں جیسی ڈھلانیں بھی ہیں۔تم لوگ وہاں بے دھڑک چلے جاؤ آسانی سے گھاٹ سے ندی میں اتر جاؤ گے۔پھر حوصلے کے پتھروں پر پیر رکھ دینا۔کوئی دشواری نہیں ہوگی''

چرواہا بات کر کے آگے بڑھ گیا۔بچے اور بڑے سب ہی چپ ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔عزم ہمت حوصلہ اور سوچ میں پڑ گئے۔

بہر حال

انہیں ندی تو عبور کرنا ہی تھی' اس لیے کشت یار نے عزم کے گھاٹ کی طرف چلنے کا اعلان کیا۔

وہ چونکہ سب سے بڑا اور ان سب میں معتبر تھا۔اسی لیے سب نے اسے اپنا قائد مان لیا۔

اور

وہ سب عزم کے گھاٹ کی طرف کشت یار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

چرواہے کی بات درست تھی۔ گھاٹ خاصہ بڑا تھا۔ کشادہ اور ہموار۔ ندی میں اترنے کے لیے ڈھلانیں زینوں ہی کی طرح تھیں۔ ہمت کے یہ زینے سب کو باآسانی ندی میں اتار سکتے تھے۔ ندی کے صاف وشفاف پانی میں پڑے حوصلے کے پتھر بھی صاف طور دکھائی دے رہے تھے۔

یہ

دس کے دس اب عزم کے گھاٹ پر کھڑے تھے۔ کوئی آگے کوئی پیچھے۔ لیکن ابھی تک ہمت کے ڈھلان نما زینے پر کسی نے پیر نہیں رکھنا تھا۔ کشت یار چونکہ ایک بار پھسل چکا تھا اس لیے کچھ ہچکچا رہا تھا۔ کنارے کی ڈھلانین سیلن زدہ تھیں۔ پاؤں پھسل بھی سکتا تھا۔ مہیب تو ویسے ہی ڈرپوک اور بزدل تھا۔ عزم کے گھاٹ سے بھی قدم پیچھے ہٹا لیے تھے۔ واسق بھی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

''بھئی کسی کو تو پہل کرنا ہے'' فریدوں نے سب کو اسی طرح کھڑے دیکھا تو بولا ''اب تو ہم عزم کے گھاٹ پر آہی چکے ہیں۔ ندی کو بہر صورت عبور کرنا ہے۔ ورنہ ہم منزل تک کیسے پہنچ پائیں گے۔''

''بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کرو'' ضعف بولی ''ندی میں اترنے سے پہلے سوچ لو سب' کیا خبر آگے اور کیا کیا ہوگا۔'' ''کتنی مصیبتیں اٹھانا پڑیں گی''

''وہ تو اب اٹھانا ہی ہیں۔ تب ہی تو ہماری پشت پر لدے بوجھ اتر سکیں گے۔ فریدوں بولا۔ ''کم از کم میں تو عمر بھی یہ بوجھ اور شرمندگی کا احساس اٹھائے پھرنے کو تیار نہیں۔ میں تو جیسے بھی ہوگا مسرتوں کے شہر پہنچوں گا''

''میں بھی'' رمیلہ نے بھائی کا ہاتھ تھام لیا۔

''شاتم تم بھی آجاؤ۔ ہم پہل کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔'' ''فریدوں نے کہا۔'' تو شاتم نے آگے بڑھ کر رمیلہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔۔۔۔۔۔''

فریدوں نے ہمت کے زینے پر قدم رکھ دیا۔ رمیلہ اور شاتم نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ تھوڑا سا پھسلے لیکن ہمت برقرار رکھی۔ چند لمحوں بعد ان کے قدم پانی میں پڑے حوصلے کے پتھر پر تھے۔

''آرام سے سنبھل سنبھل کر قدم رکھتی چلو۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں'' فریدوں نے بہنوں سے کہا

''لیکن فریدوں۔ یہاں تو پانی کا بہاؤ بڑا زوردار ہے'' شاتم ڈگمگاتے ہوئے بولی۔

''کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔حوصلے کے پتھر پر مضبوطی سے پیر جماتی چلو۔۔۔۔۔۔۔۔رمیلہ تم بھی میری طرح پاؤں رکھتی چلو

''اچھا فریدوں بھائی'' رمیلہ نے کہا۔ پتھروں پر توازن رکھنا مشکل تو تھا۔ لیکن فریدوں کی حوصلہ افزائی سے رمیلہ اور شاتم ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر پاؤں رکھتی چلی جا رہی تھیں۔

وہ درمیان میں پہنچے تو فریدوں نے گردن موڑ کر گھاٹ کی طرف دیکھا۔ گیرو شاتم اترنے کی تیاری میں تھا۔ اسی لیے فریدوں نے اسے آواز دی گیرو اور سیبہ تم دونوں بھی آ جاؤ۔ یہاں اب پانی کا بہاؤ تیز نہیں ہے۔ ہم لوگ آسانی سے ندی پار کرلیں گے''

''اچھا ہم دونوں بھی آ رہے ہیں فریدوں'' گیرو نے دونوں ہاتھوں کا بگل سا بنا کر منہ سے لگا لیا اور زور سے فریدوں کو جواب دیا۔

اب گیرو نے سیبہ کا ہاتھ پکڑا اور ہمت کے ڈھلانی زینے پر قدم رکھ دیئے۔

''جب بچے جا رہے ہیں۔ تو ہمیں بھی ہمت سے کام لینا چاہیے'' کشت یار نے گیرو کو ندی میں اترتے دیکھ کر کہا۔

''واقعی۔۔۔۔۔۔۔۔'' صعف بولی۔

''لگتا ہے ندی میں اترنا مشکل نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔'' موہین بولی۔

''ہمت سے قدم اٹھانا ہے بس۔'' واسقہ بولا۔

مہیب پرے ہی کھڑا رہا۔ وہ بڑا خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ اور جوں جوں لوگ ندی میں اتر رہے تھے۔ اس کا رنگ فق ہو رہا تھا وہ اتنا ڈرپوک اور بزدل تھا کہ نہ ہی عزم گھاٹ پر آ رہا تھا۔ اور نہ ہی ہمت اور حوصلے سے نبرد آزما ہونے کی سوچ سکتا تھا۔

سب سے پہلے فریدوں ندی کے پار اترا۔ پھر اس نے رمیلہ اور شاتم کو پانی سے باہر کھینچ لیا۔ تینوں بہن بھائی خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ رمیلہ تو اچھل اچھل کر آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔

باری باری سب ہی کنارے پر اتر گئے۔

سب بہت خوش تھے۔

اچانک صعف کو مہیب کا خیال آیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہ ابھی تک عزم کے گھاٹ سے پرے کھڑا تھا۔

''مہیب نہیں آیا۔'' وہ بولی۔

''اوہ ہاں'' کشت یار نے سب پر نگاہ ڈالی اور پھر دوسرے کنارے کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔۔۔۔۔۔۔ میں نہیں آؤں گا''

''ڈرو نہیں میرے بھائی'' صعف نے روہانسی ہو کر کہا ''سنبھل سنبھل کر قدم رکھو آ جاؤ پانی کا بہاؤ تیز نہیں ہے۔''

''ڈرپوک۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار چلایا۔۔۔۔۔۔ ''ڈرو مت' تم آسانی سے ندی عبور کر لو دیکھو تو بچے بھی دوسرے کنارے پر پہنچ چکے ہیں اور تم وہیں کھڑے ہو۔''

''عزم کے گھاٹ پر تو آؤ۔'' فریدوں نے زور سے کہا۔

''نہیں نہیں' میں جانتا ہوں۔ تم سب مجھے تسلیاں دے رہے ہو۔ پانی کا بہاؤ بہت ہے'' وہ کانپ رہا تھا۔

سب نے باری باری اسے آنے کو کہا۔ لیکن وہ اتنا ڈرپوک اور بزدل تھا کی کسی کی نہیں مانی۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے میں ندی میں اتر سکتا۔ میں واپس جا رہا ہوں۔ مجھے یوں ڈوب کر مرنا منظور نہیں۔۔۔۔۔۔۔'' وہ دوڑتا ہوا واپس ہو لیا۔

سب نے چیخ چیخ کر اسے واپس بلانے کی کوشش کی۔ بچوں نے بھی اور بڑوں نے صعف تو رونے لگی۔

''اب کیا کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔'' واستقہ بولا ''وہ بہت بزدل اور ڈرپوک ہے''

''ساری عمر پشت پر گوشت کا گٹھڑ اٹھائے پھرے گا؟'' صعف نے آنسو پونچھے۔ لوگ اس کا تمسخر اڑائیں گے۔

''اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار بولا۔۔۔۔۔۔۔ ''ہمیں تو اپنا سفر جاری رکھنا ہے وہ سامنے پہاڑ نظر آ رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔

''اب ہم دس کی بجائے نو رہ گئے ہیں'' شاتم افسردگی سے بولی۔ بچے بھی مہیب کے اس طرح چلے جانے سے افسردہ ہو رہے تھے۔

جب تک مہیب نظر آتا رہا' وہ سب اسے دیکھتے رہے۔ وہ نظروں سے اوجھل گیا۔ تو کشت یار بولا'' مہیب نے بدمزگی پیدا کر دی ورنہ سفر بڑے مزے سے کٹ رہا تھا۔''

واستقہ بولا'' اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ دوپہر اتر رہی ہے۔''

''اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔'' رمیلہ نے مسکرا کر کہا۔

''بھوک کا علاج بھی کرنا ہے۔'' واسقہ مسکرایا۔

''تو پھر چلیں۔شاید آگے کوئی بستی ہو یا پھلدار درخت ہی نظر آ جائیں۔'' مہین بولی کشت یار ہنس کر بولا'' روٹی نہ ملی تو پھل سے گزارا کریں گے اور جو پھل نہ ملے تو درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کر لیں گے۔''

''ہائے نہیں۔ہم کوئی جانور ہیں۔'' سیمہ بولی۔

''اس سفر میں ہر مشکل اور ہر آزمائش سے نمٹنے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔'' کشت یار نے سب سے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

تو

سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اب ایک بار پھر وہ سب م کر قدم اٹھا رہے تھے۔

اب چڑھائی شروع ہو چکی تھی۔راستہ دشوار گزار تھا۔جگہ جگہ گڑھے تھے۔بڑے بڑے پتھر تھے۔اور درخت ہی درخت تھے۔لیکن یہ درخت پھلدار نہیں تھے۔تھوڑا ہی پیچھے ایک پھلدار درخت سے واسقہ نے کچھ پھل توڑے تھے۔جس سے سب نے اپنی بھوک مٹائی تھی چشمے سے پانی بھی پیا تھا۔اور چڑھائی چڑھنے کی ہمت بندھی تھی۔

لیکن

اب پھر انہیں بھوک ستا رہی تھی۔سورج بھی گوشہ مغرب میں اترنے کی تیاری کر رہا تھا اور ہواؤں میں بھی خنکی رچ بس گئی تھی۔

''کشت یار'' واسقہ نے کہا۔

''ہوں'' وہ گھٹنوں پر قدرے جھکتا اوپر چڑھ رہا تھا۔

''بھئی سورج غروب ہونے والا ہے''

''ہاں'' گیرو بولا۔۔۔۔۔۔''شام اتر آئے گی''

''پھر رات ہو جائے گی'' شاتم نے کہا۔

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں'' واسقہ بولا۔۔۔۔۔'' بھوک کا علاج تو ہم لوگ کر ہی لیں گے لیکن رات۔۔۔۔۔۔۔رات

کہاں گزاریں گے"

"شاید رات کو بھی چڑھنا پڑے۔ یوں راستے میں تو نہیں پڑے رہ سکتے" کشت یار بولا۔ تو موہین پریشان ہو کر بولی "مجھ سے تو چڑھائی بھی اتنی مشکل سے چڑھی جا رہی ہے۔ تم رات کو بھی سفر جاری رکھنے کی باتیں کر رہے ہو کشت یار۔۔۔۔۔۔ بھئی یہ ناممکن ہے۔"

"تو پھر۔۔۔۔۔۔ کیا کریں۔۔۔۔۔۔" صعف رک کر بولی۔۔۔۔۔۔ "ایک تو چڑھائی دوسرے پشتوں پر لدا یہ بوجھ۔ مجھ سے تو قدم اٹھانا بھی مشکل ہے اب"

جو نہیں چل سکتا وہ رک جائے" رمیلہ نے کہا "ہم تو ابھی مزے سے چڑھائی چڑھ سکتے ہیں"

رمیلہ کی بات پر سب مسکرائے۔ بچے اتنی چڑھائی چڑھنے کے باوجود بھی تازہ دم لگ رہے تھے۔

گیروا اور فریدوں سب سے آگے جا رہے تھے۔ وہ بھی شاید بھوک محسوس کر رہے تھے۔ کچھ شب بسری کا بھی فکر دامن گیر تھا۔ اس لیے اوپر چڑھتے ہوئے کبھی کبھی رک جاتے اور درختوں کے پار دیکھنے کی کوشش کرتے۔

گیروا ایک جگہ رک گیا۔ آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر درختوں سے پار دیکھنے لگا" کچھ نظر آیا" فریدوں اس کے برابر آ کر بولا۔

"ہاں لگتا ہے کوئی بستی ہے ادھر"

"کدھر۔۔۔۔۔۔"

"وہ۔۔۔۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔۔۔۔ نیلی پیلی چھتیں غروب ہوتے سورج کی سرخی میں چمک رہی غالباً یہ مکان ہیں

"ہاں لگتا تو ہے۔۔۔۔۔۔"

"پھر۔۔۔۔۔۔؟"

"کشت یار اور واسقہ سے بات کرتے ہیں۔"

"ہاں کشت یار کو ہم نے اپنا لیڈر بنایا ہوا ہے۔ اس کی مرضی سے ہم وہاں جا سکتے وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ کشت یار بھی قریب آ پہنچا۔

"تم رک کیوں گئے ہو"

''ہمیں ایک بستی نظر آئی ہے''

''کہاں''

''وہ۔۔۔۔۔۔وہ دیکھو۔کچھ زیادہ دور بھی نہیں۔۔۔۔۔۔''

''ہاں تھوڑی ہی دیر میں ہم وہاں پہنچ سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''آپ کا کیا خیال ہے''

واسقہ بھی قریب آ گیا اس نے بھی بستی کی طرف دیکھا اور خوش ہو کر بولا ''بڑی خوش قسمتی ہے ہماری۔۔۔۔۔۔جو بستی نظر آ گئی۔ورنہ رات گزارنا مشکل ہو جاتی۔۔۔۔۔۔''

''اندھیرے میں تو پہاڑ انتہائی خوفناک ہو جاتا۔۔۔۔۔۔''سیمہ نے کہا۔

''بالکل''موبین نے رکتے ہوئے کہا۔

''چلو پھر سب چلتے ہیں بستی کشت یار نے کہا۔اس نے رخ موڑا اور بستی کی طرف جانے لگا۔

سب اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ اس بستی میں پہنچ چکے تھے۔

اس بستی میں اکا دکا ہی گھر تھے۔گھر بھی کوئی عالیشان قسم کے نہیں تھے۔معمولی سے دو دو تین تین کمروں پر مشتمل کچے پکے گھر بنے ہوئے تھے۔سڑکیں بھی کچی تھیں کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔اور کہیں کہیں پتھریلے ٹیلے۔دو ایک جگہ پانی کے چشمے بھی تھے۔

کشت یار صعف اور موبین جیسے امیر کبیر لوگوں نے عام سے گھروں کو دیکھ کر ناک منہ چڑھایا۔

''کیا ہم لوگ رات ایسے گھروں میں بسر کر سکتے ہیں؟''

واسقہ ان کو مخاطب کر کے بولا۔۔۔۔۔۔''تم لوگ کسی تفریحی دورے پر نکلے ہوئے نہیں ہو۔غنیمت ہے۔جو یہ گھر بھی نظر آ گئے۔ورنہ رات پہاڑ پر گزارنا مشکل ہو جاتی۔''

''یہ تو ہے''صعف نے بیدلی سے سر ہلایا۔

''میں کسی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاؤں۔۔۔۔۔۔''فریدوں نے کشت یار سے پوچھا۔

''ہاں دستک سے کر دیکھ لو۔ ہم نو آدمی ہیں۔ کوئی ہمیں رات ٹھہرانے پر تیار بھی ہوگا کہ نہیں۔۔۔۔۔۔''

''نو آدمیوں کو کھانا بھی تو کھلانا پڑے گا اسے'' سیمہ بولی۔

''اس کا فکر نہ کرو۔ میں اپنے ساتھ بہت سی دولت لایا ہوں'' اس نے کمر کے بندھی ہیروں کی تھیلیوں پر ہاتھ مارا۔ کھانا ہم قیمتاً بھی خرید کر کھالیں گے ہاں فریدوں۔ کھٹکھٹاؤں کوئی دروازہ۔۔۔۔۔۔''

فریدوں چند قدم آگے بڑھا اور نیلی چھتوں والے نسبتاً کشادہ گھر کے دروازے پر دستک دی۔

''کون'' ایک مشفق سی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔

سب نے دیکھا کہ دروازے میں ایک انتہائی شفقت بھری مسکراہٹ لبوں پر لیے ایک ادھیڑ عمر صاف ستھری عورت کھڑی تھی۔

فریدوں نے کشت یار کی طرف دیکھا اور بولا ''آیئے آپ بات کیجئے''

کشت یار آگے بڑھا تو عورت نے بڑے مہربان انداز میں اسے استقبالیہ الفاظ کہے۔ کشت یار نے چند لفظوں میں اسے اپنی روئیداد سنانے کے بعد کہا ''آپ کی بستی میں آپ ہمارا پہلا پڑاؤ ہے۔ ہم نے ابھی پانچ چھ دن اور سفر کرنا ہے تب ہم مسرتوں کے شہر میں پہنچیں گے''

''کوئی بات نہیں'' عورت پیار اور خلوص سے بولی ''آیئے تشریف لایئے۔ میرا گھر آپ کے لیے حاضر ہے۔''

وہ کھلا دروازہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔

ایک ایک کر کے وہ سب اندر داخل ہوئے۔ عورت نے ہر ایک کو پیار سے بلایا انہیں ایک بڑے سے دالان میں لے آئی۔ جو صاف ستھرا تھا۔ اور دیوار کے ساتھ ساتھ گدے لگے تھے جن پر تکیے پڑے تھے۔

''یہاں آپ سب بے فکر ہو کر لیٹ جایئے'' عورت بولی۔

''لیکن۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم بولی۔

''کیا بیٹی'' عورت نے کہا۔

''لیٹنے سے پہلے ہمیں بھوک سے نپٹنا ہے۔ آپ ہمیں کچھ کھانے کو دے سکتی ہیں'' ''کیوں نہیں۔ آپ یہاں بیٹھیں۔ میں ابھی کھانے پینے کو جو کچھ میرے ہاں حاضر کرتی ہوں'' وہ جانے کو مڑی

تو

کشت یار نے اسے آواز دینا چاہی۔ چونکہ وہ اس کا نام نہیں جانتا تھا۔ اس لیے

''ذرا سنئے''

''جی۔۔۔۔۔۔۔'' وہ مڑی۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''میرا نام رحمدلی ہے۔''

وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد رحمدلی ایک ٹرے اور جگ اٹھائے اندر آ گئی۔ ٹرے میں روٹیاں اور جگ میں دودھ تھا۔

پھر وہ جا کر پیالے اٹھا لائی اور سب کے سامنے رکھ کر بولی ''نوش فرمایئے''

''یہ۔۔۔۔۔۔۔سوکھی روٹی اور دودھ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں کھاؤں؟'' کشت یار نے تکبر اور نخوت سے کہا۔

''جی' میرے پاس جو کچھ تھا میں نے حاضر کر دیا۔۔۔۔۔۔۔'' رحمدلی مسکراتے ہوئے بولی۔

''رحمدلی! شاید تم نہیں جانتیں کہ میں اپنے شہر کا امیر کبیر آدمی ہوں۔ کیا تم مجھے کسی امیر آدمی کے گھر کا پتہ بتا سکتی ہوں۔ جہاں مجھے شان کے مطابق ٹھہرانے کا بندوبست ہو۔ میں اس کا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔

سب نے کشت یار کی طرف دیکھا۔ ان حالات میں اسے غرور تکبر کی باتیں نہیں کرنا چاہئیں تھیں۔ رحمدلی نے اتنے خلوص اور پیار سے انہیں' اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔ اور جو کچھ اس کے پاس تھا کھانے کو دے دیا تھا۔

لیکن

مغرور کشت یار نے کسی کی سرزنشی نظروں کی پرواہ نہ کی اور اٹھتے ہوئے بولا ۔۔۔۔۔۔۔''مجھے کسی بڑے گھر کا پتہ بتاؤ۔۔۔۔۔۔۔''

رحمدلی نے افسردگی سے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔''یہاں سے کوس بھر کے فاصلے پر ایک امیر آدمی رہتا ہے لیکن وہ بہت ظالم اور مغرور ہے۔ کسی کو منہ نہیں لگاتا۔ تم جا کر دیکھ لو۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے کشت یار کو پتہ بتایا۔

کشت یار نے سب کو مخاطب کر کے کہا ''اگر تم میں سے کوئی اچھا کھانے کا خواہشمند ہو تو میرے ساتھ آ جائے۔ میں بخوشی ساتھ لے جاؤں گا''

''نہیں بھئی'' مومین تساہل سے تکیے کے ساتھ لگ کر بیٹھتے ہوئے بولی ''میں تو اب ہل بھی نہیں سکتی۔۔۔۔۔۔۔''

صعف بھی بولی ''ہم تو تھک چکے ہیں۔ یہاں بیٹھنے سے بہت سکون ملا ہے۔

واسقہ نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔

کشت یار نے بچوں سے بھی پوچھا' لیکن سب نے انکار کر دیا۔

کشت یار اکیلا ہی باہر نکل گیا۔ رحمدلی کو اس کے جانے کا بہت افسوس ہوا۔

''آپ سب خوب پیٹ بھر کر کھایئے۔ میرے ہاں روٹی اور دودھ کی کمی نہیں۔'' ''شکریہ بی رحمدلی'' سب نے کہا اور پیالیوں میں دودھ ڈال کر روٹی اس میں بھگو بھگو کر کھانے لگے۔

بھوکے بھی تھے اور تکان بھی بہت تھی۔ اس لیے سب کو روٹی اور دودھ کا بھی اتنا مزہ آیا کہ لگتا تھا اتنا لذیذ کھانا انہیں عمر بھر نصیب نہیں ہوا۔

کھانے کے بعد وہ سب تکیے درست کر کے گدوں پر لیٹ گئے کوئی کروٹ کے بل کوئی اوندھا' چت لیٹنا گوشت کے گٹھڑوں کی وجہ سے ممکن نہ تھا۔ رحمدلی نے برتن سمیٹے اور اٹھا کر کمرے سے چلی گئی۔

وہ برتن دھو کر واپس آئی۔

تو

سب گہری اور پرسکون نیند کے مزے لے رہے تھے۔ اس نے سب کے چادریں ڈالیں

اور

مسکراتی ہوئی نگاہ ان سب پر ڈالتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

صبح بڑی روشن اور خوشگوار تھی۔ چمکیلی اور تازہ دم دھوپ کر کرنیں کھڑکیوں سے اور اندر جھانک رہی تھیں۔ فضا بڑی متعدل تھی۔ اور پھولوں کی مہک ہواؤں کے دوش پر ادھر سے ادھر بکھر رہی تھی۔ دل و دماغ تازہ ہو رہے تھے۔

رحمدلی کے سارے مہمان ابھی سوئے ہوئے تھے۔ ان کے جاگ جانے سے پیشتر وان کے لیے پرتکلف ناشتے کا بندوبست کرنے میں مشغول تھی۔ اس نے کرکرے اور خستہ پراٹھے بنائے۔ ساتھ لذیذ سا آملیٹ بنایا۔ دودھ بھی ڈھیر سارا جمع کر لیا' برتن بھی

صاف کر کے تھال میں قرینے سے رکھ دیے۔

پھر

وہ

اپنے مہمانوں کو جگانے کے لیے ان کے کمرے میں آئی۔

اس نے دیکھا سوائے موہین کے باقی سب بیدار ہو چکے تھے۔ بچے تو کھڑکیوں سے باہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ واسقہ اور صعف اپنی کمروں کا بوجھ لیے جھکے بیٹھے تھے۔

''صبح بخیر'' رحمدلی کے چہرے پر نرم مسکراہٹ تھی۔

اس کی آواز پر بچوں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ خوب تازہ دم نظر آ رہے تھے۔ پشتوں کے کوہان کے باوجود سیدھے کھڑے تھے۔ اور ان کے چہروں پر صبح کی تازگی پھیلی ہوئی تھی۔

''صبح بخیر بی رحمدلی'' ان سب نے کہا۔

''رات کیسے گزری'' وہ بولی۔

''بہت مزے سے۔ ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلا کہ کہاں پڑے ہیں۔ رات جو سوئے تو صبح ہی آنکھ کھلی۔''

صعف بڑبڑائی ''زمین پر ہمیں سونے کی عادت نہیں۔ کچھ پست کے اس بوجھ نے بے چین رکھا۔۔۔۔۔۔''

''پھر بھی تھکے ہوئے جو تھے۔ خوب نیند نکالی'' واسقہ بولا۔

''ہاں۔ اس موہین ہی کو دیکھو۔ کیسے نرم ریشمی اور گداز بستر پر سونے کی عادی ہے۔ لیکن اب زمین پر اس پتلے سے گدے پر کیسی بے خبری سے سو رہی ہے''

''بڑی کروٹیں بدلتی رہی رات بھر۔۔۔۔۔۔'' صعف بولی ''اس بوجھ کی وجہ سے۔''

موہین بھی بیدار ہو گئی۔

رحمدلی نے اسے بھی صبح بخیر کہا۔

موہین نے برا سا منہ بنایا اور بولی ''جسم تکان سے چور چور تھا۔ اس پر یہاں سونا۔ اف پتہ نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔ مجھے تو کشت یار پر غصہ آتا رہا۔ ہمیں یہاں پھنسا کر خود امیر آدمی کے ہاں سکون کی نیند سونے چلا گیا۔

اس کی بات پر رحم دلی نرمی سے مسکرائی۔

پھر

سب سے کہا" باہر پانی کے مٹکے پڑے ہیں۔ آپ لوگ ہاتھ منہ دھولیں تو میں ناشتہ پیش کروں۔"

"رات کے کھانے جیسا ہی ناشتہ بھی ہوگا۔" نک چڑھی صنف بولی۔

تو

گیرو نے جلدی سے کہا" یہ بھی بی رحم دلی کا احسان ہے' جو ہمیں کھانا بھی کھلایا اور رات سونے کے لیے جگہ بھی دی۔ ورنہ پہاڑ پر رات بھر بھٹکنا پڑتا تو سمجھ آجاتی۔"

"واقعی" واسقہ بولا۔" ہمیں رحم دلی کا احسان مند ہونا چاہیے۔"

رحم دلی انکساری سے بولی۔" بھائی' احسان مندی کی کیا بات ہے۔ یہ میرا فرض تھا۔ آپ اتفاق ہی سے میرے گھر تشریف لے آئے۔ میری فطرت کا تقاضا تھا کہ جتنا بن پڑتا تو آپ کی خدمت کرتی۔۔۔۔۔۔"

سیمہ بھی بولی" کھانا بھی دیا ورنہ ہم تو بھوک سے مرجاتے۔"

"رمیلہ بولی" اور اب ناشتہ بھی دے رہی ہیں

فریدوں نے سب سے کہا" چلو اب جلدی سے منہ ہاتھ دھولو۔ ہمیں ناشتے کے بعد سفر پر جانا ہے۔ ابھی تو خاصہ لمبا سفر ہے۔

"ہاں" مہوبین بیزاری سے بولی" ابھی تو پہاڑ کی چڑھائی کا تیسرا حصہ بھی طے نہیں ہوا۔

"اور چڑھائی مشکل ہے اترائی آسان ہوگی" واسقہ بولا۔

"لیکن تب تک ہم لوگ تھک بھی تو چکے ہوں گے" موبین بولی۔

"جو کچھ بھی ہو۔ ہم نے مسرتوں کے شہر تو بہرصورت پہنچنا ہی ہے۔ اپنی پشتوں پر لدے ان عذابوں سے وہیں جا رک چھٹکارا ملے گا" فریدوں نے کہا۔

رحم دلی کے کہنے پر سب باری باری ہاتھ منہ دھونے اور رفع حاجت کے لیے جانے لگے۔

سب فارغ ہو کر واپس آئے۔ تو رحم دلی نے دسترخوان بچھا کر ناشتہ چن رکھا تھا۔ انڈوں پراٹھوں کی اشتہاء آمیز مہک نے سب کو مجبور کردیا کہ وہ کھانے پر ٹوٹ پڑیں۔

رحم دلی پیالیوں میں گرم گرم کیوڑہ ملا دودھ بھی لے آئی۔ دودھ میں پسے ہوئے بادام بھی ملے تھے۔ وہ جانتی تھی ان سب لوگوں کو پہاڑ پر چڑھنے کے لیے توانائی کی ضرورت ہے۔

''واہ واہ۔۔۔۔۔۔'' دودھ کے پیالے ہونٹوں سے لگاتے ہی تقریباً سب بیساختہ کہہ اٹھے اتنا مزیدار اور مقوی الاثر دودھ انہوں نے کب کبھی پیا تھا۔ سب کو اپنی رگوں میں توانائی دوڑتی محسوس ہونے لگی۔

سب کھا پی کر سیر ہو چکے تو واسقہ نے سب سے کہا ''اب رحم دلی کا شکریہ ادا کرو'' سب نے بڑے جوش انداز میں بی رحم دلی کا شکریہ ادا کیا۔

''اب ہمیں اجازت دیں۔ سفر لمبا ہے'' واسقہ بولا۔

''ہاں واقعی تم لوگوں کا سفر ابھی لمبا ہے۔ لمبا بھی اور دشوار گزار بھی۔ خاصی کٹھنائیاں آئیں گے راستے میں۔۔۔۔۔۔''

''جی ہم جانتے ہیں'' گیرو بولا۔

''اور ہم نے بہر طور انہیں پار کانے کا مصمم ارادہ بھی کر رکھا ہے۔ یہ بوجھ ہمیں بہت تکلیف دے رہے ہیں۔ اپنے لوگوں کے سامنے تو ہم ان بوجھوں کے ساتھ جا نہیں سکتے۔'' فریدوں نے کہا۔

''خدا تمہاری مدد کرے'' رحم دلی بولی۔

''اچھا اب ہمیں اجزت دیں'' ضعف نے آگے بڑھ کر کہا۔

''ٹھیک ہے'' وہ مسکرائی

سب اکٹھے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ رحم دلی کو سلام کیا۔ تو جواب دینے سے پہلے وہ بولی۔

''تم لوگ مسرتوں کے شہر جا رہے ہو۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کے لیے تمہیں یہ اونچا پہاڑ عبور کرنا ہے''

''ہاں''

''میں تمہیں چند باتیں بتانا چاہتی ہوں''

''ضرور۔۔۔۔۔۔''

''ایک تو یہ ہے کہ جس راستے آپ اوپر جائیں گے۔ وہاں کہیں دو بہن بھائی رہتے ہیں۔ ایک کا نام غفلت ہے دوسرے کا شک۔ یہ دونوں بڑے کینہ پرور اور انتہائی چالاک اور خبیث ہیں۔ آتے جاتے مسافروں کو ڈراتے اور بدراہ کرنے کی کوشش کرتے

رہتے ہیں۔ وقت ضائع کرتے ہیں۔ اور باتوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکا کر اصل مقصد سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

"مگر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں بی رحم دلی" رمیلہ سہم کر بولی۔

"بس ان کی فطرت ہے۔ تم لوگ ان سے بچ کر رہنا۔ منہ نہ لگانا۔ اپنی راہ چلتے جانا"

"رحم دلی یہ تو تم نے بہت اچھی بتائی۔۔۔۔۔۔۔" صعف اور موہین بولیں۔

"ہاں اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک انتہائی شریف بزرگ رہتا ہے۔ وہ تمہاری ہر طرح سے مدد کرے گا۔۔۔۔۔۔۔ تم کوشش کرنا کہ راستے میں رکے بغیر رات تک اس کے پاس پہنچ جاؤ رات اس کے ہاں گزرانا تمہارے لیے بہت فائدہ مند ہوگا۔۔۔۔۔۔۔"

"اس کو ہم پہچانیں گے کیسے" فریدوں بولا۔

"اس کا سفید گھر تمہیں دور ہی سے نظر آ جائے گا" رحم دلی بولی "اس کا نام رہبر ہے۔ کسی سے بھی پوچھو تو تمہیں اس کے متعلق بتا دے گا۔"

"بہت بہت شکریہ"

"وہ تمہیں مسرتوں کے شہر کا صحیح راستہ بھی بتائے گا اور چند اور ضروری باتیں بھی گوش گزار کرے گا۔ رہبر کے بتائے ہوئے راستے اور ہدایتوں پر چل کر تم جلد اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔"

سب نے رحم دلی کا پھر سے شکریہ ادا کیا اور جانے کے لیے بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔

"خدا حافظ"

"خدا حافظ"

سب کی زبان پر تھا جواباً رحم دلی بھی ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ وہ ابھی چند قدم نہ چلے تھے۔ واسقہ رک کر بولا

"اوہو۔۔۔۔۔۔۔"

"کیا ہوا۔۔۔۔۔۔۔" سب بولے۔

"تم سب کو کشت یار یاد ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس نے کہا۔

"اوہ ہاں۔۔۔۔۔۔۔ وہ تو ابھی لوٹا ہی نہیں۔ ہمیں اس کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔۔؟

سب بولے۔

''نہیں رک جاتے ہیں'' فریدوں بولا۔ وہ اسی راستے سے واپس آئے گا''

''اب تک اسے آ جانا چاہیے تھا'' موہین تنفر سے بولی۔ ''ہمیں چھوڑ کر آرام فرمانے چلا گیا۔ ابھی تک سویا پڑا ہو گا۔۔۔۔۔۔''

صعف نے بھی تنک کر کہا۔۔۔۔۔۔۔ ''وہ ہمیں چھوڑ گیا۔ ہمیں اسے چھوڑ جانا چاہیے''

وہ دونوں بڑھ بڑھ کر کشت یار برا بھلا کہنے لگیں۔ بچے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر ان راہوں کو تکنے لگے جن سے کشت یار نے آنا تھا۔

''وہ۔۔۔۔۔۔۔ وہ کوئی آ تو رہا ہے'' فریدوں نے دور انگلی سے اشارہ کیا۔

''ہاں شاید کشت یار ہی ہے'' واسقہ نے ادھر نظر دوڑائی۔

''اب آ ہی جائے تو چلیں گے''

''وہ تو بڑے آرام آرام سے چلا آ رہا ہے۔''

''میرے خیال میں وہ کشت یار نہیں۔ لڑکھڑاتے ہوئے چل رہا ہے یہ تو۔۔۔۔۔۔۔''

''ہاں کشت یار تو بہت تیز چلنے کا عادی ہے۔''

''ابھی تک آرام دہ بستر پر سونے اور مرغ پلاؤ کھانے کا خمار ہوگا۔۔۔۔۔۔۔'' موہین طنز سے بولی۔

''ناشتہ بھی ضرور بٹیروں اور گوشت کے حلوے کا کیا ہوگا'' صعف نے منہ بنایا۔

''ہیروں کی تھیلیاں اس کے پاس تھیں۔ پیسے کی اسے کیا پرواہ تھی'' واسقہ بولا۔

''ہم بھی بھوکے ننگے تو نہیں تھے۔ ہمارے پاس بھی پیسے تھے۔'' موہین بولی۔

''اس نے دعوت تو دی تھی۔ تم بھی چلی جاتیں'' واسقہ غصے سے بولا۔ ''اب کیا جز بز ہو رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔''

''ارے۔۔۔۔۔۔۔'' ایک دم ہی گیرو چلایا۔

''کیا ہوا۔۔۔۔۔۔'' باتیں چھوڑ کر سب گیرو کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''وہ۔۔۔۔۔۔ وہ دیکھو۔ کشت یار۔۔۔۔۔۔ لیکن اس کی حالت؟''

''اوئی اللہ۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم چلائی۔

''میرے خدا'' سیمہ نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

رمیلہ ڈر کر فریدوں سے چمٹ گئی۔

''کیا یہ کشت یار ہے'' واسقہ بے یقینی سے آگے بڑھا۔

''تو اور کون ہے۔۔۔۔۔۔۔'' گیرو بولا ''کیا تم اتنی جلدی اس کی شکل بھول گئے ہو''

''لیکن اس کی حالت؟''

اب کشت یاران سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ سب اس کی طرف تیزی سے بڑھے اور واسقہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر کہا ''کشت یار یہ سب کیا ہے تم اتنے نڈھال۔ کپڑے پھٹے ہوئے۔ چوٹوں سے برا حال۔۔۔۔۔۔۔ اتنے بدحال۔۔۔۔۔۔۔ جلدی سے بتاؤ کیا ہوا۔۔۔۔۔۔۔؟''

وہ ایک قریبی پتھر پر بیٹھ گیا۔

اور

نقاہت بھری آواز میں اپنی روئیداد سناتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔۔۔ ''رحم لی کا بتایا ہوا راستہ بھول کر جنگل میں بھٹک گیا۔ خاردار جھاڑیوں میں الجھ کر میرے کپڑے پھٹ گئے۔

بڑی مشکل سے اس امیر آدمی کا گھر تلاش کر کے آدھی رات کو وہاں بھوکا پیاسا پہنچا تو اس آدمی کے نوکروں نے مجھے فقیر سمجھ کر دھتکار دیا۔ میں ان کے مالک سے ملنے کا اصرار کیا تو وہ مجھے مارنے پیٹنے لگے۔ آوازیں سن کر ان کا مالک بھی جاگ اٹھا۔ جب میں نے اس سے کہا کہ میں اپنے شہر کا امیر معزز آدمی ہوں۔ تو اس نے تمسخرانہ قہقہے لگائے اور نوکروں سے کہا کہ مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیں اور کتے مجھ پر چھوڑ دیں میں گرتا پڑتا راستہ تلاش کرتا بھوکا پیاسا یہاں پہنچا ہوں۔''

سب اس کی داستان سن کر دم بخود تھے۔ وہ خود ہی بولا ''یہ لالچ کی سزا تھی۔ مجھے تم سب لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔۔''

''اب تم ہمارے ساتھ کیسے چلو گے۔۔۔۔۔۔۔؟'' موہین نے پوچھا۔

''یہ ابھی کیسے جاسکتے ہیں؟'' پیچھے سے رحم لی کی آواز آئی۔ جو ساری باتیں سن رہی تھی سب نے پلٹ کر رحم لی کی طرف دیکھا۔

وہ بولی۔ ''کشت یار میرے گھر چلیں۔۔۔۔۔۔۔ میں ان کا لباس تبدیل کرواتی ہوں۔ کھانا کھلاتی ہوں۔ پھر یہ تھوڑی دیر

آرام کرلیں۔تب تک آپ لوگ چڑھتے جائیں سیدھے ہی تو جانا ہے یہ آپ کو آن ملیں گے۔۔۔۔۔۔

کشت یار کا سر ندامت سے جھک گیا۔باقی سب نے رحمدلی کا شکریہ ادا کیا اور اپنی راہ آگے پیچھے چل دیئے۔

رحمدلی کشت یار کو لے کر گھر آ گئی۔

صبح بڑی تازہ دم اور خوشگوار تھی۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا درختوں میں سے سرسراتی گزر رہی تھی۔یہاں بڑے خوبصورت پھولدار پودے بھی تھے۔جن سے راستہ بڑا رنگین اور مہک رہا تھا۔پہاڑ بہت اونچا تھا اور چیڑ دیودار اور دوسری کئی اقسام کے گھنے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

جس راستے پر یہ سب لوگ مسرتوں کے شہر کی تلاش میں جا رہے تھے۔وہ کچا بھی اور پتھریلا بھی۔ٹیڑھا میڑھا ہو کر اوپر جاتا تھا۔کئی جگہ تو ساتھ ساتھ گھنے اور خوشبودار درخت جاتے تھے کہیں بہت سے گڑھے آ جاتے۔جہاں راستے پر سنبھل کر چلنا پڑتا تھا۔چونکہ چڑھائی شروع تھی۔اس لیے یہاں تیزی سے قدم نہیں اٹھائے جا سکتے تھے۔کچھ ان سب کی پشتوں پر بوجھ لدے تھے۔اس لیے قدم اٹھانا اور بھی مشکل لگ رہا تھا۔

پھر

بھی

سب باتیں کرتے آگے کو جھکے چڑھائی چڑھ رہے تھے۔اس وقت سب رحمدلی تعریفیں کر رہے تھے۔

"کتنے خلوص اور پیار سے اس نے ہمیں اپنے ہاں ٹھہرایا۔"

"اتنے مزے کی نیند آئی"

"صبح تازہ دم اٹھے سب"

ناشتہ بھی خوب پیٹ بھر کر کیا ہے۔کافی دیر روٹی کی ضرورت نہ پڑے گی" یہاں روٹی ملنے کا امکان بھی نہیں۔"

"شاید راستے کے ارد گرد کوئی چھوٹی موٹی بستی نظر آ جائے۔"

"لیکن ابھی تو اس کی تلاش کی ضرورت نہیں"

"بالکل بھی نہیں"

"رحمدلی کے رویے میں اتنا پیار تھا۔پیار ہی پیار میں اتنا کھلایا کہ بس۔۔۔۔۔۔"

''وہ کتنی اچھی ہے''

''ہاں''

''میرا تو جی چاہتا ہے میں بھی رحمدلی کی طرح ہو جاؤں''

''واہ صعف جی۔ ایسا ہو جائے تو کیا کہنے''

''مجھے بھی اس نے بہت متاثر کیا ہے۔ اچھے لوگ بھی دنیا میں ہیں نا۔۔۔۔۔۔''

''اس کی اچھائی کا اسی بات سے اندازہ کرو۔۔۔۔۔۔ کہ کشت یار رات اس کے گھر اور کھانے کو نخوت سے ٹھکرا کر چلا گیا تھا۔ لیکن رحمدلی نے جب آج اس کی یہ حالت دیکھی۔ تو اسے اپنے گھر لے گئی''

''اس کردار کی عظمت ہے۔ کوئی اور ہوتا تو کشت یار کو منہ نہ لگاتا''

''وہ کہہ رہی تھی اسے کپڑے بھی بدلوائے گی اور کھانا کھلا کر سلا بھی دے گی تا کہ وہ زندہ دم ہو جائے''

''ہاں۔۔۔۔۔۔ رحمدلی واقعی بہت اچھی ہے''

''کاش ہم سب اس کی طرح کے ہو جائیں''

''سب باتیں کرتے ہوئے چڑھائی چڑھ رہے تھے۔ چڑھائی کی وجہ سے ان کے دم پھول جاتے۔ اور وہ رک کر لمبے لمبے گہرے گہرے سانس لینے لگتے۔

بچے تو تازہ دم تھے۔ واسقہ اور صعف بھی کچھ زیادہ تکان محسوس نہ کر رہے تھے۔ ہاں موہین جگہ جگہ رک رہی تھی۔ اس کی رفتار سست تھی۔ اور اس کا سانس اتنا پھول رہا تھا کہ اسے کافی دیر تنفس کی رفتار بحال کرنے کے لیے رکنا پڑتا۔

قہر درویش برجان درویش اس نے سب کا ساتھ دینا تھا۔ پشت کا بوجھ تکلیف کا باعث بھی تھا اور شرمندگی کا بھی۔ اس لیے وہ ان سب کے ساتھ جا رہی تھی۔

ایک کنارے کے بڑے سے پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے ہوئے وہ واسقہ سے بولی۔۔۔۔۔۔ اسی طرح چلتے رہے تو دو پہر تک ہم اس نیک آدمی کے گھر تو پہنچ ہی جائیں گے''

''واسقہ مسکرا کر بولا'' موہین بی بی وہ نیک آدمی پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے''

''اور چوٹی' صعف نے اوپر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا'' ابھی بہت دور ہے'' ہائے ہائے'' موہین بیزاری سے بولی۔

''اگر ہم جن ہوتے نا'' گیرو نے تمسخر سے کہا ''تو پھر دوپہر کو وہاں پہنچ سکتے تھے'' ''تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے'' موہین ناراضگی سے بولی۔

''گیرو ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے'' فریدوں اس کی حمایت میں بولا۔ ''آپ دیکھ تو ہیں پہاڑ کی چوٹی کتنی دور ہے۔ چڑھائی تیزی سے طے بھی نہیں کی جا سکتی۔''

''شام تک بھی اوپر پہنچ جائیں تو غنیمت ہو گی'' شاتم اپنے بال سمیٹتے ہوئے بولی ہوا سے اڑ رہے تھے۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں رک رک کر آرام کرنا پڑے گا'' صعف نے کہا ''ہاں'' گیرو بولا۔

''واسقہ چڑھائی عمودی ہے۔ جسم پیچھے کو کھینچتے ہیں۔ کچھ پشت کے ان بوجھوں وجہ سے بھی جلدی چڑھا نہیں جا سکتا۔''

''ہاں'' موہین ناگواری سے بولی ''یہ بوجھ زیادہ ہی وزنی لگ رہا ہے اب تو میں تو اس وقت کو کوس رہی ہوں۔ جب بوڑھے کی آزمائش کرنے کو کہہ دیا تھا۔ کہ کرو ظاہر۔''

''ہمارے گناہوں کے بوجھ۔''

واسقہ بولا ''مجھے کب یقین تھا کہ بوڑھے کی بات یوں سچ ہو جائے گی''

''فریدوں ان کی باتیں سن کر بڑی سنجیدگی سے بولا ''بزرگ کی بات سچ نکلی۔ ہمارے گناہوں کے بوجھ ہماری پشتوں پر ظاہر ہو گئے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ واقعی لوگ گناہوں کی دلدل میں پھنسے جا رہے تھے''

صعف بولی ''محسوس تو کبھی نہیں ہوا تھا''

''لیکن'' واسقہ بولا۔ آثار نظر آتے تھے۔ ہمارے آسمان کا رنگ کالا ہو رہا تھا ندی کا پانی گدلا اور۔۔۔۔۔۔''

گیرو اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا ''یہ سب ہمارے گناہوں کی وجہ سے تھا۔ اس لیے ہمیں جلد از جلد مسرتوں کے شہر پہنچنا چاہیے۔''

''ہاں بھئی'' رسیلہ بولی ''جلدی جلدی قدم اٹھاؤ۔ تم لوگ تو دو قدم چل کر جاتے ہو۔۔۔۔۔۔''

''ہم دونوں سب سے آگے ہیں'' سیہہ بولی۔

''تم لوگ بچے ہو'' واسقہ بولا ''تمہاری پشتوں کے بوجھ بھی چھوٹے ہیں۔ اس لیے تم لوگ تیز تیز اوپر چڑھ سکتے ہو''

''لیکن اتنی چھلانگیں بھی نہ لگاؤ'' گیر بولا۔ ''سب کے ساتھ ساتھ چلو۔۔۔۔۔۔''

''ٹھیک ہے۔رمیلہ اور سیمہ نے رفتار دھیمی کر لی۔

اب سب آگے پیچھے اوپر جا رہے تھے۔دھوپ ابھی تک ملائم تھی۔روشنی سنہری تھی۔درختوں سے اٹکھیلیاں کرتی ہوا مترنم اور خوشگوار تھی۔پھولوں کی مہک تازہ تھی۔راستہ اب قدرے ہموار تھا۔اور دو رویہ اونچے اور گھنے درختوں کی وجہ سے بڑا خوبصورت لگ رہا تھا۔یہ پہاڑ بہت اونچا اور بہت بڑا تھا۔اس کا گھیر میلوں میں تھا۔سارا پہاڑ سبزے اور پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

سب چڑھائی چڑھ رہے تھے۔کافی راستہ طے ہو گیا تھا۔صعف نے دو ایک بار سب سے رکنے کو کہا۔

''تھوڑی دیر آرام کر لیتے ہیں میں سخت تکان محسوس کر رہی ہوں'' اس نے کہا۔

''سبھی ایسا ہی محسوس کر رہے ہیں۔لیکن ابھی دم ہے ہمیں اور سفر طے کرنا ہے۔یہاں لگتا ہے اردگرد گھنا جنگل ہے۔اس لیے بھی ہمیں جلد اوپر جانے کی کوشش کرنا چاہیے''

''وہ تو سارا پہاڑی جنگل ہے۔جدھر دیکھو درخت ہی درخت ہیں کہیں تو روشنی بھی نہیں نظر پڑتی۔''

صعف بولی۔

''بھئی جو کچھ ہے ابھی ہم نہیں رکیں گے'' واسقہ بولا ''چلتے چلو''

''ٹھیک ہے ہم چل رہے ہیں'' سب نے کہا۔

صعف بھی با دل نخواستہ قدم اٹھانے لگی۔لیکن اس کا ارادہ کچھ دیر آرام کرنے کا ضرور تھا۔اسی لیے کچھ دور جانے کے بعد اس نے چیخ ماری اور وہیں بیٹھ کر پاؤں پکڑ لیا۔

''کیا ہوا؟''

''کیا ہوا صعف''

''بھئی بتاؤ''

''پاؤں پکڑ رکھا ہے کچھ چبھ گیا''

''سب اس کے گرد جمع ہو گئے''

صعف کراہتے ہوئے بولی ''پاؤں میں چوٹ لگ گئی ہے''

''اوہو'' واسقہ گھبرا گیا۔

''اٹھو تو سہی'' موہین نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''نہیں اٹھا جاتا'' اس نے پھر کراہتے ہوئے کہا۔

''دیکھنے تو دو'' موہین بولی ''خون تو نہیں نکل رہا''

''نہیں۔۔۔۔۔۔۔صرف پاؤں الٹ گیا ہے'' صعف پاؤں دباتے ہوئے روتی آواز بولی

''اب کیا کریں'' فریدوں پریشان ہو گیا

''اس کے پاؤں کا علاج کیسے ہو گا'' واسقہ بولا۔

''ہمیں اس سفر پر نکلتے وقت سوچنا چاہیے تھا کہ راستے میں کسی کو چوٹ ووٹ سکتی ہے کوئی مرہم پٹیاں ساتھ لانا چاہئیں تھیں''

''ہمیں تو کھانے کی چیزیں تک لانا یاد نہ رہیں'' شاتم بولی'' حالانکہ ہمارا سفر اس بزرگ کے کہنے کے مطابق چھ سات روز کا تھا''

''اب ہمیں کیا پتہ تھا'' سیہہ بولی'' کہ راستہ اس طرح کا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آبادبستیوں سے گزر نہ ہو گا''

''اب باتوں سے کیا فائدہ اس کی چوٹ کا سوچو'' موہین نے ہمدردی سے کہا۔

''یہاں کیا کیا جا سکتا ہے'' واسقہ ناگواری سے بولا''صعف کو کسی نہ کسی چڑھائی چڑھنا ہی پڑے گی''

''واسقہ''صعف غصے سے بولی''تمہارا پاؤں یوں الٹتا تو دیکھتے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ مجھ سے اٹھ کر کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔ تم چڑھائی چڑھنے کی بات کر رہے ہو۔

''تو پھر کیا کریں''

''آپ سب لوگ یہیں رکیں۔ میں اور گیرو ادھر ادھر جا کر دیکھتے ہیں شاید کوئی مل جائے جو اس چوٹ کے لیے مرہم دے سکے۔''

''ٹھیک ہے جاؤ'' واسقہ پتھر سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا''سب کچھ دیر آرام بھی کر لیں گے'' وہ سب پتھروں پر بیٹھ گئے۔

گیرو اور فریدوں گھنے جنگلوں کی طرف چل دیئے۔

''گیرو''

''ہاں''

''ادھر دیکھو''

''کدھر''

''بھئی ادھر ان گھنے درختوں کے جھنڈ کے پار۔۔۔۔۔۔یقیناً کوئی مکان ہے''

''ہاں۔ہاں۔مکان ہی لگتا ہے۔

''چلو ادھر چل کر دیکھتے ہیں۔شاید کہیں سے ہمیں صنف کے لیے مرہم پٹی مل ہی جائے۔

''چلو۔۔۔۔۔۔''

''دونوں درختوں کے جھنڈ کے پار نظر آنے والے مکان کی طرف بڑھنے لگے۔جوں جوں وہ مکان کے قریب پہنچ رہے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مکان ایک بوسیدہ سی عمارت ہے۔جس کا رنگ وروغن اڑ چکا ہے۔جس کے دروازے اور کھڑکیاں انتہائی خستہ حالت میں ہیں۔''

''یہاں سے مرہم پٹی ملنا تو مشکل ہی نظر آتا ہے۔''

''کہتے تو ٹھیک ہو فریدوں۔لیکن ہوسکتا ہے یہاں جو کوئی بھی ملے۔۔۔۔۔۔ہمیں مرہم پٹی کہیں سے دلا دے۔''

''ہاں یہ ہوسکتا ہے۔''

''دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھے۔مکان خاصہ بڑا تھا۔لیکن لگتا تھا۔اس دیکھ بھال کبھی نہیں کی گئی۔۔۔۔۔۔خستہ در و دیوار پکار پکار کہہ رہے تھے کہ ان کا پرسان حال کوئی نہیں۔

فریدوں آگے بڑھا اور صدر دروازے پر دستک دی۔

گیرو بھی اس کے قریب آ گیا۔دستک دیئے کافی منٹ گزر گئے۔لیکن کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔دوبارہ گیرو نے دروازہ قدرے زور سے کھٹکھٹایا۔

''اوہ۔۔۔۔۔۔گیرو۔۔۔۔۔۔''دروازہ کھلنے کا انتظار کیے بغیر فریدوں پیچھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا ہے؟''

''وہ دیکھو سب ادھر ہی آ گئے ہیں''

''گیرو نے دیکھا سب ساتھی درختوں کی جھنڈ تلے سے نکل کر ادھر ہی آ رہے تھے''

''کوئی بات نہیں'' گیرو بولا

''لگتا ہے صعف کو تکلیف زیادہ ہی ہے''

''ہاں''

''بھئی دروازہ پھر سے کھٹکھٹاؤ۔۔۔۔۔۔کوئی سن ہی نہیں رہا۔ اتنی دیر سے کھڑے ہیں ہو سکتا ہے کوئی گھر میں ہو ہی نہیں۔۔۔۔۔۔''

دروازہ اندر سے بند ہے اس کا مطلب ہے کہ گھر میں کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔۔۔۔۔۔''

''پھر دروازہ کھٹکھٹانے پر بھی کیوں نہیں کھولا۔۔۔۔۔۔''

''فریدوں نے آگے بڑھ کر زور سے دروازہ پیٹا''

''اتنی دیر میں سب ساتھی وہاں آ گئے صعف شاتم اور موہین کے کندھوں پر بار ڈالے لنگڑا لنگڑا کر چل رہی تھی''

واسقہ نے پوچھا'' کچھ ہوا بندوبست''

''ابھی تو دروازہ نہیں کھولا۔۔۔۔۔۔''

''گھر میں کوئی ضرور ہوگا تو ضرور۔۔۔۔۔۔''

''پھر دستک دو''

فریدوں نے واسقہ کے کہنے پر پھر دستک دی''

سب دروازہ کھلنے کے منتظر تھے۔ گیرو کو جھنجھلاہٹ ہونے لگی تھی۔ ''جی چاہ رہا ہے ایک لات ماروں اور دروازہ کھول دوں۔۔۔۔۔۔ اتنے بے خبر لوگ ہیں کھٹکھٹانے کی آواز ہی ان تک نہیں پہنچ رہی۔۔۔۔۔۔''

''صبر سے کام لو۔'' موہین بولی ''ہو سکتا ہے وہ لوگ سو رہے ہوں''

''دن اتنا نکل آیا ہے۔ دوپہر سر پر آنے کو ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے وہ لوگ سو رہے ہوں'' وہ سب باتیں کر رہے تھے

''کہ''

''اندر سے کسی کے قدموں کی آواز آئی''

''کوئی آیا ہے'' رمیلہ خوش ہوئی

''ہاں قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے'' سیمہ نے کہا۔

''بھئی اب کھول بھی چکو'' قدموں کی چاپ کو بھی کئی لمحے گزر گئے تو گیرو جھلایا۔

حوصلے سے کام لو گیرو'' واسقہ نے کہا۔

''گیرو برا سامنہ کر پرے ہو گیا۔

''پھر کئی منٹوں کے انتظار کے بعد دروازہ کھلا اور ایک تھمنی صورت بیزار سی عورت نے دونوں پٹ پکڑے پکڑے ان سب کو دیکھا

فریدوں تعظیم سے بولا ''محترمہ ہم بہت دیر سے دستک دے رہے تھے۔ کیا آپ سو رہی تھیں۔''

''نہیں تو۔۔۔۔۔۔'' وہ عورت اک شان سے مسکرا کر بولی ''میں دستک سن رہی تھی''

''پھر۔۔۔۔۔۔ پھر آپ نے دروازہ کیوں نہ کھولا'' گیرو تقریباً غرایا۔ وہ پھر مسکرا کر بولی ''جلدی کرنا میری عادت نہیں۔۔۔۔۔۔''

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔۔ عورت بولی ''آپ لوگ کون ہیں۔''

''پھر''

اس نے خود ہی کہا ''آہا اتنے سارے لوگ میرے گھر آئے ہیں۔۔۔۔۔۔''

واسقہ نے جلدی جلدی بتایا کہ کس طرح مسرتوں کے شہر کے سفر پر وہ لوگ روانہ ہوئے اور آج شام تک انہیں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی ایک ساتھی کے پاؤں میں چوٹ لگ گئی ہے۔ مرہم پٹی کی تلاش میں وہ اس کے گھر آئے ہیں۔''

''آہاہا۔۔۔۔۔۔'' وہ عورت کھل اٹھی پھر بولی ''اندر آ جاؤ سب لوگ میں بڑے شوق سے تمہاری خدمت کروں گی''

وہ دروازے سے ہٹ گئی اور ایک کھلے دالان کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک دائرے کی صورت میں کئی کرسیاں پڑی تھیں۔ کرسیاں کبھی خوبصورت اور نئی ضرور ہوں گی لیکن اور چیزوں کی طرح لگتا تھا اہل خانہ ان سے بھی غافل ہیں۔

سب تھکے ہوئے تو تھے ہی آگے بڑھے۔

اور

کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔

عورت سب کو بٹھا چکی تو بولی ''کس کے چوٹ لگی ہے۔''

صعف جو آرام سے کرسی میں دھنسی تکان اتار رہی تھی بولی ''میرا پاؤں الٹ گیا ہے''

عورت چند لمحے اس کا پاؤں دیکھتی رہی پھر گویا ہوئی ''فکر نہ کرو۔ میں بڑی اعلیٰ قسم کی مرہم لے کر آتی ہوں۔تم مرہم لگانے کے بعد بہت سکون محسوس کرو گی''

''شکریہ۔۔۔۔۔۔'' صعف نے کہا۔

عورت آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی دروازے سے باہر نکل گئی۔

''چلو اچھا ہوا۔۔۔۔۔۔'' موہین کرسی میں پھیلتے ہوئے بولی ''تھوڑی دیر آرام کر لیں گے صعف کی چوٹ کی وجہ سے''

''ہاں تھک تو ہم لوگ بھی گئے تھے'' سیہہ اور شاتم نے کہا۔

''لیکن ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں رکنا'' واسقہ بولا۔

''بھئی مرہم تو آ لینے دو۔۔۔۔۔۔۔۔ صعف بولی

''سب باتیں کرنے لگے۔ کرسیوں میں دھنسا ہو کر ئی مزہ لے رہا تھا۔ جوڑ جوڑ چڑھائی چڑھنے سے دکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ پشتوں کے کوہان بھی کرسیوں کی پشت پر ڈال کر کچھ سکون کا احساس ہو رہا تھا۔

''کافی دیر کے بعد وہ عورت دروازے سے نمودار ہوئی اس کے ہاتھ میں مرہم کی کالی ڈبیہ تھی۔''

''لاؤ۔۔۔۔۔۔ موہین نے ہاتھ بڑھایا'' میں صعف کے مرہم لگا دیتی ہوں''

''نہیں بھئی۔۔۔۔۔۔'' وہ عورت آگے بڑھی۔۔۔۔۔۔ اور جھک کر بیٹھتے ہوئے صعف کا پاؤں پکڑ لیا۔

صعف قدرے گھبرائی۔۔۔۔۔۔ کیونکہ چوٹ ووٹ تو کوئی تھی نہیں۔ اس نے تو آرام کرنے کے لیے بہانہ تراشا تھا۔

عورت نے کئی منٹ پیر دیکھنے میں لگا دیے اور پھر ڈھیر سارا وقت اس کے پاؤں پر مرہم لگانے میں صرف کیا۔

بچے تو کرسیوں میں اونگھنے لگے تھے۔ موہین بھی سو گئی تھی۔ واسقہ البتہ بیدار تھا۔ اور اسے عورت کے اس طرح مرہم لگانے پر کچھ غصہ بھی آنے لگا تھا۔

''بس محترمہ'' صعف نے اپنا پیر اکھینچ لیا۔ اب میں بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں بہت بہت شکریہ''

صعف اب تھکان محسوس نہیں کر رہی تھی۔ کافی دیر آرام کر لیا تھا۔ اس لیے اس نے واسقہ سے بھی کہا ''اب میں ٹھیک

ہوں۔۔۔۔۔۔۔''

''توہمیں چلنا چاہیے۔بہت وقت ہوگیا'' واسقہ بولا۔

''نہیں بھئی۔۔۔۔۔۔۔یہ کیسے ہوسکتا ہے عورت اٹھتے ہوئے مسکرا کر بولی'' میں نے آپ لوگوں کو کچھ کھلایا پلایا تو ہے نہیں۔ یقیناً تم بھوک محسوس کر رہے ہو گے'' بھوک تو سب کی چمک رہی تھی۔

پھر بھی

تکلفاً واسقہ بولا'' آپ تکلف نہ کریں۔ہم راستے میں کچھ کھالیں گے''

''ناممکن۔تم سب آرام سے ان گدیلی کرسیوں میں نیم دراز ہو جاؤ۔ میں تمہارے لیے پھل اور مٹھائی لے کر آتی ہوں۔۔۔۔۔۔''

کسی کا جواب سنے بغیر وہ دالان سے باہر نکل گئی۔پھل اور مٹھائی کے نام ہی سے سب کے خاص بچوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔

اور

وہ

سب

تساہل سے کرسیوں میں پڑ گئے۔

کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر اونگھ گئے

بہت دیر کے بعد وہ عورت آئی۔سب کو جگایا اور کھانے پینے کے خوان ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولی'' بہت دیر ہوگئی۔پر کیا کروں میں ہوں ہی ایسی جلدی کام کرنا تو مجھے آتا ہی نہیں''

''کوئی بات نہیں'' صحف جلدی سے بولی'' ہماری خاطر تواضع ہی کے لیے تو تم نے دیر لگائی'' عورت بڑے معنی خیز انداز میں مسکرائی۔وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

سب نے پیٹ بھر کر پھل اور مٹھائی کھائی۔اور عورت کا بار بار شکریہ ادا کرنے لگے۔

''رکو'' وہ بولی'' پانی تو میں لانا بھول ہی گئی۔یقیناً تمہیں پیاس بھی لگی ہوگی''

''ہاں بہت پیاس لگی ہے'' رمیلہ، سیہہ اور شاتم بیک زبان بولیں۔

عورت پانی لینے نکل گئی۔

''کتنی اچھی میزبان ہے''صعف بولی۔

''واقعی''موہین نے کہا۔

''یہ ہماری خوش بختی ہے۔آرام بھی کرلیا اور کھاپی کر سیر بھی ہو گئے۔اب بہت جلد ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائیں گے''واسقہ بولا۔

''ہاں''فریدوں نے کہا۔

''واسقہ''موہین نے کہا۔

''کیا''

''بھئی ہم نے اپنی مہربان میزبان کا نام تو پوچھا ہی نہیں

''واقعی''

''ابھی پانی لے کر آئے تو پوچھیں گے۔

''پانی لانے میں بھی اس عورت نے ڈھیر سارا وقت لیا اور آتے ہی بولی''معذرت خواہ ہوں دیر ہوگئی۔کیا کروں میں ہوں ہی ایسی''

سب پانی کے پیالے اٹھا کر پینے لگے۔تو فریدوں نے کہا''ہم کتنے احسان فراموش ہیں۔آپ کے ہاں آرام بھی کیا اور کھایا پیا بھی۔۔۔۔۔۔۔لیکن آپ کا نام تک نہیں پوچھا

''آپ کا نام کیا ہے محترم خاتون''واسقہ خالی پیالہ ٹرے میں رکھتے ہوئے احترام سے بولا۔

''میرا نام غفلت ہے''عورت بڑی شان اور تفاخر سے بولی۔

''غفلت سے۔۔۔۔۔۔۔''دو ایک آوازیں ابھریں۔سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔واسقہ پریشان ہوگیا بچے گھبرا گئے۔موہن اور صعف نے بھی پریشان نظروں سے اسے دیکھا یہ تو وہی غفلت تھی۔جس کے ہاں جانے سے انہیں رحم دلی نے منع کیا تھا۔

پر اب کیا ہو سکتا تھا۔

گیرو جلدی سے قدم اٹھاتے ہوئے بولا "اب ہمیں چلنا چاہیے"

"ہاں" سب نے کہا۔

غفلت نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ سب دالان سے باہر نکل آئے باہر آ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شام کے دھندلکے پھیل رہے تھے۔

"اوہ۔ یہ تو شام اتر رہی ہے" رمیلہ چلائی۔

"اتنی دیر ہم نے یہاں لگا دی" موہین حیرت سے بولی "رات اترنے والی ہے" دروازے میں کھڑے غفلت مسکرائی اور بولی "آپ لوگ ایسے غافل ہوئے کہ شام ڈھلنے کو آئی اور آپ کو احساس تک نہ ہوا"

"وہ بڑے تمسخر سے مسکرا رہی تھی۔ اپنی کامیابی پر نازاں تھی۔

"چلو چلو اب ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں ایک منٹ نہیں رکنا" واسقہ جھلایا۔

"ہاں جلدی کرو خواہ مخواہ اتنا وقت ضائع ہو گیا" موہین نے غصے سے صعف کی طرف دیکھا۔

گیرو بولا "ہم بالکل ہی بھول گئے۔ حالانکہ بی رحمدلی نے ہمیں اس سے بچنے کی تاکید کی تھی ۔۔۔۔۔۔"

"اب پچھلی باتوں کو چھوڑو۔ پشیمائی سے کچھ نہیں ہوگا جلدی جلدی قدم اٹھاؤ اور غفلت کے علاقے سے نکل چلو ۔۔۔۔۔۔"

واسقہ درشت لہجے میں بولا۔

سب نے بھاگنے کا انداز اختیار کیا۔

غفلت نے ایک تمسخرانہ قہقہہ لگایا۔

اور

دروازہ بند کر کے اندر چلی گئی۔

شام کے دھندلکے پھیل رہے تھے۔ گھنے درختوں کی وجہ سے روشنی اندھی سی ہو رہی تھی۔ لگتا تھا کچھ اور اوپر گئے۔ تو سیاہ اندھیرا پھیل چکا ہوگا۔ اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے گا۔

سب متفکر نظر آ رہے تھے۔

''ناحق راستے میں رکے'' واسق بولا ''اس غفلت نے ہمیں اتنا نقصان پہنچایا کہ اب ہمارے لیے اس نیک آدمی کے گھر تک پہنچنا مشکل ہو رہا ہے''

رمیلہ جو دھندلاہٹ سے خوفزدہ تھی اور بھائی کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی پریشان ہو کر بولی ''اس نیک آدمی کا گھر ابھی کتنی دور ہوگا''

''وہ تو پہاڑ کی چوٹی پر ہے'' گیرو نے کہا۔

''اور پہاڑ کی چوٹی ابھی نظر نہیں آ رہی'' واسق نے کہا۔

''فاصلہ کافی ہے'' صعف پریشان نظر آنے لگی۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔۔۔۔۔۔۔ واسق درشت لہجے میں بولا۔ ''نہ تمہیں چوٹ لگتی نہ ہم غفلت کے ہاتھ آتے''

صعف تنگ کر بولی ''میں نے یہ تھوڑا کہا تھا کہ اس کے گھر تم ڈیرے ہی ڈال لو۔ مرہم لگوانے کے بعد سب کو اٹھ آنا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔''

موہین مصالحت کے انداز میں بولی ''وہاں فضا ہی ایسی تھی کہ ہم سب غافل ہو گئے''

فریدوں طیش میں آ کر بولا ''مجھے اب غلفت نظر آئے تو اس کی گردن اڑا دوں۔

''غفلت نے سارا پروگرام بگاڑ دیا'' گیرو بھی پچھتاوے کے انداز میں بولا۔

''رحمدلی کتنی اچھی تھی۔ اس نے ہمیں اس خبیث سے آگاہ بھی کیا تھا'' شاتم بولی۔

''ہر ہم جان بوجھ کر تو وہاں نہیں رکے تھے۔ سیہہ بولی۔ ''صعف کی وجہ سے رکنا پڑا۔''

صعف کو غصہ آ گیا۔ لڑنے کے انداز میں چیخی ''سب مجھے ہی الزام دے رہے ہیں تم سب کی عقلیں گھاس چرنے گئی تھیں۔ جلدی اٹھ آتے نا۔۔۔۔۔۔۔ ٹانگیں پسار کے سب پڑ گئے تھے۔ اور کھانے کے لیے کتنے بے چین تھے۔۔۔۔۔۔''

''ہاں بھئی غلطی ہم سب کی ہے'' واسق صعف کا مزاج برہم ٹھنڈا کرنے کو بولا۔ ''سب پچھلی باتوں کو چھوڑ دو۔ اور اس سے نصیحت پکڑو۔''

''واقعی غفلت بہت بری ہے''

''مجھے تو اس سے نفرت محسوس ہونے لگی ہے''

سب اپنے اپنے غصے کا اظہار کر چکے تو واسقہ نے کہا ''اب رات کی فکر کرنا چاہیے۔ رات کے اندھیرے میں چڑھائی چڑھنا مشکل ہے''

''واقعی۔۔۔۔۔۔'' فریدوں کچھ سوچتے ہوئے بولا ''یہاں تو راستہ بھی تنگ ہے موڑ بھی ہیں اور درختوں میں چڑھائی چڑھنا مشکل ہے۔''

''واقعی۔۔۔۔۔۔'' فریدوں کو کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''یہاں تو راستہ بھی تنگ ہے موڑ بھی ہیں اور درختوں کی بھی بہتات ہے۔'' پھر کیا کریں؟''

''چوٹی ابھی دور ہے آدھی رات تک بھی سفر کریں تو میرے خیال میں وہاں نہیں پہنچ سکتے۔''

''پھر کچھ سوچنا چاہیے۔ مجھے تو ابھی سے ڈر لگ رہا ہے'' رمیلہ نے کہا۔

''ڈرنے کی بات تو ہے ہی'' سیبہ بولی ''دیکھو تو اردگرد کتنے کھڈے ہیں پاؤں پھسلے تو دھڑام سے نیچے گریں''

''اندھیرے میں جو کوئی جنگلی جانور حملہ آور ہو گیا۔۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے لرز کر کہا۔

''ایسی ڈراؤنی باتیں مت کرو'' گیرو نے ان تینوں لڑکیوں کو ڈانٹا۔۔۔۔۔۔ وہ تینوں چپ ہو گئیں۔ لیکن ایک دوسری کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔

چند قدم اور چلے۔ تو موہین نے کہا ''بھئی رات گزارنے کے لیے کوئی ٹھکانہ تلاش کرو۔ میرے تو پاؤں زخمی ہو گئے ہیں۔ میں بہت نقاہت محسوس کر رہی ہوں۔ اور یہ پشت کا بوجھ بہت اذیت دے رہا ہے''

''وہ تو ہم سب اٹھائے ہوئے ہیں'' فریدوں نے کہا۔

''تمہارے بوجھ ہلکے ہیں۔۔۔۔۔۔'' موہین ناگواری سے بولی۔ ''مجھ سے یہ گٹھڑ اٹھا کر اب نہیں چلا جا رہا۔۔۔۔۔۔''

''حالت تو میری بھی تم ایسی ہے۔'' صعف بولی۔ ''لیکن مجبوری ہے' کیا کیا جائے۔''

''میں ادھر ادھر اسی لیے دیکھ رہا ہوں کہ شاید کہیں کسی گھر کی روشنی نظر آ جائے واسقہ بولا۔

''روشنی! رمیلہ شاتم سے ہاتھ چھڑا کر واسقہ کے پاس آتے ہوئے چلائی۔

''ہاں'' وہ بولا۔

''وہ تو میں نے ابھی دیکھی ہے ان درختوں کے پیچھے آؤ میرے ساتھ میں تمہیں دکھاؤں شاید وہ کسی گھر ہی کی روشنی ہو''

''کہاں دیکھی ہے'' گیرو نے پوچھا۔

''ادھر'' اس نے دائیں ہاتھ اشارہ کرتے ہوئے سب سے کہا'' آؤ تم لوگ خود بھی دیکھ لو.......''

سب پلٹ کر اس طرف آئے جس طرف رمیلہ نے روشنی دیکھی تھی۔ واقعی وہاں روشنی تھی۔ غالباً کوئی گھر تھا۔ جس کی کھڑکی سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ صف موہین تو بچوں کی طرح خوشی سے تالیاں بجانے لگیں۔

''چلو چلتے ہیں شاید کسی کا گھر ہے۔ اس پہاڑ پر رہنے والے لوگوں کی عادت ہے کہ مسافروں کو پناہ دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ آدمی جس کا گھر روشن ہے ہمیں رات گزارنے کو جگہ دے دے'' واسقہ نے کہا۔

''نہ بھی دے'' فریدوں بولا'' ہمیں کسی سرائے وغیرہ کا پتہ تو بتا دے گا جہاں ہم رات گزار سکیں گے۔

سب تیز تیز قدم اٹھاتے اس گھر کی طرف بڑھے۔ جو اونچے اونچے درختوں میں ہوا تھا۔ جس کی حالت اچھی تھی۔ اور بڑی سنہری اور چمکیلی روشنی کھڑکی سے باہر آ رہی تھی۔

اس گھر کے پیچھے اور بھی چند گھر تھے۔ غالباً یہ بھی کوئی بستی تھی۔ لیکن اور گھروں میں اتنی روشنی نہیں تھی۔ کچھ گھر تو تاریکی میں ڈوبے تھے۔ وہ سارے گھر شاید غریبوں کے تھے۔

لیکن

یہ گھر بڑا پرکشش تھا۔ کسی نے بھی کسی دوسرے گھر میں جانے کا نہیں سوچا۔ سب واسقہ کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے اسی گھر کی طرف چل دیئے۔ جس کا لکڑی کا خوبصورت دروازہ بند تھا۔ لیکن دروازے کے نقش ونگار اور پیتل کے کنڈے چمک رہے تھے۔

واسقہ نے آگے بڑھ کر دستک دی۔

''کون؟'' آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا ایک ناٹے قد کا موٹا سا آدمی تھا۔ جس کا سر گنجا تھا۔ گال سرخ تھے۔ اور آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔

وہ ان لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ اسی لیے استقبالیہ انداز میں سر جھکاتے ہوئے بولا'' آیئے تشریف لایئے۔ میرا گھر حاضر ہے۔''

سب اس کی شکل وصورت سے سہم گئے تھے۔ لیکن اس کے انداز گفتگو سے سب متاثر ہوئے۔ بچے تو خوش نظر آنے لگے۔

سب آگے پیچھے اندر داخل ہو گئے۔ یہ گھر اندر سے بھی خوبصورت اور پر آسائش تھا۔ قالین بچھے تھے۔ اور خوبصورت فرنیچر پڑا

تھا۔ فانوس روشن تھے۔ اندھیرے کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

وہ انہیں ایک بہت بڑے گول کمرے میں لے آیا۔ یہاں کی ہر چیز دیدنی تھی۔ بہت ہی آرام دہ کرسیاں بچھی تھیں۔ فرش سرخ قالین سے ڈھکا تھا۔ میزوں پر گلدان رکھے تھے۔ کونوں میں بڑے بڑے آرائشی مجسمے تھے۔

سب بیٹھ چکے تو میزبان مسکرا کر دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی پراسرار اور عجیب سی تھی۔ رمیلہ نے تو سہم کر اپنا سر شاتم کے کندھے پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

''آپ لوگ رات گزارنے یہاں آئے ہیں.......'' میزبان کے گول گول گال کچھ اور سرخ نظر آنے لگے۔

''جی.......'' واسقہ نے کہا۔

''بصد شوق....... مجھے آپ کی میزبانی پر فخر ہے''

''شکریہ''

میزبان بڑے پراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ مسکرا بھی کیا لگتا تھا۔ اس کے انگ انگ سے تمسخرانہ ہنسی پھوٹ رہی ہے۔

اتنا اچھا گھر اور خوبصورت ہال ہونے کے باوجود سب کچھ بے چینی سی محسوس رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ یہ میزبان یہاں سے چلا جائے یا یہ سب یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ مگر وہ مسکراہٹ سب کو برداشت کرنا مشکل ہو رہی تھی۔

لیکن

کیا کرتے

مجبوری تھی۔ رات تو کسی نہ کسی طور یہاں بسر کرنا ہی تھی۔

''میں آپ لوگوں کے لیے بستر لگواتا ہوں'' میزبان اٹھتے ہوئے بولا ''اور کھانے کا بھی بندوبست کرتا ہوں''

وہ اٹھ کر چلا گیا۔ تو سب نے جیسے سکون کا سانس لیا۔ بچے اٹھ کر ہال میں چیزیں دیکھنے لگے واسقہ موہین اور صعف بھی باتیں کرنے لگے۔

''ہمارا میزبان اچھا ہی آدمی لگتا ہے۔ جو ہمارے لیے بستر لگوانے گیا ہے۔ بولا۔

''اور کھانے پینے کا بھی بندوبست کرے گا'' موہین بولی۔

''پر پتہ نہیں کیوں اس کی موجودگی میں ماحول کچھ ناخوشگوار سا لگ رہا تھا مجھے صعف بولی ''ہاں شاید اس کی شکل ہی ایسی ہے''

واسقہ بولا۔''دل کا برا نہیں''

''واقعی''

سب باتیں کرنے لگے۔میزبان نے ان سب کے لیے پر تکلف کھانا بھجوایا۔سب نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

میزبان بڑے اصرار سے ان کو پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے لیے کہہ رہا تھا۔اب سب بے تکلف ہو گئے تھے۔اور اس کی مسکراہٹ سے کوئی سہم بھی نہیں رہا تھا۔

''میں نے آپ لوگوں کے بستر پلنگوں پر دوسرے ہال میں لگوا دیے ہیں.......''وہ بولا۔

''بہت بہت شکریہ........''واسقہ بولا۔

''ہائے مجھے تو یوں لگتا ہے برسوں بعد پلنگ پر سونا نصیب ہوگا''موہین اترا کر بولی''میں نرم اور پر آسائش بستر پر سونے کی عادی ہوں''

''میں خود''صعف شان سے بولی۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اپنے پر آسائش گھروں کو چھوڑ کر اس اندھیری بھیانک رات میں کہاں جا رہے تھے۔''میزبان نے چھوٹی چھوٹی چمکتی آنکھوں سے واسقہ کی طرف دیکھا۔

ہماری منزل''مسرتوں کا شہر ہے۔''واسقہ نے کہا اور پھر اپنے پشتوں پر لدے بوجھوں کی کہانی مختصر الفاظ میں اسے سنا دی۔

میزبان نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں حیرت سے پھیلاتے ہوئے کچھ سہمے سے انداز میں کہا''آپ لوگ مسرتوں کے شہر جا رہے ہیں''

''ہاں.......''کیوں جلدی سے موہین نے پوچھا۔

''آپ لوگ اتنے خطرناک اور بھیانک سفر پر نکلے ہوئے ہیں''میزبان نے ڈر کا اظہار کیا۔

''کیا مطلب؟''صعف نے پوچھا۔

''بھئی آپ لوگ جانتے ہی نہیں.......''وہ بولا۔

''کیا موہین بے تابی سے بولی۔''

''کہ پہاڑ کتنا ویران اور خطرناک ہے۔ارد گرد جنگل ہی جنگل ہیں اور ان میں ایسے ایسے ہیبت ناک جانور اور زہرناک اژدھے

ہوتے ہیں کہ دن کے وقت ادھر سے گزرنا آسان نہیں ہوتا

''ہائے'' موہین ڈر سے سپید پڑ گئی۔

''اور'' میزبان بولے گیا'' جابجا اتنی گہری کھائیاں ہیں کہ ذرا پاؤں غلط پڑا اور بندوق غائب''

''اف......'' سب کے رنگ اڑ جا رہے تھے۔ بچے ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔

''اور تو اور' وہ اسی لہجے میں بولا'' کوئی مصیبتوں کا مارا یہ پہاڑ طے کر بھی لے۔ دوسری طرف راستہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ راستے میں جگہ جگہ ایسی پریشانیوں سے واسطہ پڑتا ہے کہ توبہ توبہ....... انسان ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔

سب ڈر کے مارے کانپ رہے تھے۔ سب سے برا حال موہین کا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

جب میزبان کی باتیں اس کی برداشت سے باہر ہو گئیں۔ تو وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی' اور خوفزدہ لہجے میں بولی'' میں تو نہیں جاؤں گی۔ مجھے اپنی جان یوں گنوانا منظور نہیں یہ بوجھ پشت پر ہے تو رہے گزارہ ہو ہی جائے گا۔ میں آگے نہیں جاؤں گی''

''موہین......'' واسقہ نے اسے تسلی دینا چاہی۔

لیکن

وہ قدم اٹھاتے ہوئے بولی'' میں واپس جاؤں گی۔ میں واپس جاؤں گی''

اور

ڈر سے کانپتی شاتم نے موہین کا بازو تھام لیا اور بولی'' میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں''

''شاتم'' فریدوں نے بہن کو ڈانٹا اور آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام کر ساتھ لگائے ہوئے بولا....... ''تم نہیں جاؤ گی۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ ہم لوگ بات بات پر مظاہرہ کرتے رہے تو منزل تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہمیں بہر صورت مسرتوں کے شہر جانا ہے خواہ کتنی مصیبتیں بھی نہ جھیلنا پڑیں۔

فریدوں کی باتوں سے سب کا حوصلہ بندھا۔

لیکن

موہین خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ لی تھی۔ میزبان نے بھاگنے میں اس کی مدد کی تھی فریدوں نے سب سے کہا'' حوصلہ رکھو۔ ہمت نہیں ہارو

''میری مانو تو بچو'' میزبان نے پھر پراسرار انداز میں کہا'' آپ لوگ بھی واپس چلے جائیں۔ اپنی جانیں خطرے میں نہ ڈالیں۔ آپ کی ساتھی نے عقلمندی سے کام لیا ہے۔ جو وہ واپس چلی گئی ہے۔

واسقہ کچھ کہنے ہی کو تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''اور شاید موہین واپس آ گئی.......'' شاتم اور سیمہ نے بیک زبان کہا۔

لیکن

وہ موہین نہیں تھی۔

وہ

تو

کشت یار تھا۔

کشت یار کو دیکھ کر سب کے چہروں پر رونق آ گئی۔ رمیلہ تو آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ اس گھگیاتے ہوئے بولی'' اچھا ہوا جو آپ آ گئے۔ موہین تو ہمیں چھوڑ کر چلی گئی''

''کہاں گئی موہین'' کشت یار نے حیرت سے پوچھا۔

''واپس''

''کیوں''

واسقہ نے مختصراً اسے بتایا کہ میزبان کے راستے کے خطرناک سے آگاہ کرنے پر وہ گھبرا کر واپس ہولی۔

کشت یار نے غور سے میزبان کو دیکھا۔ مزیبان پراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔

کشت یار بھانپ گیا۔ سر ہلایا اور ہولے سے کہا'' اب سمجھا''

اسی لیے وہ سب سے بولا'' چلو چلو۔ اٹھو۔''

''اجی کہاں جائیں گے آپ؟'' میزبان بولا'' رات تاریک اور پہاڑ ویران ہے۔ جا بجا جنگلی جانور چیر پھاڑ ڈالنے کو۔ سانپ اژدھے ڈس لینے کو.......''

وہ بولے گیا۔ لیکن کشت یار سنی ان سنی کرتے ہوئے سب کو باہر نکلنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ کشت یار کے کہنے پر سب منہ لٹکائے باہر

نکلنے لگے۔

میزبان انہیں پھر بھی ڈراتا رہا۔وسوسے ڈالتا رہا۔وہم میں جتلا کرتا رہا

لیکن

جب

کشت یار نہ رکا

تو وہ کندھے اچکاتے اور آنکھیں چندھیاتے ہوئے بولا ''جیسے تم لوگوں کی مرضی''

وہ سب باہر نکلے

تو

دیکھ کر حیران رہ گئے کہ پرنور چاندنی کا غبار پھیلا ہوا تھا۔ ہر چیز نظر آ رہی تھی۔ درخت بے حد خوبصورت لگ رہے تھے ہوائیں چل رہی تھیں۔اور راستہ سیدھا اور ہموار تھا۔

''باہر تو سب کچھ ٹھیک ہے'' شاتم خوش ہو کر بولی ''میزبان ہمیں خواہ مخواہ ہی خوفزدہ کر رہا تھا''

کشت یار نے سب کی طرف دیکھا اور بولا ''جانتے ہو وہ کون تھا؟''

''کون'' سب بولے۔

''شک''

سب چیخ اٹھے ''شک؟''

''ہاں۔وہی شک جس کے ہاں رکنے سے رحم لی نے تم سب کو منع کیا تھا۔''

''اوہ.......'' واسقہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا...... ''اسی وجہ سے وہ ہمیں خطرات سے ڈرا رہا تھا۔ہمارے دلوں میں وسوسہ اور وہم ڈال رہا تھا۔جھوٹ بول کر'' شک کا تو کام ہی جھوٹ بولنا ہے'' کشت یار بولا۔

''ہاں واقعی۔کتنا خوبصورت سماں ہے''

''نہ جانور ہیں اور نہ کیڑے مکوڑے۔''

''کھائیں اور کھڈ بھی نہیں ہیں''

''ہائے ہائے موہین خواہ مخواہ ہی ہمیں چھوڑ کر چلی گئی''

''میں وقت پر پہنچ جاتا تو موہین کو روک لیتا۔ وہ شک کا شکار ہو گئی''

سب کو موہین کے واپس چلے جانے کا بہت ہی افسوس تھا۔

چاندنی کا نور ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کے اجلے اجالے میں وہ صاف اور سادہ عمارت نظر آ رہی تھی۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر تھی .... رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی لیکن کشت یار کے ساتھ سب ساتھی اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔ موسم خاصہ خنک ہو رہا تھا۔

عمارت دیکھ کر سب سے پہلے رمیلہ خوشی سے چلائی ''وہ....... وہ دیکھو۔ وہ چوٹی جو گھر نظر آ رہا ہے یقیناً اسی نیک آدمی کا ہے جس کے متعلق بی رحم لی نے بتایا تھا۔''

''ہاں ہاں بے شک وہی ہے رہبر کا گھر'' کشت یار خوشی سے بولا۔

''تو ہم نے پہاڑ کی چڑھائی سر کر ہی لی آخر'' واسقہ نے کہا۔

''بے شک یہ گھر ہماری منزل نہیں'' کشت یار بولا۔ لیکن یہ نیک آدمی رہبری کرے گا۔ تو ہم مسرتوں کے شہر آسانی سے پہنچ جائیں''

''خدا کرے ایسا ہو.......''

''ضرور ہو گا.......''

اب وہ سب اس کھلے میدان میں پہنچ گئے تھے۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ جس میں وہ سادہ سی مگر صاف ستھری عمارت اک وقار سے کھڑی تھی۔

''آدھی رات ہو چکی ہے'' کشت یار نے ستاروں بھرے آسمان کی طرف اندازہ لگایا۔

''ہاں'' صعف بولی۔

''کیا ہمیں آدھی رات کو اس نیک آدمی کے دروازے پر دستک دینا چاہیے''

واسقہ بولا۔ ''اخلاقاً تو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ نیک آدمی اس وقت گہری نیند سو رہا ہو گا۔''

''تو کیا ہم اس میدان میں کھلے آسمان تلے باقی رات گزاریں گے'' صعف بدمزاجی سے بولی۔

''ہم لوگ تھکے ہوئے ہیں۔ بھوکے پیاسے بھی ہیں۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ دروازہ کھٹکھٹائیں۔ وہ نیک آدمی ضرور ہے کہ شب بیدار بھی ہوگا۔ ایسے بزرگ رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتے ہیں''

''ہاں سنا تو میں نے بھی یہی ہے۔ لیکن اپنے شہر میں تو ایسا کوئی نہیں تھا'' اب اس بحث کو چھوڑو....... اور دروازہ کھٹکھٹاؤ'' صعف نے تند لہجے میں کہا۔

''اچھا'' فریدوں نے کہا'' میں دروازے پر دستک دیتا ہوں''

فریدوں نے قدم آگے بڑھائے اور لکڑی کے بڑے سے صدر دروازے پر لگی سنہری زنجیر سے دروازہ کھٹکھٹایا

چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھل گیا۔

اور

سفید بے داغ لبادے میں ملبوس ایک نورانی صورت باریش آدمی نے دروازہ کھول دیا....... اور بولا'' میں رہبر ہوں میرے بچے اندر آجاؤ.......''

فریدوں تعظیم سے بولا'' میرے ساتھ میرے اور بھی ساتھی ہیں''

باریش بزرگ نے شفقت اور محبت سے مسکرا کر کہا....... ''بلا لو سب کو۔ میرا گھر حاضر ہے''

''شکریہ'' فریدوں کے لبوں سے از خود نکل گیا۔ ایک لمحہ کو اسے اپنے آپ پر حیران بھی ہوئی۔ وہ کتنا اکھڑ بدتمیز اور بدفطرت ہوا کرتا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے پہنچتے اس کے کردار اور مزاج میں حیرت انگیز تبدیلیاں آچکی تھیں۔

وہ واپس پلٹا۔

اور

اپنے سب ساتھیوں کو لے کر آگیا۔

بزرگ نے بڑے پیار سے سب کا استقبال کیا

اور انہیں گھر کے اندر لے آیا۔

اس نیک آدمی کا گھر بڑا صاف ستھرا اور پاکیزہ تھا۔ گو امارت اور تزئین کی بظاہر چیزیں نہ تھیں۔ پھر بھی گھر کی فضا بہت مقدس اور

خوشگوار تھی۔ پاکیزگی اور طہارت کا احساس بڑا جاندار تھا۔

رہبر انہیں ایک صاف ستھرے کمرے میں لے آیا۔ جہاں زمین پر چاندنی بچھی تھی اور دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے لگے تھے۔

سب نے اپنے جوتے دروازے سے باہر اتارے اور آ کر گاؤ تکیوں کے سہارے چاندنی کے فرش پر بیٹھ گئے۔ یہاں انہیں بے حد سکون ملا۔ جسم تو تھکے ہوئے تھے ہی۔

میرے بچو۔ تم لوگوں نے یقیناً کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہوگا۔ تھوڑی دیر تم لوگ ستاؤ۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کو لے آؤں۔"

آدھی رات اس بزرگ کو تکلیف دینا کسی کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"بیچارے رہبر کو اس وقت ہم تکلیف دے رہے ہیں......."

"پتہ نہیں اس گھر میں اتنے لوگوں کے لیے کھانا ہوگا بھی یا نہیں......."

"اگر اسے اکیلے کو کھانا بنانا پڑا تو......."

"بہتر ہوتا ہم باقی رات باہر ہی گزار لیتے۔"

سب بزرگ کو تکلیف دینے پر شرمندہ اور نادم تھے۔ اور یہ مزاجوں کی تبدیلی تھی جو انہیں یہ احساس دلا رہی تھی۔ ورنہ اپنے شہر میں کسی نے کب اس انداز سے کبھی سوچا تھا۔ اس حیران کن مزاجی تبدیلی کو سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ کشت یار جیسا ظالم و جابر شخص واسقہ جیسا مکار اور فریبی آدمی اور صعف جیسی تنگ مزاج اور درشت طبیعت کی عورت سب اتنا بدل چکے تھے۔ اور تو اور بدتمیز اور آوارہ صفت بچے بھی حد تک سدھر چکے تھے کہ کسی کو تکلیف دے کر خوش نہیں ہو رہے تھے۔ کوفت محسوس کر رہے تھے کچھ زیادہ دیر نہیں گزری۔

رہبر ان سب کے لیے دو خوان کھانے سے بھر کر لے آیا۔

سادہ روٹیاں اور سالن ہی تھا جو اس نے پیار سے سب کو پیش کرتے ہوئے کہا "جو کچھ گھر میں تھا وہ حاضر ہے۔ آپ لوگ نوش فرمائیں"

"آپ کو تکلیف دی......." "ہم سب نادم ہیں" کشت یار بولا۔

"مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ کھانا پیٹ بھر کر کھائیں۔ میں پانی لے آؤں"

سب کھانا کھانے لگے۔ اس کھانے نے انہیں اتنی لذت دی کہ کھاتے ہی چلے گئے۔ لگتا تھا ایسا لذیذ کھانا وہ زندگی میں پہلی بار کھا رہے ہیں۔

رہبر پانی اور کٹورے بھی لے آیا۔

سب نے شیریں پانی پی کر خدا کا شکریہ ادا کیا۔

''میں نے بستر بھی لگا دیئے ہیں۔ تا کہ آپ آرام سے سو سکیں'' رہبر بولا۔

''ہم یہیں سو جاتے کافی آرام دہ جگہ ہے آپ نے بستر لگانے کی ناحق تکلیف کی''

کشت یار نے کہا۔

رہبر زیرِ لب مسکرایا اور بولا۔ ''آپ اپنی کمروں کی بوجھ کی وجہ سے یہاں ٹھیک طرح سے آرام نہیں کر سکیں گے''

سب شرمندہ سے ہوئے نادم ہو کر گردنیں جھکا لیں۔

''کوئی بات نہیں....... کوئی بات نہیں'' رہبر نے شفیق لہجے میں کہا۔

کشت یار نے خود ہی مختصر الفاظ میں اپنی روئیداد اسے سنا دی۔

رہبر نے ہولے ہولے سر ہلایا۔

اور

بولا

''میں جانتا ہوں۔ وہ میرا بھائی ہے۔ جس نے آپ لوگوں کے ذہنوں میں بھرے گناہوں کے بوجھ ظاہر کر دیئے۔ اور اس نے یہ بوجھ اتارنے کا بھی آپ کو صحیح مقام بنایا ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ کے یہ بوجھ غائب ہو جائیں گے''

صف بڑبڑائی'' وہاں پہنچنا کونسا آسان ہے۔ جانے ابھی کتنی کٹھنائیوں سے اور گزرنا پڑے''

رہبر نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا'' رات بہت جا چکی ہے۔ اب اپ لوگ آرام کریں۔ صبح باتیں کریں گے''

''جی اچھا'' سب نے کہا۔

''آیئے میں آپ کو سونے کے کمرے تک پہنچا دوں''

سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ کھانا کھانے سے جسم میں توانائی آ گئی تھی۔ سب تازہ دم ہو گئے تھے۔

رہبر انہیں وہاں سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے آیا۔ یہ کمرہ نسبتاً کشادہ تھا۔ صاف ستھرے بستر پلنگوں پر بچھے تھے۔ ان پلنگوں پر تکیے اس انداز سے رکھے تھے کہ پشتوں کے بوجھ کے باوجود یہ لوگ چت بھی لیٹ سکتے تھے۔ سب ایسے تکئے دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔

سب بستروں پر لیٹ گئے۔ آج تو گشت یار نے بھی کوئی بات نہیں کی • سادہ سے کمرے میں سادہ سا بستر ہی نعمت لگا۔

رہبر چند لمحے ان سے باتیں کرتا رہا

نیند سب پر غلبہ پا رہی تھی۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اور لگتا تھا۔ سکون کی رنگین وحسین وادیوں میں وہ اترتے چلے جا رہے ہیں۔

جب وہ سو گئے۔

تو

رہبر نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔

اور

واپس اپنی عبادت گاہ میں چلا گیا۔

بچے ناشتے کے بعد کافی دیر سرسبز میدان میں گھومتے پھرتے رہے۔ بڑے بھی اٹھ کر گاؤتکیوں والے میدان میں آ بیٹھے۔ انہوں نے جی بھر کر نیند نکال لی تھی۔ ناشتہ بھی کر لیا تھا۔ اس لیے تازہ دم ہو گئے تھے۔

''اب ہمیں چلنا چاہیے'' گشت یار نے کہا۔

''ہاں'' فریدوں باہر سے آ کر بولا ''بڑی چمکیلی صبح نکلی ہے۔ لگتا ہے ہر چیز سونے کی بنی ہے۔ چمک دمک دیدنی ہے۔ سفر بہت اچھا رہے گا''

''ویسے بھی اب اترائی ہے۔ ہم بہت جلد پہاڑ کے دامن میں جا پہنچیں گے'' شاتم بھی اندر آ کر بولی۔

رمیلہ سیمہ اور گیرو بھی اندر آ گئے۔ سب تروتازہ تھے۔ میدان میں صاف ستھری فضا میں گھومنے پھرنے سے ان کے چہرے شگفتہ نظر آ رہے تھے۔ لگتا تھا پشتوں کے کب بھی انہیں زیادہ تکلیف نہیں دے رہے۔

''بچے کتنے تازہ دم ہیں'' کشت یار نے کہا۔ بچے اسے کبھی اچھے نہیں لگے تھے۔ لیکن آج وہ انہیں دیکھ کر خوش نظر آ رہا تھا۔

وہ چلنے کی تیاری کر کے اٹھے۔ تو بزرگ اندر آ گیا۔

''اجازت دیجئے محترم بزرگ کہ ہم اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں'' کشت یار نے کہا۔

''ضرور........ ضرور........'' وہ بولا ''ابھی تمہارا کافی سفر باقی ہے''

''بابا'' رمیلہ نے پوچھا ''مسرتوں کا شہر ابھی کتنی دور ہے؟''

بزرگ مسکرا کر بولا۔ ''باہر آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں''

''وہ سب بزرگ کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل آئے۔ بزرگ میدان کے سرے پر آن کر رک گیا اور ایک سمت ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولا ''وہ........ وہ رہا مسرتوں کا شہر........''

''وہ جو انتہائی روشن اور چمکدار نظر آ رہا ہے؟'' صعف نے جلدی سے پوچھا ''ہاں........''

''لیکن وہ تو ابھی کافی دور دکھائی پڑتا ہے'' صعف نے منہ بنایا۔

''ہے تو........'' کشت یار بولا........ ''لیکن ہے کتنا خوبصورت۔ مقناطیسی کشش ہے اس میں۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں''

''ہمت اور حوصلے سے سفر جاری رکھا تو ضرور پہنچ جاؤ گے'' بزرگ بولا۔

''ہم منزل پر پہنچ کر ہی دم لیں گے'' فریدوں نے سینہ تان کر کہا۔ ''صعف فاصلے کا خیال کر کے کچھ دل گرفتہ سی ہو گئی........''

''یہاں سے تمہارا شہر بھی نظر آتا ہے'' برگ نے بچوں سے کہا۔

''واقعی'' بچے بڑے سبھی تجسس سے بولے ''دکھاؤ نا ہمیں وہ کدھر ہے''

بزرگ نے دوسری طرف رخ موڑا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''وہ وہ دیکھو........ وہ ہے تمہارا شہر''

''وہ........ جن پر سیاہ بادل چھائے ہیں'' رمیلہ بے اختیارانہ افسردگی سے کہہ اٹھی۔

''ہاں وہی''

''شہر تو نظر ہی نہیں آتا۔ اتنا تاریک اور ویران ہے'' شاتم سہم گئی۔

''یہ ہمارا شہر ہے........'' سیہہ روہانسی ہو کر بولی۔ ''اتنا خراب''

''ہاں''

''اس کے اوپر اتنا دھواں کیوں ہے۔ سیاہ بادل کہاں سے آئے ہیں'' کشت یار پریشانی سے بولا۔

''گناہ کے بادل؟'' گیرو بولا۔

''اتنے گھنیرے اور تاریک'' واسقہ بڑبڑایا۔

''ہاں میرے بچو'' بزرگ نے افسردگی سے کہا'' تمہارے شہر میں لوگ جب بھی گناہ کرتے ہیں وہ دھواں بن کر ان بادلوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ بادل دن بدن گھمبیر ہوتے جارہے ہیں۔ وہ دیکھو کتنے ہی گھروں سے دھواں اٹھ رہا ہے''

سب نے ادھر دیکھا۔ شرمندگی سے ان کے سر جھک گئے۔ کئی گھروں سے دھواں اٹھ اٹھ کر بادلوں میں شامل ہو رہا تھا۔

''گناہ اسی طرح ہوتے رہے تو عجب نہیں یہ پورا شہر بالکل ویران ہو کر تاریکی میں ڈوب جائے'' رہبر بولا

سب بے حد شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔

''بیٹا'' بزرگ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا'' بالکل اسی طرح جس طرح گناہ تمہارے ذہنوں میں تھے۔ تو تمہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ پر جب یہ تمہاری پشتوں پر ظاہر ہو گئے تو تمہیں اور سب کو نظر آنے لگے''

ندامت اور شرمندگی سے سب کا برا حال تھا۔

راہبر نے یہ بات دیکھی تو موضوع بدل کر بولا'' میں نے دو بنڈلوں میں تمہارے لیے کھانے پینے کا سامان باندھ دیا ہے۔ اب شرمندہ ہونے سے فائدہ نہیں۔ فائدہ اسی میں ہے کہ تم لوگ سفر کی مصیبتیں اور کھٹنائیاں جھیلتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچ جاؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا....... جاؤ میرے بچو....... خدا تمہاری مدد کرے گا''

وہ سب چلنے کو تیار تھے ہی۔ بزرگ سے کھانے کے بنڈل لیے اور اسے تعظیم سے سلام کرتے ہوئے جانے لگے۔

''سنو'' بزرگ نے انہیں روکا۔

''جی''

''میری چند باتیں سن لو''

''فرمائیے''

''ان باتوں کو یاد رکھنا نصیحتیں سمجھ کر پلے باندھ لینا.......''

''جی.......''

''ایک تو یہ کہ آپس میں لڑنا جھگڑنا نہیں''

''جی اچھا.......'' واسقہ نے صعف کی طرف دیکھا جو خاصی لڑاکا تھی۔

''دوسرے'' بزرگ بولا ''جھوٹ کبھی نہیں بولنا۔ ہمیشہ سچ بولنا''

''اور؟'' کشت یار نے پوچھا۔

''اور سیدھے راستے پر چلتے جانا۔ خواہ اس راستے میں رکاوٹیں آئیں۔ یا مشکلیں سیدھے راستے سے ادھر ادھر نہیں ہونا''

''جی بہت اچھا'' فریدوں شاتم اور رمیلا نے بیک زبان کہا اور کوئی بھی کچھ نہیں بولا'

''اب جاؤ''

''خدا حافظ''

''خدا حافظ''

بزرگ کی باتیں سب ہی نے سنی تھیں۔ لیکن فریدوں شاتم اور رمیلا ہی نے ان کو پلے باندھا۔ گیرو اور سیمہ نے کوئی خاص دھیان نہیں دیا۔

اور

کشت یار واسقہ اور صعف تو شاید اپنے آپ کو منجھا ہوا سمجھتے تھے۔ نصیحتوں کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔

بہر حال

سب رہبر کو خدا حافظ کہہ کر چل پڑے

اب

وہ

اترائی میں جا رہے تھے۔ اس لیے راستہ جلدی کٹ رہا تھا۔

''یہ پہاڑ تو بہت ہی خوبصورت اور اترنے میں آسان ہے'' صعف بولی ''وہ شک ہمیں خواہ مخواہ ہی وسوسے میں ڈال رہا تھا.......''

''موہین اس کی باتوں میں آ ہی گئی نا'' کشت یار نے افسوس سے کہا۔

''میرا بس چلے تو جا کر اسے واپس لے آؤں'' صعف خوشگوار لہجے مین بولی تو فریدوں اور گیرو کے ساتھ واسقہ نے بھی تمسخرانہ قہقہہ لگایا۔

واسقہ بولا۔ ''شکر کرو خود یہاں تک پہنچ گئی ہو۔ واپس جاؤ گی۔ تو پھر واپس آنے سے رہی''

''کیوں....... میں اتنی کمزور ہوں کیا'' وہ غصے سے غرائی۔

''لڑنا نہیں لڑنا نہیں'' گیرو نے کہا ''بزرگ نے لڑنے سے منع کیا ہے''

سب ہنس پڑے صعف بھی مسکرائی۔

سب تیزی سے چلتے جا رہے تھے۔ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ رمیلہ کو تو یوں لگ رہا تھا جیسے ہوا میں اڑتی چلی جا رہی ہے۔

''رمیلہ'' فریدوں نے اسے پکارا۔

''جی بھائی''

''اتنی تیزی سے مت بھاگو''

''کیوں''

''اترائی پر پھسلنے کا زیادہ خدشہ ہوتا ہے''

''ہاں رمیلہ'' شاتم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

باتیں کرتے ہنستے مسکراتے سب پہاڑ کی اترائی اتر رہے تھے۔ یہاں بھی درخت تھے گھنے اور چھتنار....... ہوائیں بھی مہک رہی تھیں۔ اور سونا بکھیرتی دھوپ کی تمازت بھی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

دوپہر ہونے تک وہ پہاڑ کے دامن میں آ چکے تھے۔ اب میدانی علاقہ شروع تھا۔ گو یہ ابھی غیر ہموار میدان تھا۔ پھر بھی پہاڑ جیسی اترائی چڑھائی نہ تھی۔ میدان کچھ زیادہ سرسبز نہیں تھا کہیں کہیں گھاس کے قطعے تھے کہیں خودرو جھاڑیاں اور بیلیں بھی تھیں اور کہیں بالکل ننگی ٹیالی زمین تھی۔ جس میں کہیں کہیں چھوٹے بڑے سیاہ پتھر بے ترتیبی سے سمائے ہوئے تھے۔

موسم یہاں بھی خوشگوار ہی تھا۔

سارا قافلہ پہاڑ کو عبور کر چکا تھا۔ اس لیے سب بہت خوش تھے۔

''ایک مرحلہ تو ختم ہوا؟'' کشت یار نے کہا۔

''ہر مرحلہ کافی مشکل تھا'' واسقہ نے کہا۔

''ہمارے دو ساتھی ساتھ چھوڑ گئے'' صعف نے افسوس سے کہا۔

''مہیب نے تو شروع ہی میں ہمت ہار دی۔ موہین کا اس طرح دل چھوڑ دینا عجیب لگتا ہے۔۔۔۔۔۔'' کشت یار بولا۔

''وہ تو پتہ نہیں اتنا ساتھ بھی کیسے دے گئی۔ اتنے آرام و آسائش کی دلدادہ موہین سے توقع رکھنی فضول ہی تھی'' واسقہ بولا۔

''ہمیں کیا'' فریدوں نے کہا۔ ''ساری عمر پشتوں پر بوجھ لادے لوگوں کے تمسخر کا نشانہ بنتے رہیں گے''

''اچھا بھئی چھوڑو انہیں۔۔۔۔۔۔'' گیرو بولا۔ ''ہر کوئی اپنا اپنا سوچے''

''ٹھیک ہے'' سیمہ بولی۔

''تو پھر میں اپنا سوچ رہی ہوں'' شاتم خوش تھی۔

''کیا؟''

''کہ کہیں ٹھکانہ تلاش کیا جائے اور بیٹھ کر کھانا کھایا جائے''

''بہت اچھا۔۔۔۔۔۔ بہت خوب۔۔۔۔۔۔ کی کام کی بات کی تم نے شاتم'' گیرو ''بھوک ہمیں بھی لگی ہوئی ہے''

''اور ہمیں بھی۔۔۔۔۔۔'' سب بولے۔

''کہاں بیٹھ کر کھائیں'' فریدوں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

''ہائے ہائے۔۔۔۔۔۔'' صعف بولی ''جگہ ڈھونڈ رہے ہیں وہ دیکھو کتنا چھتنار درخت ہے اور نیچے گھاس کا سرسبز فرش۔۔۔۔۔۔''

''واقعی ہمارا دھیان تو ادھر گیا ہی نہیں۔ چلو سب ادھر چل کر بیٹھتے ہیں۔ بزرگ بابا کا دیا ہوا کھانا مزے سے کھاتے ہیں''

''چلو۔۔۔۔۔۔ چلو۔۔۔۔۔۔ چلو۔ سب اس طرف چل دیئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد درخت تلے سب دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے۔ کھانے کا ایک بنڈل کھولا گیا تھا۔ دسترخوان بچھا کر اس پر مزے مزے کے کھانے چن دیئے تھے۔ کمال کی بات کہ کھانا ابھی گرم تھا۔ اور بے حد لذیز بھی۔ اچار چٹنیاں اور مربے بھی بابا نے مختلف ڈبوں میں ڈال دیئے تھے۔ بھنا ہوا مرغ تو اتنا مزیدار تھا کہ سب کہہ اٹھے۔

خوب پیٹ بھر کر کھانے کے بعد بھی کچھ چیزیں بچ گئیں۔ شاتم اور سیہ انہیں سمیٹ ہی رہی تھیں کہ ان کو درخت کے پیچھے کھڑے اور چھپ چھپ کر کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھتے دو چہرے نظر آئے۔

وہ کھانے پینے کی چیزوں کو حریصانہ دیکھ رہے تھے۔

''کون ہو تم.......'' سیہ کی نظر ان چہروں پر پڑی۔ جو سر نکال نکال کے درخت کے پیچھے سے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان میں ایک چہرہ لڑکی کا تھا دوسرا لڑکے کا۔ دونوں چہرے انتہائی کرخت اور مکروہ سے تھے۔ ان کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی لیکن انگاروں کی طرح لال تھیں۔ منہ سے رال ٹپک رہے تھے۔ پیشانیاں تنگ اور بال اکھڑے اکھڑے تھے۔

''کون ہو تم لوگ'' واسقہ کی نظر بھی ان پر پڑی''

صعف بولی'' کوئی غریب بچے ہیں....... '' پھر اس نے ناک منہ چڑھاتے ہوئے کہا بھوکے ہوں گے اسی لیے کھانے پر نظری جما رکھی ہیں۔

کشت یار بھی ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے انہیں دیکھ کر کراہت سے منہ پھیر لیا اور شاتم سے کہا'' یہ بچا کھچا کھانا انہیں دے کر کہو یہاں سے دفعہ ہو جائیں۔

شاتم نے کچھ کھانا ان کی طرف بڑھایا۔

وہ کھانے پر جھپٹ پڑے۔ اور بے صبری سے کھانا منہ میں ٹھونسنے لگے۔ کھانا اتنا تھا کہ دونوں سیر ہو سکتے تھے۔ لیکن وہ تو چند لمحوں میں سب کچھ ہڑپ کر گئے۔ اور پھر اس طرح حریصانہ نظروں سے کھانے کے اس بنڈل کو تکنے لگے۔ جو بزرگ نے ان لوگوں کو دیا تھا۔ اور جسے رات کو استعمال کرنے کے لیے انہوں نے جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔

''چلو بھاگو اب'' فریدوں نے انہیں ڈانٹا۔ تو وہ درخت کے پیچھے چھپ گئے۔

لیکن

تھوڑی ہی دیر بعد پھر جھانکنے لگے۔

''عجیب بچے ہیں....... '' صعف نے ناک منہ چڑھایا۔

''تم کون لوگ ہو۔ حد درجہ ڈھیٹ....... سنتے نہیں ہم لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔

ہیں۔دفعہ ہوجاؤ۔

لیکن

وہ پہلے کی طرح پھر درخت کے پیچھے چھپ گئے۔اور چند لمحوں بعد پھر سر نکال نکال کر بنڈل کو تکنے لگے۔

شاتم نے پہلے بنڈل کا باقی بچا کھچا کھانا بھی انہیں دے دیا۔جسے وہ ایک سیکنڈ میں ہڑپ کر گئے۔

''تم انسان ہو یا جانور.......''سیہہ نے تنفر سے انہیں دیکھا۔

''ہم.......''لڑکا بولا۔رال اب بھی اس کے منہ سے ٹپک رہا تھا۔

''ہاں کیا نام ہے تمہارا.......''واسقہ نے پوچھا۔

''میرا نام لالچ ہے اور میری بہن کا نام طمع ہے''لڑکا بولا۔

''اوہ.......اس نے کہا''لالچ اور طمع۔تمہیں ہم نے ڈھیر سارا کھانا دیا ہے اب اور کیا چاہتے ہو''

''کچھ نہیں.......کچھ نہیں''طمع بولی''ہم تو ویسے ہی دیکھ رہے ہیں آپ لوگوں کو.......''

''لیکن ہم تمہیں دیکھنا نہیں چاہتے''گیرو سختی سے بولا''بھاگو یہاں سے''

لیکن

''طمع اور لالچ بھاگنے کی بجائے آگے بڑھے اور جھپٹ کر کھانے کا بنڈل اٹھایا۔

پھر

یہ جا.......وہ جا۔

سب چیختے ہی رہ گئے۔کشت یار نے دو تین گالیاں بکیں۔فریدوں ان کے پیچھے دوڑا۔

لیکن

وہ تو جیسے ہوا کے دوش پر سوار تھے۔جانے کہاں غائب ہو گئے۔فریدوں کا سانس پھول گیا اور وہ ہانپتا ہانپتا واپس لوٹ آیا۔

''نہیں ہاتھ آئے.......''صعف نے پوچھا۔

''کیسے ہاتھ آتے۔وہ لالچ اور طمع تھے''فریدوں نے غصے سے کہا''لالچی بھاگ گئے۔

رسیلہ ہنس پڑی اور بولی''لالچی تو وہ تھے ہی۔نام ہی لالچ اور طمع تھا۔''

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے'' فریدوں کو اپنی ناکامی کا غصہ تھا۔ رمیلہ کے یوں ہنسنے پر چڑ گیا اور اس بیچاری پر برس پڑا۔

''آئے ہائے رمیلہ بیچاری پر کیوں غصہ جھاڑ رہے ہو۔ پکڑ خود نہیں سکے'' گیرو نے تمسخر سے کہا تو فریدوں نے اس کا گریبان پکڑ لیا ''تم کہاں مرے تھے۔ جا کر پکڑ لیتے نا........''

گیرو شوخی سے بولا ''میں دیکھنا چاہتا تھا۔ تم رات کا کھانا ان سے واپس لا سکتے ہو نہیں''

''گیرو۔ اب تم نے کوئی بات کی تو میں تمہارا جبڑا توڑ دوں گا''

شاتم دسترخوان چھوڑ کر دونوں کے درمیان آ گئی۔ گیرو کا گریبان فریدوں کے ہاتھ سے چھڑایا اور بولی ''فریدوں تم بزرگ بابا کی بات ابھی سے بھول گئے۔ انہوں نے لڑائی جھگڑے سے منع نہیں کیا تھا۔

''بری بات'' واسقہ بھی بولا۔

تو

فریدوں شرمندہ ہو گیا۔ سر جھکاتے ہوئے بولا ''معافی چاہتا ہوں۔ مجھے لالچ اور طمع کے بھاگ لینے کا غصہ تھا''

''غصہ تھوک دو........'' کشت یار بولا........ ''افسوس تو ہے کہ ہمارا رات کا کھانا وہ دونوں لے اڑے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ رات آئے گی تو کچھ نہ کچھ بندوبست ہو ہی جائے گا''

''ہاں'' واسقہ۔

''اب چلنا ہے یا تھوڑی دیر یہاں آرام کر لیا جائے'' صعف نے پوچھا۔

کشت یار نے کہا ''ابھی پتہ نہیں ہم نے کتنا سفر طے کرنا ہے۔ مسرتوں کے شہر تک پہنچنے کے لیے........''

''ابھی کچھ اندازہ نہیں'' فریدوں نے کہا۔

''تو پھر بہتر یہی ہے کہ تھوڑی دیر ستا کر ہم لوگ یہاں سے چل پڑیں۔

''بالکل''

پھر سب چھتنا ور درخت چلے بیٹھ گئے۔ صعف تو ایک مٹی کے تودے پر کروٹ کے بل لیٹ گئی۔ بچے البتہ ادھر ادھر اچھلتے کودتے پھرے۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ سورج کی کرنیں اب آڑی پڑ رہی تھیں۔ پہاڑ کی نسبت اس میدان میں موسم زیادہ خوشگوار نہیں تھا کہیں

کہیں چٹیل میدان تھا کہیں جھاڑ جھنکار تھے کہیں سوکھی سوکھی لمبی لمبی گھاس تھیں۔ اور کہیں کہیں سوکھے سوکھے بے سایہ درخت تھے۔

یہاں ان لوگوں کی رفتار کچھ سست پڑ گئی تھی۔ بچے تو موسم سے متاثر نہ تھے۔ اچھلتے کودتے دوڑتے بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ ہاں ادھر صعف بہت کوفت محسوس کر رہی تھی۔ کبھی تو وہ ڈھٹائی سے کھڑی ہو جاتی۔ لگتا آگے چلنے سے ابھی انکار کر دے گی۔

سفر ان لوگوں کو بہر حال جاری رکھنا تھا۔ صعف بھی بادل نخواستہ چل ہی پڑتی۔ دوپہر ڈھل گئی۔ سورج گویا مغرب کی آغوش میں جا لگا۔ مغربی سمت آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے۔ اور شام کی سانولی دلہن اپنے آنچل پھیلانے لگی۔ چرند پرند دن بھر کی تگ و دو کے بعد اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹنے لگے۔

''یہاں آبادی کا تو دور دور تک کوئی نشان ہی نہیں' صعف تھکن زدہ لہجے میں بولی'' آبادی کو کیا کرنا ہے'' واسقہ بولا۔

''کیوں؟'' کہیں رات نہیں گزارنی۔ مسلسل چلتے جانا ہے'' وہ بولی۔

''پتہ ہے رات کہیں گزارنی ہے'' واسقہ جھلایا'' ضروری تو نہیں کہ تم ہی یاد دلاؤ......''

''میں تھک گئی ہوں...... '' وہ غصے سے بولی۔

''تو میں کیا تمہیں کندھوں پر اٹھا لوں'' واسقہ بھی غرایا...... ''ہمیشہ تم ہی پریشانی میں اضافہ کرتی ہو۔ ان بچوں ہی کو دیکھو۔ وہ بھی تو چل رہے ہیں فکر ہے نہ پریشانی۔

''میں بچہ نہیں ہوں...... '' وہ تند اور خونوار نظروں سے واسقہ کو دیکھنے لگی۔

''تو کر و جو جی میں آئے'' کہتے ہوئے واسقہ آگے بڑھ گیا۔

''کیوں واسقہ اتنے غصے میں کیوں ہو'' کشت یار نے پوچھا۔

تو

واسقہ نے پلٹ کر صعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' ایک یہ مصیبت ہمارے ساتھ چل پڑی تھی......''

''تم اس سے لڑ کر آئے ہو''

''ہونہہ......''

''غلط بات واسقہ...... تم بزرگ آدمی کی ہدایت کیوں بھول جاتے ہو''

واسقہ شرمندہ ہو گیا۔ کشت یار پلٹ کر صعف کے پاس آیا اور ملائمت سے بولا' صعف ہم نے مل جل کر یہ کٹھن سفر طے کرنا ہے۔

واسقہ اپنی سخت گوئی پر شرمندہ......"

"میں بھی پتہ نہیں کیوں ایک دم غصے میں آجاتی ہوں" صعف بولی۔

"اسی غصے پر قابو پانے کے لیے تو بزرگ نے ہدایت دی تھی۔ یہ بھی تو اک بڑی برائی ہے۔ بالکل گناہ ہے اور ہم لوگ گناہوں سے تائب ہونے اور اس کے بوجھوں سے نجات پانے ہی کے لیے تو یہ دشوار سفر طے کر رہے ہیں

وہ نادم سی ہو کر چپ ہو گئی۔

کشت یار اسے سمجھاتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے۔

کہ

رمیلہ اچھلتی کودتی ان کی طرف آئی اور خوشی سے چلائی ہم کسی بستی کے قریب پہنچ گئے ہیں اور اب شب بسری کی کوئی فکر نہیں

"سچ" صعف نے کہا۔

"ہاں۔ ہم نے وہاں چند مکان دیکھے ہیں" اس نے جدھر سے آئی تھی ادھر منہ کر کے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"یہاں سے تو نظر نہیں آرہے" صعف نے آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر دیکھا۔

"تھوڑا آگے جاؤ گے نا تو سب نظر آئے گا" رمیلہ نے کہا اور پھر کسی مست ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی اپنے ساتھ بچوں سے جا ملی۔

بستی کچھ زیادہ بڑی نہ تھی۔ چند گھروں پر مشتمل تھی۔ کچھ گھر تو بڑے بوسیدہ تھے۔ کسی کی دیواریں گری ہوئی تھیں۔ کسی کی چھت بیٹھ چکی تھی۔ کچھ گھروں کے آگے کوڑے کے ڈھیر لگے تھے۔ اور کچھ گھروں کی پیشانیوں کے پلستر اکھڑے ہوئے تھے۔

ساری بستی میں یہی ایک گھر تھا۔ جو بہت خوبصورت ڈھلائی رنگ دار چھتوں اور سفید پھولدار دیواروں والا تھا۔ صاف ستھرا چمن تھا۔ جس میں رنگا رنگ پھول لہرا رہے تھے۔ سبزہ قالین کی طرح بچھا تھا۔

سب نے اسی گھر کے دروازے پر دستک دینا چاہی۔

لیکن

جب دستک دینے کو گیرو نے ہاتھ بڑھایا۔تو اندر سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ جودم بدم بڑھتی گئیں۔

گیرو ڈر کر پیچھے ہٹا۔

اس کے ساتھی بھی مسلسل چاؤں چاؤں کی آوازیں سن کر صدر دروازے سے پیچھے ہٹ آئے۔

''لگتا ہے ایک دو نہیں کئی کتے ہیں.......''کشت یار نے آوازوں پر دھیان دیتے ہوئے کہا۔

''دروازہ بند ہے۔ ہوسکتا ہے گھر کا مالک کہیں ادھر ادھر ہو'' واسقہ بولا ''اسے تلاش کرنا چاہیے''

''باہر کیسے ہوسکتا ہے اندر ہی ہوگا'' فریدوں بولا۔

گیرو کچھ سوچتے ہوئے بولا ''ایک دفعہ دستک دینی تو چاہیے۔اب واسقہ یا کشت یہ کام کریں.......''

''ہاں ہاں۔ ہوسکتا ہے کتے بندھے ہوں اور مالک ہمیں پناہ دے دے'' صعف بولی تو تم ہی دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ سچی بات مجھے تو کتوں سے بہت ڈر لگتا ہے'' واسقہ پرے ہٹ گیا۔

''میں کوشش کرتا ہوں فریدوں نے ہمت اور عزم سے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔''

لیکن دروازہ کھٹکھٹانے سے پہلے ہی کسی نے پکارا

''اے میرے بچے کیا کر رہے ہو سن نہیں رہے اندر کتے بھونک رہے ہیں'' سب نے پلٹ کر دیکھا۔

ایک بدوضع سی بڑھیا بے ترتیب سا لباس پہنے کھڑی تھی۔اسے دیکھتے ہی جھرجھری سی آ گئی۔ بڑھیا کے بال بکھرے ہوئے تھے۔آنکھیں بڑی بڑی اور باہر کو ابلی ہوئی لگتی تھیں۔ ہونٹ کالے اور موٹے تھے۔ناک بدزیب تھی۔ چہرے کی رنگت پیلی تھی اور اس کے دانت انتہائی میلے کچیلے تھے۔

چونکہ اس نے دروازہ کھٹکھٹانے سے ان لوگوں کو منع کیا تھا۔ پھر بھی خوفزدہ ہونے کے باوجود وہ بڑھیا کے قریب آ گئے۔

''اماں۔تم نے ہمیں دروازہ کھٹکھٹائے کیوں نہیں دیا۔ہم پردیسی ہیں۔اور رات یہاں گزارنی ہے''

''توبہ توبہ.......''بڑھیا نے کانوں کا ہاتھ لگائے ''اچھا ہوا جو میں آ گئی ورنہ دروازہ کھلتا تو یہ خوفناک کتے لمحوں میں تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتے۔''

سیمہ اور رمیلہ تو ڈر کر شاتم سے لپٹ گئیں۔

بڑھیا سب کو کتوں سے خوفزدہ کرتی رہی۔واسقہ تو لرز رہا تھا۔اسے کتوں سے واقعی بہت ڈر لگتا تھا۔

کتے اب بھی بھونک رہے تھے۔

''ان کے اتنے لمبے لمبے دانت ہیں'' بڑھیا نے ہاتھ سے اندازہ بتایا ''اور سنو یہاں بھیڑیے بھی ہیں''

''اف'' واسقہ نے آنکھیں بند کرلیں۔

''اور مالکن انہیں ہمیشہ بھوکا رکھتی ہے۔ان کی خوراک تم جیسے پردیسی لوگ ہی ہوتے ہو.......''

''ہائے ہائے'' صعف نے سینے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

فریدوں اور گیرو بھی ڈرنے لگے۔ایک کشت یار تھا۔ جسے بڑھیا کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔کیونکہ کتوں کی آوازوں سے لگتا تھا کہ یہ بڑے کتے نہیں پلے ہیں اسی لیے اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا ''بی بی تم جنہیں خونخوار کتے کہہ رہی ہو وہ آوازوں سے تو کتوں کے بچے لگتے ہیں....... بھیڑیوں والی بات بھی صحیح نہیں لگتی.......''

''لو اور سنو....... میں نے خود دیکھے ہیں۔ان کی آوازیں ہی ایسی ہیں۔بچو بھول کر بھی اس گھر میں قیام نہ کرنا۔کیوں جانیں گنوانی ہیں۔چلو میرے ساتھ میرے گھر میں رات گزار لو.......''

''یہ ٹھیک ہے'' واسقہ جلدی سے بولا۔

لیکن

اور

کسی نے بھی اس بڑھیا کے ساتھ جانے کی حامی نہ بھری۔اس سے تو انہیں گھن آرہی تھی۔ریڑھ کی ہڈیوں میں جھنجھناہٹ ہورہی تھی۔خوف کی کپکپی طاری ہورہی تھی۔پھر بھلا وہ کیونکہ اس کے ساتھ جاتے۔اور رات اس کے ہاں گزارتے۔اس سے تو بہتر تھا کہ یہیں کہیں درختوں تلے پڑ کر نیند نکال لیتے۔

اس نے سب سے کہا۔بہت اصرار کیا۔بڑھیا نے بھی بہت کہا۔کتوں سے ڈرایا گھر والوں سے خوف دلایا اور تو اور یہ بھی کہا کہ خاتون خانہ نے بھیڑیے بھی رکھے ہوئے ہیں

لیکن

بچے تو ایک دوسرے سے چمٹ کر کھڑے ہوئے گئے۔کشت یار بالکل نہیں مانا اور صعف بھی تذبذب میں رہی۔

''کشت یار'' بالآخر واسقہ غصے سے بولا ''تم ہمیشہ اپنی مرضی سب پر ٹھونستے ہو کیا ہرج ہے جو رات اس بی بی کے ہاں گزار

لیں۔"

"اوں ہوں" کشت یار نے کہا۔

"نہیں تو نہ سہی۔ میں تو جا رہا ہوں۔تم لوگ ڈالو اپنی جانوں کو خطرے میں مرنے کی سوجھ رہی ہے تو مرو......."

واسقہ غصے سے چلاتا بڑھیا کے ساتھ چل دیا۔

وہ سب وہیں کھڑے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"اب کیا کریں" کشت یار چند لمحے چپ رہنے کے بعد بولا۔

"تم ہمارے معتبر ساتھی ہو۔جیسے کہو گے ہم کریں گے" سب نے جواب دیا۔

"اچھا کچھ سوچتے ہیں......." وہ بولا۔

وہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ ایک نوعمر خوبصورت لڑکا باغیچہ سے گھر کی طرف جاتا دکھائی دیا۔اس نے صاف ستھرا لباس پہن رکھا تھا اور بڑا ہی چاک و چوبند دکھائی دے رہا تھا۔اس کا جسم گٹھا ہوا اور تنومند تھا۔

"اے بھئی" گیرو نے اسے پکارا تو وہ رک گیا۔اتنے لوگوں کو وہاں دیکھ کر وہ ادھر ہی آ گیا۔

"آپ نے مجھے پکارا......." وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"جی ہاں" گیرو نے کہا۔

"کہیے کیا کام ہے" وہ بولا۔

"ہم مسافر ہیں۔مسرتوں کے شہر جا رہے ہیں۔رات سر پر آ گئی۔سوچا اس گھر میں بسر کر لیں۔لیکن ان خوفناک کتوں کی وجہ سے دروازہ کھٹکھٹانے کی ہمت نہیں ہو رہی"

"خوفناک؟" لڑکے نے کہا اور پھر ایک قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "یہ تو بہت چھوٹے چھوٹے کتے ہیں......."

"لیکن......."

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔میں اندر جا رہا ہوں۔آپ میرے ساتھ آ کر خود دیکھ لیجئے۔" وہ بولا۔

"سنا ہے اس گھر کی مالکن بھی......." کشت یار نے بات ادھوری چھوڑ دی تو لڑکا بولا "میرا نام بہادری ہے اور اس گھر کی مالکن خالہ دوستی ہے۔آپ ان سے مل کر تو دیکھیں پتہ نہیں آپ کو کس نے بدظن کر دیا......."

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بہادری نے قدم بڑھایا۔ اور دروازے پر دستک دی۔

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھل گیا اور ایک بے انتہا حسین نازک اندام اور بہترین لباس میں ملبوس خاتون نے دروازہ کھولا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر بڑی دلآویز مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھوں میں شفیق چمک تھی۔ اس کی آواز بڑی رسیلی اور دلفریب تھی۔

بہادری نے اسے مختصراً ان لوگوں کے متعلق بتایا تو وہ بولی "اوہو۔ تمہارا ایک ساتھی اس بڑھیا کے ساتھ چلا گیا۔ اس کا نام خوف ہے اور لوگوں کو ڈرانا اور خوفزدہ کر کے بزدل بنانا اس کا کام ہے۔ اس کا گھر گندہ اور بدبودار ہے۔ تمہارے ساتھی نے وہاں جا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ خیر آؤ تم سب' تمہاری میزبانی پر مجھے فخر ہوگا......."

سب کو واسقہ کے جانے کا افسوس ہوا۔

رات بھر وہ اس غریب کو ڈرا ڈرا کر اس کا خون خشک کرتی رہے گی" دوستی سب کے اندر آ جانے پر بولی" بیچارہ آدمی۔ آپ نے اچھا کیا جو اس کی باتوں میں نہ آئے"" ہمیں تو بہادری نے بچا لیا۔ ورنہ رات بھر ہم جانے کہاں کہاں خوار ہوتے" کشت یار بولا۔

بہادری مسکرایا اور بولا" میں کچھ دیر پہلے آ جاتا تو آپ کے ساتھی کو کبھی وہاں جانے نہ دیتا۔"

اچھا بھئی" دوستی بولی" اب یہ ہمارے معزز مہمان ہیں۔ انہیں کمرے میں لے جا کر بٹھانا چاہیے۔ بہت تھکے ہوئے ہیں"

"ہاں دوستی" صعف مسکرائی" بلاشبہ ہم بہت تھکے ہوئے ہیں......."

دوستی انہیں ایک عمدہ آراستہ پیراستہ کمرے میں لے آئی۔ جہاں بڑی آرام دہ گدے دار کرسیاں اور صوفے پڑے تھے۔ ایک طرف دو دیوان بھی بچھے تھے۔ آرائشی چیزیں بھی تھیں اور گلدانوں میں موسمی پھول بھی سجے تھے۔

سب نے چیزوں کی نفاست اور صفائی کو دیکھ کر اپنے گرد آلود کپڑوں کو دیکھا۔ وہ سب ان چمکتی دمکتی گدیلے دار کرسیوں پر بیٹھنے سے ہچکچا رہے تھے۔

دوستی نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور بڑے خلوص اور پیار سے بولی" کوئی بات نہیں آپ سب بیٹھئے میں سب بندوبست کر لوں گی۔

وہ سب جھجکتے ہوئے بیٹھ گئے۔ لیکن دوستی کا رویہ اپنائیت لئے ہوئے تھا۔ اتنا خلوص تھا باتوں میں کہ سب کی جھجک خود ہی دور ہو گئی۔

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد وہ اٹھ گئی۔

اور

جب واپس آئی تو اس کی خادمائیں جنہوں نے خوبصورت لباس پہن رکھے تھے' بلوریں گلاس مشروبات سے بھرے لے کر آ گئیں۔سب کو بڑی تمیز سے انہوں نے مشروب پیش کئے۔

بچے تو دوستی خالہ پر جیسے فدا ہو رہے تھے۔بڑے بھی تعریفیں کر رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد دوستی اندر آئی۔اور بولی''میں نے پانی گرم کروایا ہے۔آپ لوگ غسل کر لیں......''

''لیکن ہمارے لباس؟ یہی گندے اور میلے کچیلے کپڑے ہیں.......''

''آپ فکر نہ کریں۔ان خاتون اور تینوں بچیوں کے لیے میں نے اپنے لباس نکال دیئے ہیں۔دونوں لڑکوں اور آپ کے لیے میں نے بہادری کو بھیجا ہے۔گو جگہ دور ہے لیکن بہادری کسی سے خوف نہیں کھاتا۔وہ آپ کے لباس لے کر آتا ہی ہوگا۔''

''بہت بہت شکریہ محترمہ دوستی صاحبہ.......''کشت یار دوستی کی عنایات سے مرعوب ہو کر بولا.......''

''شکریے کی کوئی بات نہیں آپ لوگ میرے دوست ہیں اور میرا یہ فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے آپ لوگوں کی مدد کروں۔ہاں بچیوں نے ایک تھیلے میں کچھ فیتے پھول اور کنگھیاں بھی ڈال دی ہیں جاؤ تو ساتھ لے جانا۔راستے میں بال وغیرہ بنانے کے کام آئیں گے''دوستی خالہ آپ کتنی اچھی ہیں''شاتم بولی۔

دوستی نے اسے پیار کیا اور بولی''بیٹا یہ میرا فرض ہے تم لوگ نہا دھو لو۔تب تک کھانا لگ جائے گا۔اور بستر بھی بنا دیئے جائیں گے.......''

اس نے اپنی نوکرانیوں کو بلا کر کہا کہ مہمانوں کو حماموں میں لے جائیں بہادری جلد ہی مردانہ کپڑے لے آیا۔اسے ایک دور جگہ جا کر کپڑے لانا تھے۔راستہ بڑا خوفناک تھا۔لیک وہ صحیح وسلامت واپس آ گیا تھا۔

نہا دھو کر اور عمدہ لباس پہن کر سب بے حد خوش ہوئے۔روح میں تازگی اترتی محسوس ہوئی۔سب دوستی کے احسان مند تھے۔ صعف واستہ اور کشت یار تو دل ہی دل میں ندامت محسوس کر رہے تھے۔اتنے مالدار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی کسی کی مدد نہ کی تھی۔

کھانا گو بہت پر تکلف نہیں تھا۔لیکن جس محبت اور خلوص سے پیش کیا گیا۔سب ہی دوستی کے اخلاق کے معترف ہوئے۔ رات گئے تک دوستی ان سب سے باتیں کرتی رہی اس نے بتایا کہ وہ انسانوں حیوانوں سب سے محبت کرتی ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے۔

''میں نے گائے، بھینسیں، بکریاں، بھیڑیں، بلیاں، کتے سب پال رکھے ہیں یہ کتے جو بھونک رہے تھے۔ میرے مکان کے پچھواڑے میں رکھے ہوئے ہیں۔ آج کچھ موسم ان کی طبع کے مطابق نہیں تھا۔ اس لیے اندر کے صحن میں باندھ دیئے تھے۔ ہوتے تو کبھی نہ بھونکتے۔ آپ کو ان کی وجہ سے خواہ مخواہ زحمت ہوئی۔''

''اوہ دوستی خالہ'' سیہہ اس کے گلے میں بازو حمائل کر کے بولی ''آپ کتنی اچھی اور عظیم ہیں''

شاتم نے بھی کہا'' دوستی خالہ آپ نے تو ہمیں اپنے گرویدہ بنالیا ہے۔ میرا تو جی نہیں چاہے گا کہ آپ کو چھوڑ کر جاؤں''

''واقعی شاتم میرا بھی جی یہی چاہتا ہے کہ دوستی خالہ کے پاس ہی رہ جاؤں....... ''لیکن ہمیں جانا ضروری ہے'' فریدوں بولا۔

دوستی مسکرائی اور بولی'' ہاں میں جانتی ہوں۔ آپ سب کی پشتوں پر بار لدے ہیں۔ انہیں اتارنا ضروری ہے۔ یہ بات نہ ہوتی تو میں آپ لوگوں کو کئی دن اپنے ہاں ٹھہراتی.......''

''شکریہ....... شکریہ.......'' سب کہہ اٹھے۔

''اچھا.......'' دوستی بولی۔ ''رات بہت ہو چکی ہے۔ ہم نے باتیں بھی خوب کر لی ہیں۔ اب آپ لوگ جا کر سو جائیں۔ صبح آپ کو پھر سفر پر نکلنا ہے۔''

''ہاں نیند تو نہیں آ رہی۔ لیکن لیٹنا چاہیے'' گیرو بولا۔'' ہم آپ کے شکر گزار ہیں....... بہت سکون ملا آپ کے ہاں آ کر.......''

دوستی سب کو دوسرے کمرے میں لے گئی۔ جہاں صاف ستھرے بستر پلنگوں پر لگے تھے۔ یہاں بھی تکیے نرم اور آرام دہ تھے۔ سوتے وقت ان کے کب ان تکیوں کی وجہ سے تکلیف سے بچ سکتے تھے۔

سب نے پھر دوستی کا شکریہ ادا کیا۔

اور

وہ

سب کو شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

واسقہ کی بری حالت تھی۔ بڑھیا اسے اپنے بدبودار گھر میں لے آئی تھی۔ اور ایک سیلن زدہ کمرے میں جس کی دیواروں کی قلعی

اکھڑی ہوئی تھی۔ چھت سے جالے لٹک رہے تھے۔ اور فرش جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ واسق کو بٹھایا۔ واسق کو مجبوراً اس گندے کمرے میں بیٹھنا پڑا۔

خوفناک بڑھیا پیلے پیلے دانت نکال کر مسکراتے ہوئے بولی" میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔ شکر کرو تم میرے ساتھ آ گئے اور تمہیں کھانا نصیب ہوگا۔ تمہارے ساتھی تو ان خوفناک کتوں کے پیٹ کی خوراک بن رہے ہوں گے"

بڑھیا کچھ ہی دیر بعد ایک ٹرے لے آئی۔ اس پر اک بے حد میلا خوان پوش پڑا تھا واسق کے سامنے ٹرے رکھ کر اس نے خوان پوش ہٹایا۔

"لو کھاؤ"

واسق کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ بڑھیا کی طرح کھانا بھی کراہت آمیز تھا۔ ایک بے قلعی کٹورے میں چھپکلیاں تھیں۔ جنہیں ابال کر نمک مرچ ڈالی ہوئی تھی۔ ایک ٹوٹی پھوٹی پلیٹ میں گول گول لال کیڑے تھے۔ جو نمکین پانی میں تیر رہے تھے۔ ایک میلے سے دسترخوان میں سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے تھے۔

واسق پر خوف کی کپکپی طاری تھی۔

"کھاؤ نا......." بڑھیا بڑے بھدے انداز میں دانت نکالتے ہوئے بولی۔

"نہیں بی......" وہ ہکلایا...... "مجھے اس وقت بھوک نہیں ہے"

وہ ہنسی اور بولی "ساری رات گزارنا ہے تمہیں کچھ تو کھالو۔"

واسق نے لرزتا ہوا ہاتھ بڑھایا اور سوکھی روٹی کا ٹکڑا نکال لیا۔

"بس"

"یہی کافی ہے"

"کچھ اور لے آؤں"

"نہیں مجھے کچھ زیادہ بھوک نہیں بلکہ بالکل ہی بھوک نہیں۔ مجھے اپنے ساتھیوں کا غم کھائے جا رہا ہے...... افسوس......"

"افسوس کہ وہ کتوں کی خوراک بن رہے ہیں۔ سوچو ذرا۔ کتوں نے انہیں کیسے چیر پھاڑ ڈالا ہوگا۔ انتڑیاں پیٹوں سے باہر ہوں گی۔ کسی کا بازو کتا چبا رہا ہوگا' کسی کی ٹانگ۔ آنکھیں تو ابلی پڑی ہوں گی۔ اور تمہیں پتہ ہے......؟"

''کیا.......؟'' واسقہ زرد پڑتے ہوئے بولا۔

''وہاں اور بلائیں بھی ہیں۔ تم صبح وہاں جاؤ گے تو دیکھو گے کہ تمہارے سب ساتھیوں کا کس طرح صفایا ہو چکا ہے۔ نہ وہاں خون ہو گا نہ ہڈی اور نہ ہی بوٹی۔ بلائیں لمبی لمبی زبانوں سے سب کچھ چاٹ گئی ہوں گی.......''

''تم خوش نصیب ہو۔ جو میرے ساتھ چلے آئے اور ان بدبختوں کا ساتھ نہ دیا۔'' بڑھیا واسقہ کے حواس پر خوف و ہراس طاری کرتی رہی۔ ایسی ایسی وحشت ناک باتیں کہیں کہ واسقہ کے ہوش جواب دینے لگے۔

بڑھیا نے باتوں کے دوران پوچھا ''تم لوگ ادھر کیسے آ گئے؟''

واسقہ نے جلدی سے اپنی رام کہانی سنائی۔ تو وہ خوفناک قہقہہ لگاتے ہوئے بولی ''ہائے ہائے۔ اتنے سے کب کی خاطر تم لوگوں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈالیں۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس کب کے ساتھ کیا تم زندگی نہیں گزار سکتے.......''

واسقہ کچھ نہیں بولا۔

بڑھیا بولی ''میری مانو تو سفر ترک کر کے میرے پاس ہی رہ جاؤ۔ آگے تو تمہیں جن مصیبتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ابھی تو تم نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ مسرتوں کا شہر ابھی دور ہے۔ اور اس کا دشوار ترین راستہ تو آگے آئے گا.......''

واسقہ کے ہاتھ سے سوکھی روٹی کا ٹکڑا گر گیا۔ اس پر کپکپی طاری تھی۔

''تم سونا چاہتے ہو۔ تو لیٹ جاؤ.......'' بڑھیا نے کافی دیر ڈرانے کے بعد کہا۔ واسقہ نے ننگی زمین کو دیکھا۔ تو وہ بولی ''میں بستر لا دیتی ہوں.......''

کچھ ہی دیر بعد وہ ایک بوسیدہ کمبل لے آئی۔ کمبل سے اتنی بو آ رہی تھی کہ واسقہ نے ناک پر ہاتھ رکھ لیا.......

بڑھیا نے ایک طرف کمبل بچھا دیا۔

دیئے کی روشنی میں واسقہ نے دیکھا کہ کمبل پر جوئیں اور چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ وہ سر تا پا لرز گیا۔

''لیٹ جاؤ'' بڑھیا بولی۔

''آپ جا کر آرام کریں۔ میں بھی لیٹ جاؤں گا'' بڑی مشکل سے واسقہ نے کہا۔ اور پتہ نہیں کیسے بڑھیا اس کی بات مان گئی۔

وہ کمرے سے نکلی تو واسقہ نے اٹھ کر کمبل کو پیروں سے گول کیا۔ اور دروازے سے باہر پھینک دیا۔

اس نے دروازہ بھی اندر سے بند کرلیا۔ تاکہ بڑھیا پھر اندر نہ آسکے۔

ساری رات وہ بھوکا پیاسا کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ کبھی زمین پر بیٹھ جاتا۔ افسوس بھی ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر اس عذاب خانے میں آ گیا ہے۔ پھر خیال آتا کہ اس کے ساتھی کتوں کی خوراک بن گئے ہوں گے۔ چلو یہاں آ کر جان تو بچ گئی۔ ایک عذاب کی رات ہی ہے گزر جائے گی۔

بڑھیا رات کو پھر اندر تو نہ آئی۔

لیکن

واسقہ کو مہیب آوازوں اور ڈراؤنی چیخوں سے رات بھر ڈراتی رہی۔ واسقہ کو تو کسی وقت یوں لگتا کہ بڑھیا اسے خوفزدہ کر کے جان ہی سے مار ڈالے گی خدا خدا کر کے دن نکلا۔

ٹوٹے پٹوں سے روشنی اندر آئی

تو

واسقہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ دروازے کی درزوں سے باہر جھانکا۔ تو گندہ مندہ صحن خالی نظر آیا۔

اس نے ہولے سے دروازہ کھولا۔ گردن باہر نکالی ادھر ادھر دیکھا

اور

جب

اطمینان ہوگیا کہ صحن میں کوئی نہیں ہے۔ تو دبے پاؤں باہر نکلا۔

بڑھیا غالباً ابھی سو رہی تھی۔

واسقہ نے ایک ہی جست لگائی اور دروازہ پار کر کے باہر آ گیا۔ اس کے قدم آپوں آپ اس گھر کی سمت اٹھنے لگے۔ جس میں اس کے خیال کے مطابق اس کے ساتھیوں کے لاشے تک بلائیں اچک لے گئی ہوں گی۔

دل ہی دل میں ان کے لیے دکھ محسوس کرتا وہ اس گھر کی طرف جا رہا تھا۔ جو صبح کی نورانی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اور جس کے باغیچے میں خوبصورت اور رنگا رنگ پھول مہک رہے تھے۔ اور جس کی سرسبز گھاس پر قدم رکھتے ہوئے لگتا تھا۔ دبیز قالین پر چل رہے ہوں۔

بددل بدحواس اور رات بھر کی بے چینی اور خوف وہراس سے ادھ موا ء واسقہ اس گھر کے قریب پہنچا۔ تو اندر سے اسے ہنسنے بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔

وہ

چونکا

کیونکہ ہنسنے والوں میں کشت یار اور بچوں کی آوازین نمایاں تھیں

ایک لمحہ کو ششدر سا رہ گیا۔

پھر

خوشی کی لہر اس کی رگ رگ میں دوڑ گئی۔

تو کیا کشت یار زندہ تھا؟

اور بچے؟

وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ صدر دروازہ کھلا تھا۔ اس نے دروازے میں قدم رکھا تو اسے برآمدے میں شاتم اور سیہ نظر آئیں۔ جنہوں نے بے انتہا خوبصورت لباس پہن رکھے تھے۔ جن کے بال رنگین فیتوں سے بندھے تھے۔ اور جو بہت ہی ہشاش بشاش نظر آ رہی تھیں۔"

"یہ کیا؟" وہ بے تابانہ سے بے اختیارانہ آگے بڑھا۔ تو اس نے کشت یار اور صعف کو دیکھا جو ایک حسین عورت کے ساتھ سفید گدے دار کرسیوں پر بیٹھے گپ شپ لگا رہے تھے۔ رمیلہ اس حسین عورت کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھی تھی اور اپنا بازو اس کی خوبصورت گردن میں حمائل کر رکھا تھا۔

فریدوں اور گیرو کو بھی اس نے قریب ہی کھڑے دیکھا۔ حیرانی کی بات تو تھی ہی واسقہ کے لیے کہ وہ سب لوگ زندہ سلامت تھے۔ لیکن وہ ششدر تھا کہ سب صاف ستھرے اور خوبصورت لباسوں میں ملبوس تھے۔ خوشدلی سے گپ شپ لگا رہے تھے۔ انکے چہروں پر ایسی بشاشت تھی۔ جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

وہ ابھی کھڑا سب کو دیکھ ہی رہا تھا کہ فریدوں کی نظر اس پر پڑی۔ پہلے تو اس نے سرنفی میں ہلایا۔

"نہیں یہ واسقہ نہیں........"

پھر

اس نے گیرو کو اس کی طرف متوجہ کیا

''اوہ۔ یہ تو واسقہ ہے۔ رات بھر میں اس کا کیا حال ہو گیا......''

دونوں اس کی طرف لپکے

شاتم اور سیہہ نے بھی اسے دیکھا اور چیخنے کے انداز میں بولیں ''ہائے واسقہ نہیں کیا ہو گیا''

کچھ ہی دیر بعد سب واسقہ کو گھیرے کھڑے تھے۔ واسقہ اس بڑھیا کی چالاکی اور خوفنا کی کے قصے بیان کرتے ہوئے اب بھی لرز رہا تھا

گیرو سر ہلاتے ہوئے بولا ''واسقہ جب ہم نے کشت یار کو اپنا بڑا مان لیا ہوا ہے تو پھر تمھیں اس کی بات مان لینا چاہیے تھی۔''

صعف طنز سے بولی ''بات مان لیتا۔ تو یہ حال نہ ہوتا نا؟ ذرا اپنا حلیہ تو دیکھو واسقہ''

واسقہ نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

تو

کشت یار نے سب کو اشارے سے منع کیا کہ واسقہ کو اور شرمندہ نہ کریں۔

دوستی سب کو دیکھ رہی تھی۔ سب چپ ہوئے تو وہ اپنے نرم اور مشفق لہجے میں بولی ''واسقہ تم نے یقیناً سبق سیکھ لیا ہوگا کہ اتفاق اچھی چیز ہے۔ کاش تم رات اس خوف کے ہتھے نہ چڑھتے''

''میں شرمندہ ہوں۔ رات میں نے جتنی تکلیف اور اذیت سے کاٹی یہ کشت یار کا کہنا نہ ماننے کی سزا تھی......''

''چلو کوئی بات نہیں۔ آؤ میرے ساتھ...... نہا دھو کر کپڑے بدل لو...... بہادری نے شادی تمھیں دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہ تمہارے لیے بھی کپڑے لے آیا تھا۔ آؤ نہا دھو کر کھانا کھانا اور پھر کچھ دیر آرام کرنا......''

''ہاں خاتون'' کشت یار بولا۔ ''یہ بہت خوفزدہ اور بوکھلایا ہوا ہے۔ آپ کی شفقت اور مہربانی کی اسے ضرورت ہے''

وہ مسکرا کر بولی ''جو اسے بھی ضرور ملے گی''

''شکریہ''

دوستی واسقہ کو ساتھ لے کر اندر چلی گئی

اور

یہ

سب دوستی کے خلوص اور محبت کے گن گانے لگے۔

سفر پھر شروع تھا۔

سب تازہ دم اور ہلکے پھلکے ہو رہے تھے۔ دوستی کے خلوص اور محبت نے انہیں جیسے نیا عزم اور حوصلہ عطا کر دیا تھا۔

یوں وہ

ہنستے مسکراتے

باتیں کرتے

بڑھے چلے جا رہے تھے۔

"کشت یار" واسقہ نے چلتے چلتے کہا

"ہوں"

"تم نے راہبر سے مسرتوں کے شہر کا پتہ پوچھا تو تھا۔ تو اس نے کیا کہا تھا"

"تم بھی تو وہیں تھے......."

کشت یار خوشدلی سے مسکراتے ہوئے بولا "دھیان سے بات سننے کی عادت ڈالو" "اب تو ضرور ڈالوں گا"

"ویسے کشت یار" فریدوں قریب آتے ہوئے بولا۔

"کیا"

"ہم لوگوں کی کتنی عادتیں بدلتی جا رہی ہیں......."

"میں بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہوں" گیرو بولا "دوستی خالہ نے تو اتنا متاثر مرعوب کیا ہے کہ جی چاہتا ہے میں بھی ان سا ہو جاؤں......."

"واقعی" شاتم اٹھلا کر بولی۔

رمیلہ نے کہا ''میں تو دل و جان سے ان پر فدا ہوں۔ بالکل ان جیسی بننے کی کوشش کروں گی۔''

ہمارے مزاج اور سوچیں واقعی بدلتے جا رہے ہیں کشت یار بولا۔ ''میں تو اپنے اندر بڑی تبدیلی پا رہا ہوں۔''

''وہ بزرگ ہمارے گناہوں کے بوجھ ہماری پشتوں پر یوں ظاہر نہ کرتا۔ تو ہم شاید گناہوں کی دلدل میں دھنستے ہی چلے جاتے'' گیرو بولا۔

''ہم خوش قسمت ہیں جو ایسا ہوا'' فریدوں بولا۔

صعف منہ بناتے ہوئے بولی ''لیکن جو اتنی مصیبتیں بھگت رہے ہیں.......''

''کبھی تم ختم ہوں گی'' سیہ بولی۔

''جب مسرتوں کے شہر میں پہنچ جائیں گے تب نا'' صعف بیزاری نظر آئی۔

واسقہ نے موضوع بدلنے کو پھر کشت یار سے کہا ''بھی بزرگ نے تمہیں راستوں کے متعلق بتایا تھا نا.......''

''ہاں''

''تو اب ہم کہاں ہیں.......''

''فریب کے جنگل کے قریب''

''فریب کے جنگل؟ کیا مطلب؟ یہ کون سا جنگل ہے؟''

''پتہ نہیں'' کشت یار لاپرواہی سے بولا۔ ''میں نے تفصیل نہیں پوچھی تھی۔ بس بزرگ نے یہی بتایا تھا۔ اور تم کو یہ معلوم ہے نا اس نے کہا تھا سیدھے راستے چلتے جانا''

''ہاں''

''تو پھر اس سیدھے راستے ہی میں یہ جنگل بھی پڑتا ہوگا''

''ہوں''

''ہاں بزرگ نے یہ کہا تھا کہ یہ جنگل جتنی جلدی ہو سکے عبور کر لینا۔ شام سے پہلے پہلے ہمیں یہ جنگل عبور کرنا ہے۔''

''تو پھر تیز تیز قدم اٹھانا چاہئیں۔''

''ہاں.......''

''وہ سامنے درخت تو نظر آ رہے ہیں.......''

''یہی جنگل ہوگا.......''

اب وہ تیز قدم اٹھا رہے تھے۔ جگہ جگہ جھاڑ جھنکار تھی اس کے بعد درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو گھنا ہوتا چلا گیا۔ بعض جگہ تو درخت اتنے گھنے تھے کہ بمشکل ایک آدمی گزر سکتا تھا۔

''غالباً یہی وہ جنگل ہے'' کشت یار ایک خاردار جھاڑی سے اپنے نئے کپڑے بچاتے ہوئے بولا۔

''کافی گھنا ہے'' سیمہ بولی۔

''جنگل تو گھنے ہی ہوتے ہیں بیوقوف'' فریدوں نے ہنس کر کہا۔

''بیوقوف ہو گے تم'' سیمہ چہک کر بولی۔

''ہائے سیمہ۔ تم نے بیوقوفوں والی بات ہی تو کی تھی۔ فریدوں نے بیوقوف کہہ دیا تو کیا ہو گیا......'' رمیلہ فوراً بولی۔

''بھائی ہی کی طرفداری کرو گی تم دونوں'' سیمہ کو غصہ آئے جا رہا تھا۔

''تم خواہ مخواہ الجھ رہی ہو'' شاتم نے کہا۔

سیمہ کچھ جواب دینے والی تھی کہ پیچھے سے گیرو نے بہن کو پکارا ''سیمہ تم میرے پاس آ جاؤ۔ جانے دو ان بیوقوفوں کو پاگل کہیں گے''

''پاگل ہو گے تم'' شاتم نے تلخی سے کہا۔

سیمہ ان تینوں بہن بھائیوں کو چھوڑ کر پیچھے اپنے بھائی کے پاس آ گئی۔ کشت یار واستقہ صعف اور وہ تینوں بہن بھائی آگے پیچھے درختوں کی شاخیں ہٹاتے راستہ بناتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں احساس بھی نہ ہوا کہ سیمہ اور گیرو پیچھے رہ گئے ہیں۔ گیرو نے سیمہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور سرگوشی کے انداز میں بولا ''انہیں جانے دو.......''

''کیوں؟'' سیمہ رکتے ہوئے بولی۔

گیرو نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر خود مڑا اور اسے بھی اپنے ساتھ واپس لے جانے لگا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' سیمہ حیرت سے بولی۔

''ششش۔ خاموش رہو'' گیرو نے پھر چپ رہنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے کے انداز میں اسے ساتھ لے جانے لگا۔

وہ حیرت زدہ سی اس کے ساتھ ساتھ واپس گھسٹتی گئی۔

جب سب کافی دور نکل گئے اور ان کی آوازیں سنائی دینا بند ہو گئیں تو گیرو تیز تیز قدم اٹھاتا سیمہ کو لیے ایک درخت کے قریب آیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہیں تھی......."

"کیا؟" سیمہ حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولی۔

"یہیں تھی۔ میں نے خود دیکھی تھی......." گیرو ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے بولا "میں نے خود دیکھی تھی"

"کیا؟" "کس کی بات کر رہے ہو" گیرو کے دیکھا تھا یہاں سیمہ بولی

"چپ" گیرو بولا اور پھر ایک دم چلایا "وہ رہی....... وہ......."

سیمہ نے دیکھا گیرو ایک چمڑے کی تھیلی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ جو پتھروں کے درمیان پڑی تھی۔

"یہ کیا ہے گیرو......." وہ لپک کر اس کے پاس آئی۔ جو جھک کر تھیلی اٹھا رہا تھا گیرو نے تھیلی اٹھالی اور ایک پتھر پر بیٹھ کر اسے کھولتے ہوئے سیمہ سے بولا۔ "جب ہم یہاں سے گزر رہے تھے تو اس تھیلی پر میری نظر پڑی تھی۔ میری کوشش تھی کہ تمہیں کسی طرح واپس بلالوں۔ تاکہ ہم دونوں آ کر یہ تھیلی اٹھالیں۔ خود ہی موقع بن گیا اور میں نے تمہیں واپس بلا لیا......."

"اس میں ہے کیا؟" سیمہ تجسس سے بولی۔

"یقیناً اشرفیاں ہوں گی......." گیرو تھیلی کے تکمے کھول رہا تھا۔

"ہائے جلدی کھولو" وہ بے تابی سے بولی۔

گیرو کے ہاتھ تجسس سے کانپ رہے تھے۔ تھیلی کافی وزنی تھی۔ بالآخر اس نے تھیلی کا منہ کھولا اور فرط مسرت سے چلایا "سیمہ مہریں ہیں اس میں سونے کی......."

سیمہ بھی شوق کی فراوانی سے چلائی "واقعی"

"ہاں یہ دیکھو......." گیرو نے تھیلی کا کھلا منہ بہن کے سامنے کر دیا....... "اف سونے کے سکے......."

"ہاں"

"تھیلی بھری ہوئی ہے"

"اتنی دولت؟"

''یہ اب ہماری ہے ہم دونوں کی........''

''اتنے پیسے تو شاید کشت یار بھی اپنی تھیلیوں میں بھر کر نہیں لا یا.......''

''پتہ نہیں'' گیرو تھیلی بند کرتے ہوئے بولا۔ ''میں اس تھیلی کو اپنے لباس کے اندر چھپا کر کمر سے باندھ لیتا ہوں۔ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا........''

''تھوڑی سی ہو۔ زیادہ نہیں'' گیرو کی مارے خوشی کے باچھیں کھلی جارہی تھیں ''میں ناراض ہو جاؤں گی'' سیمہ لاڈ سے بولی۔

''نہ نہ میری بہن........'' گیرو تھیلی اپنے لباس کے اندر کمر کے گرد پٹکا باندھ کر اس میں باندھتے ہوئے بولا۔

''اتنے بوجھ کو لے کر چل سکو گے''

''دولت بوجھ نہیں ہوتی میری بہن''

''بالکل ٹھیک کہتے ہو........''

''چلو اب

''چلو''

دونوں نے واپسی کے لیے قدم اٹھائے۔ اور اپنی دانست میں اس طرف چل دیئے۔ جہاں سب جا رہے تھے۔

لیکن

کافی دیر چلتے رہنے کے بعد بھی انہیں اپنے ساتھی دکھائی دیئے نہ ہی ان کی آوازیں سنائی دیں۔

''گیرو''

''ہاں''

''یہ ہم کہاں جا رہے ہیں........''

''جدھر وہ سب گئے تھے........''

''نہیں........ میرا خیال ہے ہم بھٹک گئے ہیں........''

''اس گھنے جنگل میں صحیح راستہ بھی تو نہیں ملتا۔''

''اب کیا ہوگا........''

گھبراؤ نہیں......."

"کیسے نہیں گھبراؤں....... اتنا گھنا جنگل ہے اور ہم ساتھیوں سے بچھڑ گئے ہیں۔ سیمہ رو دینے کو تھی۔

گیرو اسے تسلی دلاسے دیتے ہوئے خود بھی پریشان ہو رہا تھا۔

ایک درخت کے قریب رک کر گیرو نے چاروں طرف نظر دوڑائی....... سب طرف ایک ہی طرح کے گھنے درخت اور جھاڑ جھنکار تھی۔ راستے کا تعین کرنا مشکل تھا۔ وہ بڑبڑایا۔

"گئے تو سب اسی طرف تھے"

"نہیں۔ ہم راستہ بھول گئے ہیں گیرو" سیمہ بھائی سے چمٹ گئی۔ دیکھ نہیں رہے ہم جتنا آگے جا رہے ہیں۔ جنگل اتنا ہی گھنیرا ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تو کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہیں......."

"ہوں"

"اب کیا کریں گے ہم"

"تم اتنا گھبراؤ گی۔ تو میں کچھ بھی نہ سوچ پاؤں گا"

"ہائے گیرو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے"

"میرے کندھے کے ساتھ لگ جاؤ"

سیمہ اس سے چمٹ گئی۔ گیرو ایک سمت اندازے ہی سے قدم اٹھانے لگا۔ پشت پر کب کا بوجھ کمر میں سکوں کی تھیلی کا وزن۔ اوپر سے سیمہ نے بھی اپنا سارا بار اس پر ڈال رکھا تھا۔ اس لیے گیرو بڑی آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

"کون ہو تم"

اس آواز کے سنتے ہی گیرو اور سیمہ جو ایک درخت کے تنے سے لگے بیٹھے ہاتھوں پر سر گرائے پریشان حال تھے۔ سر اٹھا کر دیکھا۔

سیمہ کی آنکھیں پھٹ جانے کی حد تک کھل گئیں۔ اور جو اس نے ہاتھ منہ پر دھر نہ لیا ہوتا۔ تو ایک لمبی چیخ فضا میں گونج جاتی۔

گیرو بھی پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا جس نے کہا تھا "کون ہو تم؟"

آواز تو کسی بڑے آدمی کی لگی تھی۔

لیکن

جو

سامنے کھڑا تھا۔ اس کا قد دو فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ اس کا سر بڑا چہرہ چوڑا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ہونٹ لٹکے ہوئے تھے اور مونچھیں گھنی اور بڑی بڑی تھیں۔ اس کے بازو پتلے پتلے اور ٹانگیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔

اس نے دوبارہ پوچھا۔

''کون ہو تم۔ اور یہاں کیسے آئے؟''

جواب دینے کی بجائے گیرو نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ہمت کر کے پوچھا ''تم کون ہو؟''

''میں؟''

''ہاں''

''میں یہاں کے بونے سردار کا نوکر ہوں''

''بونا سردرا.......''

''ہاں''

''کیا وہ بھی تمہارے جیسے قد کاٹھ کا ہے''

''ہاں۔ یہ ساری بستی بونوں کی ہے''

''اچھا''

گیرو نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اسے بستی کے کچھ مکان نظر آئے۔ مکان نئے بھی تھے پرانے بھی۔ کچھ بہت خوبصورت دکھائی دیتے تھے۔ کچھ بھدے سے۔ ان مکانوں میں ایک الگ تھلگ تھا۔ جو سب سے بڑا اونچا اور خوبصورت تھا۔ گیرو کو اندازہ کرتے دیر نہ لگی کہ یہ مکان بستی کے سردار کا ہے۔

''تم لوگ یہاں اس طرح کیوں بیٹھے ہو' بونے نے پوچھا۔

''ہم راستہ بھول گئے ہیں.......''

''فریب کے جنگل میں ایسا ہوتا ہی ہے....... تم یقیناً اکیلے ہو گے''

''نہیں تو ہمارے اور ساتھی بھی ہیں۔ ہم ان سے بچھڑ گئے''

''تم جا کہاں رہے تھے''

''مسرتوں کے شہر''

''اچھا''

''کیا تم ہمیں سیدھا راستہ بتا سکتے ہو۔ جو مسرتوں کے شہر جاتا ہو''

بونا مسکرایا اور بولا ''پہلے تم میرے ساتھ چلو.......''

''کہاں''

''میرے سردار کے پاس.......''

گیرو نے سیمہ کی طرف دیکھا جواب پہلے کی طرح خوفزدہ نہ تھی۔ اس نے گیرو سے کہا ''چلو چلتے ہیں۔ بونوں کی بستی بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اور سردار کا گھر بھی.......''

گیرو نے بونے سے کہا ''چلو ہم تمہارے سردار کے ہاں چلتے ہیں.......''

''آؤ''

''چلو''

دونوں بہن بھائی بونے کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ راستے میں سیمہ نے سرگوشی کے انداز میں گیرو سے کہا ''یہ بونا ہمیں کسی مصیبت میں نہ پھنسا دے.......''

گیرو تمسخر سے ہنسا ''اب ہم ایسے گئے گزرے بھی نہیں۔ جوان چھوٹے چھوٹے بونوں سے بھی نہ نپٹ سکیں.......''

''وہ پیسوں کی تھیلی کہاں ہے''

''فکر نہ کرو۔ اسے میں نے اپنے لباس کے اندر چھپا رکھا ہے.......''

''بس ٹھیک ہے''

وہ بونے کے ساتھ چلتے گئے۔ بونا انہیں سردار کے گھر کے سامنے لے آیا = گیرو اور سیمہ حیران ہوئے کہ سردار کا مکان چھوٹا سا

نہیں تھا۔ بلکہ عام مکانوں سے بھی اونچا اور بڑا تھا۔

بونے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون'' اندر سے بھاری مردانہ آواز آئی۔ سیہ گیرو کا کندھا پکڑ کر اس کے ساتھ لگ گئی۔

''کھولو دروازہ'' بونے نے کہا۔

دروازہ کھل گیا۔ چوڑے اور اونچے دروازے میں ایک بونا ہی کھڑا تھا۔

سیہ گیرو سے الگ ہو کر کھڑی ہوئی۔

''انہیں سردار کے پاس لے جاؤ''

''اچھا''

گیرو اور سیہ نے دروازے کے اندر قدم رکھا۔ ان کے ساتھ آنے والا بونا باہر ہی سے واپس ہولیا۔ اندر والا بونا انہیں راہداری سے لے جاتا ایک ہال نما کمرے میں لے آیا۔ اس کمرے کے دروازے پر دو بونے پہریداروں کا لباس پہنے کھڑے تھے۔

گیرو اور سیہ اندر داخل ہوئے۔

انہوں نے دیکھا۔ ہال سجا ہوا تھا۔ کرسیاں بچھی تھیں۔ قالین پڑے تھے اور کھڑکیوں پر پردے لہرا رہے تھے۔ ہال میں کچھ چیزیں بے ترتیب تھیں اور جگہ جگہ پھلوں کے چھلکے اور کاغذوں کے ٹکڑے پڑے تھے۔

سامنے ہی ایک مسند پر تکیوں کے سہارے ایک بونا بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر سنہری پگڑی تھی۔ اور لباس بھی ریشمی تھا۔

دونوں سمجھ گئے کہ یہی سردار ہے۔

آؤ...... آؤ'' سردار نے انہیں اپنی طرف بلایا۔ اب دونوں کا ڈر اتر گیا تھا۔ اس لیے وہ بے خوف بونے کی طرف بڑھے۔ اور مسند کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔

سردار انہیں دیکھ کر خوشی سے چلایا ''بہت خوب۔ آج ہمارے نوکر نے بہت اچھا کام کیا......''

''جی'' گیرو اس کی بات سے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''ہمیں تم جیسے نوکروں کی ہی ضرورت تھی......''

''نوکر'' سیہ چلائی

''ہاں'' سردار ہنسا

''لیکن ہم نوکر تو نہیں'' گیرو گھبرا کر بولا۔

''ہمارے ہاں جو کوئی بھی آ جاتا ہے ہم اسے اپنا نوکر بنا لیتے ہیں''

''لیکن.......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں'' سردار گرجا....... تم ہمارے نوکر ہو''

''نہیں....... ''سیمہ بولی'' ہم مسرتوں کے شہر جا رہے تھے۔ راستہ بھول گئے۔ ہمیں مسرتوں کے شہر کا پتہ بتا دو.......''

سردار کھلکھلا کر ہنس پڑا اور بولا۔'' اس بات کا اندازہ تو میں نے تمہارے ان نکلے ہوئے کیوں ہی سے لگا لیا ہے۔ لیکن تم اب یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے۔ کم از کم چھ ماہ تک تم دونوں کو میرے ہاں نوکر رہنا ہوگا''

''سردار.......'' گیرو بولا۔

لیکن سردار نے اس کی بات سنے بغیر کہا'' تم جیسے میرے پاس بہت سے لوگ ہیں لیکن وہ سب کام چور ہیں۔ ٹھیک طرح کام نہیں کرتے۔ روز ڈنڈوں سے مار کھاتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک کام کرنا....... سمجھے''

''لیکن.......'' سیمہ روہانسی ہوگئی.......

گیرو نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا جو کھلا ہوا تھا یقیناً وہ یہاں سے بھاگ لینے کی سوچ رہا تھا۔

سردار اس کے تیور بھانپ گیا اس لیے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔'' فرار ہونے کی مت سوچو.......''

گیرو نے گھبرا کر سردار کی طرف دیکھا۔ چھوٹے سے قد والے سردار نے بڑا سا سر ہلاتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

اب تو دونوں بہن بھائی گھبرا گئے۔

''اچھا یہ بتاؤ'' سردار مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔

''کیا؟''

''تمہیں جھاڑو دینا آتا ہے''

''نہیں.......'' گیرو اور سیمہ نے بیک وقت کہا۔

انہوں نے نہیں کہا ہی تھا کہ دروازہ اک کھٹاک سے بند ہو گیا۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر حیرانگی سے سردار کی طرف

دیکھنے لگے۔

سردار کھلکھلا کر ہنس دیا۔

پھر

بولا" جھاڑو دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ یہ ہر کوئی دے سکتا ہے۔ تم دونوں سے جھوٹ بولا۔ اسی لیے یہ دروازہ بند ہو گیا......."

"ہاں......." "اس گھر میں جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو یہ دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی سچ بولتا ہے تو دروازہ کھل جاتا ہے......."

گیرو اور سیمہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں عجب مخمصے میں پھنس گئے تھے۔

"تم نے جھوٹ بولا تھا نا......." سردار نے کہا۔

دونوں چپ رہے۔

سردار ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ گیرو اور سیمہ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ انہیں سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

سردار چند لمحے چپ ہوا۔

پھر

ایک دم بولا" ایک صورت میں میں تمہیں یہاں سے جانے دے سکتا ہوں"

"وہ کیا ہے" دونوں بولے۔

"اگر تم مجھے ڈھیر سارے پیسے دے دو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا"

گیرو اور سیمہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

سردار پھر بولا" کیا تمہارے پاس ڈھیر سارے پیسے ہیں؟"

"ہاں" ایک دم ہی سیمہ نے کہا۔ گیرو انکار کرنے ہی کو تھا۔ لیکن سیمہ نے پہلے ہی بول اٹھی۔

اور

اس کے ساتھ ہی اس نے دیکھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا ہے۔

سیمہ چلائی" گیرو بھاگو دروازہ کھل گیا ہے......."

دونوں پلٹے اور چیزیں پھلانگتے چند لمحوں ہی میں دروازے سے نکل گئے۔

بونا انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔

دونوں سرپٹ بھاگے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ اور منہ اٹھائے دوڑے جا رہے تھے۔

وہ کافی دور نکل گئے۔

اب انہیں بونوں کی بستی نظر نہ آ رہی تھی۔

دونوں ہانپ رہے تھے۔

"رکو گیرو....... اب ہم یقیناً بونوں کی پہنچ سے دور نکل آئے ہیں۔" ایک پیڑ کے ساتھ ٹھیک لگا کر پھولے سانسوں سے سیمہ بولی۔

"ہاں......." گیرو بھی رک گیا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

چند لمحے دونوں لمبے لمبے بے ربط سانس لیتے رہے۔ جب سانسوں کا توازن کچھ بحال ہوا۔ تو سیمہ بولی۔

"گیرو....... آج ہمارے سچ نے ہمیں بچا لیا۔ میں سچ نہ بولتی تو وہ دروازہ کبھی نہ کھلتا"

"واقعی" گیرو بولا

"پتہ نہیں وہ بونا ہمارا کیا حشر کرتا"....... سیمہ بولی۔

"ہاں" گیرو کو سر جھک گیا....... "میں تو جھوٹ بولنے ہی کو تھا کہ تم سچ کہہ اٹھیں"

"توبہ....... جھوٹ بولتے تو جان بچانا بھی مشکل ہوتی"

"بے شک"

"گیرو"

"ہاں"

آؤ عہد کریں کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ ہمیشہ سچ بولیں گے۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو گیرو نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر عمر بھر سچ بولنے کا عہد کیا۔

اب دونوں خوش بھی تھے اور مطمئن بھی

دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

اور

ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انہیں رمیلہ اور فریدوں کی آوازیں سنائی دیں آوازوں کی طرف لپکے۔

''فریدوں''

''رمیلہ''

انہوں نے آوازیں دیں۔تو دونوں بہن بھائی ان کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

''تم دونوں کہاں رہ گئے تھے۔ہم سب تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے........''

فریدوں اور رمیلہ انہیں سب ساتھیوں کے پاس لے آئے۔

''تم لوگ کہاں چلے گئے تھے'' کشت یار نے غصے سے کہا۔تو گیرو کا سر جھک گیا سیہہ بھی شرمندہ سی نظر آنے لگی۔

''بتاتے کیوں نہیں'' صعف نے سیہہ کا کندھا ہلا کر پوچھا'' کہاں تھے تم لوگ'' ''ہم بمشکل جانیں بچا کر آئے ہیں'' گیرو نے کہا۔

''کیوں؟'' کشت یار نے پوچھا۔

تو

گیرو اور سیہہ نے ساری بات سچ سچ بتا دی۔وہ دونوں اپنی بدنیتی پر شرمندہ بھی تھے۔

''ہوں'' کشت یار بولا۔''کہاں ہے وہ پیسوں کی تھیلی''

گیرو نے تھیلی کا منہ کھولا....... اور ہاتھ مار کر سکے دیکھنے لگا۔چند لمحوں بعد اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''نقلی پیسے'' وہ تمسخر سے ہنس کر بولا''تمہیں نقلی اصلی کی بھی تمیز نہیں بے وقوفو'' ''کیا'' گیرو نے گھبرا کر کہا۔

صعف نے بھی پیسے دیکھے وہ سب نقلی سکے تھے۔

''یہ دیکھو'' کشت یار نے پیسے ہتھیلی پر رکھ کر گیرو اور سیہہ کو دکھائے۔وہ واقعی نقلی اور کھوٹے سکے تھے

دونوں بہت شرمندہ ہوئے۔

سب ان کو شرمندہ دیکھ کر ہنسنے لگے۔

''بس بس'' واسقہ نے ہاتھ اونچا کر کے سب کو ہنسنے سے منع کرتے ہوئے کہا ''ان دونوں کو اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے۔ دونوں شرمندہ بھی ہیں۔ اس لیے اب نہیں معاف کر دو''

''ہاں'' کشت یار نے تھیلی پرے زمین پر پھینکتے ہوئے کہا۔ پھر گیرو سے مخاطب ہو کر بولا ''تم بھول گئے تھے نا کہ یہ فریب کا جنگل ہے''

''چلو'' صعف بولی ''اس سے انہوں نے سبق تو سیکھا۔ سچ بولنے کا عہد کر لیا''

''اچھی بات ہے۔ ہم سب کو یہ عہد کرنا چاہیے''

سب تھوڑی دیر وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے.......

اب

وہ

سب

تیز تیز قدموں سے چلتے جا رہے تھے۔ راستہ کبھی انتہائی تنگ اور دشوار گزار ہو جاتا....... یہاں چونکہ ایک ایک آدمی کو گزرنا پڑتا اس لیے حفاظت کے لیے وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے تا کہ کوئی ساتھی ادھر ادھر ہو کر بچھڑ نہ جائے....... جہاں راستہ نسبتاً کشادہ ہوتا۔ وہاں دو تین ٹولیوں کی صورت میں گزرتے۔

خوش باش

گپ شپ لگاتے۔

اور

کبھی کبھی

کوئی خوبصورت نظم گاتے۔

''بھئی جلدی قدم اٹھاؤ'' کشت یار نے ایک تنگ رستے سے گزرنے کے بعد کہا۔

''ہاں شام اترنے والی ہیں۔'' فریدوں بولا۔

اور بابا نے ہمیں کہا تھا کہ شام اترنے سے پہلے یہ جنگل پار کر لینا۔'' کشت یار بولا۔

''یہ فریب کا جنگل ہے۔'' واسقہ بولا۔

''ہاں واقعی'' گیرو نے شرمساری سے کہا'' میں تو فریب کھا گیا تھا۔

''شکر ہے بچ کے آ گئے'' شاتم بولی۔

''ورنہ چھ مہینے گئے تھے'' سیہہ نے کہا۔

''سچ میں بڑی طاقت ہے اس نے تمہیں بچا لیا۔ مان گئے بھئی۔ سچ میں بڑی طاقت ہے'' کشت یار نے سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

واسقہ نے کچھ کہنے کی بجائے صعف کو دیکھا۔ جو سب سے پیچھے تھی...... اس کے چہرے پر تکان کے ساتھ خفگی کے بھی آثار تھے۔ لگتا تھا اب وہ مزید تکلیفیں برداشت نہیں کر سکے گی۔

''صعف'' واسقہ نے اسے آواز دی

''کیا ہے'' وہ جھلا کر بولی

''جلدی جلدی قدم اٹھاؤ۔ تم تو بچوں سے بھی گئی گزری ہو''

''جیسی بھی ہوں تمہیں کیا''

''مجھے تو کچھ نہیں۔ ڈر صرف یہی ہے کہ فریب کے جنگل میں ادھر ادھر ہو گئیں۔ تو جان سے جاؤ گی.......''

وہ بیزاری سے بولی'' جان سے جیسے اب نہیں جا رہی.......''

''اوہو صعف'' کشت یار پلٹ کر بولا'' یوں حوصلہ ہارو گی تو مسرتوں کے شہر کیونکر پہنچو گی''

صعف نے منہ بنایا۔ اور بڑبڑائی'' میں نے تو ناحق ہی یہ سفر شروع کیا۔ موہین اچھی رہی جو راستے ہی سے پلٹ گئی۔''

''ہائے ہائے'' شاتم اس کی بات سن کر بولی'' یہ کوئی اچھی بات کی موہین نے۔ ساری عمر یہ بدنما کب لیے پھرنے سے اچھا نہیں کہ چند دن کی یہ تکلیف کاٹ لی جائے.......''

''لو سنو'' واسقہ نے تحسین بھری نظروں سے شاتم کو دیکھتے ہوئے صعف سے کہا

لیکن

اس نے شاتم کو داد دی

اور

نہ ہی واسقہ کی بات کا جواب دیا۔

بس منہ بنائے بیزار بیزار قدم اٹھاتی گئی۔

شام اتر رہی تھی....... پرندے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ رہے تھے۔ درختوں میں بنے گھونسلوں میں ہلچل مچ رہی تھی۔

"رات کی فکر ہے کچھ" صعف نے ایک جگہ رکتے ہوئے کہا۔ "اب تو ہم جنگل کے آخری سرے پر آ ہی گئے ہیں......."

یہاں سے نکل کر ہی کوئی ٹھکانہ تلاش کریں گے"

"خدا کرے کوئی بستی قریب ہو"

"ضرور ہوگی"

اب جنگل واقعی ختم ہو رہا تھا۔ درخت چھدرے چھدرے تھے کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے گھاس کے میدان تھے....... آبادی کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔

بچوں نے خوش ہو کر نعرے لگائے

"ہم نے قریب کا جنگل پار کر لیا"

"اب کوئی خطرہ نہیں......."

"ہم مسرتوں کے شہر پہنچ کر دم لیں گے"

بچوں کی باتوں کے جواب میں صعف ایک درخت تلے پڑے بڑے سے پتھر پر بیٹھتے ہوئے بولی

"میں تو یہاں دم لوں گی......."

"اوہو" شاتم اس کا کندھا پکڑ کر بولی "بستی تک تو چلو نا......."

"میں نہیں جا سکتی"

"کھانا نہیں کھانا"

"اور سونا بھی کیا اس پتھر پر ہے"

صعف نے لمبے لمبے سانس چھوڑتے ہوئے بولی ''تم لوگ جا کر رات گزارنے کا ٹھکانہ بناؤ اور کھانا بھی دیکھو کہاں سے مل سکتا ہے۔ میں یہیں بیٹھتی ہوں........''

کشت یار چند لمحے کچھ سوچتا رہا........ پھر بولا ''ٹھیک ہے........ تم ان لڑکیوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو........ ہم چاروں جاتے ہیں........''

''میں بھی ساتھ چلتی ہوں'' سیمہ نے کہا ''بستی دیکھوں گی........''

''نہیں سیمہ'' شاتم بولی ''ہم یہیں رک جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو جانے دو۔''

''تم بھی صعف کی طرح تھک گئی ہو۔ سیمہ نے طنز کیا تو

شاتم ہنس کر بولی۔ ''اے بہن۔ تھکی تو رمیلہ بھی نہیں جو مجھ سے بھی چھوٹی ہے۔ میں تو ویسے ہی صعف کا ساتھ دینے کو کہہ رہی ہوں۔ سیمہ نے منہ بنایا اور ہولے سے بولی۔ ''صعف کو بچوں سے کیا لگاؤ........''

''اب ہے'' شاتم نے بھی ہولے سے کہا۔

''ہونھ'' سیمہ نے کندھے اچکائے

پھر

وہ دونوں رمیلہ کو ساتھ لے کر صعف کے پاس آ گئیں

اور

کشت یار واسقہ، فریدوں اور گیرو کے ساتھ بستی کی طرف نکل گیا۔

یہ ایک ویران سی بستی تھی۔ چند مزدوروں کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے تھے۔ ایک سرائے تھی۔ جس کے باہر ایک پرانا سا تنور تھا۔ روٹی اور دال یہاں سے مل سکتی تھی۔

سب نے یہ ہی غنیمت جانا۔

کشت یار نے سرائے والے کو بستر لگانے کے لیے کہا۔ اور تنور والے کو روٹیوں اور دال کا آرڈر دیا۔

فریدوں اور گیرو صعف اور لڑکیوں کو بلانے چلے آئے۔

روکھی سوکھی کھا کر سب بوسیدہ سی سرائے کے ہال نما کمرے میں لگائے گئے بستروں میں گھس گئے۔ بستر بھی نامکمل سے تھے۔ کسی

کوگدا ملا کسی کو دری.......   کس کو تکیہ کسی کو چادر پھر بھی

سب تھکے ہوئے تھے

لمبی تان کر سو گئے۔

صبح جب بیدار ہوئے تو سورج کی نورانی کرنیں کھڑکیوں کے ٹوٹے ہوئے پٹوں سے آری ترچھی ہو کر اندر پڑ رہی تھیں۔ باہر لوگوں کے بولنے چالنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور تنور پر شاید تانبائی گھی والے پراٹھے لگا رہا تھا۔ ہال میں پراٹھوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔

باری باری سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرائے کے مالک نے پچھلے غسل خانہ نما کمرے میں پانی بھروا کر رکھ دیا تھا .... بستروں سے نکل کر سب باہر آ گئے۔ کچھ کھیتوں میں چلے گئے۔ کچھ درختوں کے جھنڈوں میں.......   واپس آ کر سب نے ہاتھ منہ دھوئے.......   ٹھنڈا اور ستھرا پانی موجود تھا.......   سب نے اچھی طرح اپنے آپ کو تازہ دم کیا۔ دو دن کے بعد آج لڑکیوں نے اپنے بالوں کے فیتے کھولے.......   اور دوستی خالہ کی دی ہوئی کنگھیوں سے بال بنائے بالوں میں نئے فیتے باندھے اور صحف نے جوڑا بنا کر مصنوعی پھولوں کا گچھا ان میں اڑس لیا۔ مردوں نے بھی کنگھیوں سے بال درست کیے اور دوستی خالہ کو یاد کر کے اس کی تعریفیں کرتے رہے

اب وہ واپس ہال میں آئے

تو

سرائے کے ملک نے بستر اٹھوا کر وہاں لکڑی کی میزیں اور کرسیاں لگوا دی تھیں جو ہر چند کہ پرانی تھیں۔ لیکن بیٹھنے کے قابل ضرور تھیں۔

میز پر تھالیوں میں روغنی پراٹھے اور پیالیوں میں دہی رکھا تھا.......   کچھ کٹوریوں میں اچار بھی تھا.......   اور چینی کے پھولدار پیالے دودھ سے بھرے رکھے تھے۔ دودھ میں اصلی شہد کی آمیزش تھی۔

سرائے کے مالک نے سب کو خوش آمدید کہا اور پھر بولا ''اس وقت جو کچھ حاضر ہے کھا لیجئے.......   دراصل یہ ایک ویران بستی ہے۔ کچھ لوگ ہی رہتے ہیں۔ یہاں.......   اس لیے کھانے پینے کی اچھی اچھی چیزیں یہاں نہیں ملتیں۔''

''اس سے اچھی چیزیں اور کیا ہوں گی.......'' کشت یار کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''واقعی'' واسقہ دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یہ ہمارے لیے کسی نعمت سے کم نہیں......'' فریدوں بولا۔

''مسرتوں کے شہر جارہے ہیں'' مالک نے پوچھا۔

''ہاں......'' گیرو نے کہا ''لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا......''

وہ مسکرایا اور بولا ''تمہارے پشتوں پر لدے بوجھ دیکھ کر......''

''کیا تم نے پہلے بھی ہماری طرح کے کبوں والے لوگ دیکھے ہیں؟'' شاتم نے جلدی سے سوال کیا

''ہاں'' مالک نے جواب دیا...... ''کئی بار...... ایسے لوگ اکثر میری سرائے میں آ کر ٹھہرتے ہیں......''

''تو...... تو کیا۔ مسرتوں کے شہر پہنچ کر ان کے کب واقعی ٹھیک ہوجاتے ہیں۔''

فریدوں نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں...... بالکل ٹھیک ہوجاتے ہیں'' مالک نے جواب دیا ''میں ایسے کئی لوگوں سے مل چکا ہوں...... اچھا اب آپ کھانا تو کھائیں۔ پراٹھے گرما گرم ہوں تو لطف دیتے ہیں'' سب کھانا کھانے لگے۔

پراٹھے اتنے خستہ اور مزیدار تھے کہ سب ہی نے چٹخارے لے لے کر کھائے اچار سے تو پراٹھوں کا لطف دوبالا ہوگیا۔

مالک ہر ایک کے قریب باری باری آتا اور پیٹ بھر کر کھانے کے لیے کہتا ''آپ فکر نہ کریں...... ہم کھانے سے پورا پورا انصاف کررہے ہیں'' کشت یار نے ہنس کر کہا

''زندگی میں پہلی بار اتنا عمدہ اور اچھا ناشتہ کیا ہے'' واسقہ رومال سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا

''دراصل آپ لوگ کئی دنوں سے سفر کررہے ہیں نا'' مالک ملائمت سے بولا ''اس لیے جو روکھی سوکھی مل جاتی ہے۔ وہ آپ لوگوں کو بھلی لگتی ہے''

''نہیں......'' واسقہ بولا ''ناشتہ تھا ہی لذیذ......''

''اور کچھ چاہیے'' جب سب نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیے تو مالک نے پوچھا

''نہیں۔ شکریہ'' تقریباً سب ہی نے کہا

''میرے خیال میں تو ہم نے اتنا پیٹ بھر کر کھالیا ہے کہ اب دوپہر کو کھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی'' کشت یار بولا۔

کچھ دیر سب باتیں اور تعریفیں کرتے رہے۔

پھر

کشت یار اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہی سب ساتھی بھی اٹھے۔

''اب ہمیں اجازت دیں۔ تاکہ ہم اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔''

''بے شک'' مالک بولا ''ابھی کافی سفر باقی ہے۔ اس لیے میں آپ کو روک کر آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا.......''

''بہت بہت شکریہ''

سب ہال سے باہر نکل آئے

مالک انہیں کچھ دور تک چھوڑنے گیا۔

''اب آپ تشریف لے جایئے....... ہم سیدھے راستے پر آ گئے ہیں خود ہی چلے جائیں گے؟ ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں.......'' کشت یار نے مالک کا سب کی طرف سے بھی بڑی انکساری سے شکریہ ادا کیا۔

کشت یار جیسے مغرور اور رعونت پسند آدمی میں اتنی بڑی تبدیلی آ گئی تھی کہ وہ اک معمولی آدمی سے اتنے عجز و ادب سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی یہ تبدیلی خوش کن تھی۔ کٹھن سفر نے مزاجوں کو بڑی حد تک تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

سب نے مالک کو سلام کیا۔

''ہم نے ان کا نام تو پوچھا ہی نہیں'' سیمہ نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا

''اوہو واقعی۔ نام تو پوچھنا چاہیے'' کشت یار بولا۔ وہ دو قدم پیچھے مڑا اور مالک کے قریب آتے ہوئے بولا۔

''محترم....... ہم نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں....... ہم آپ کی محبت کو نہیں بھولیں گے۔ ہم کس نام سے آپ کو یاد کریں.......''

مالک مسکراتے ہوئے بولا ''میرا نام مہربان ہے''

''شکریہ۔ کشت یار نے ایک بار پھر اس سے ہاتھ ملایا اور اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ جو مالک کا نام جاننے کے مشتاق تھے۔

''وہ مہربان تھا۔'' کشت یار نے سب سے کہا۔

''واقعی....... وہ مہربان تھا'' سب نے کہا۔

اور

پھر

ہی کی باتیں کرتے سب سیدھے راستے پر چلنے لگے۔

وہ

سب

چلتے جا رہے تھے

چلتے جا رہے تھے

باتیں بھی ہو رہی تھیں....... راستے میں جن جن اچھے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ ان کو بڑے اچھے الفاظ میں یاد کر رہے تھے۔

سفر کٹ رہا تھا

سب تازہ دم تھے۔

باتوں باتوں میں وقت گزرتے پتہ بھی نہ چلا اور نہ ہی یہ احساس ہوا کہ وہ کہاں پہنچ چکے ہیں

اچانک شاتم نے اپنے دائیں ہاتھ دیکھا....... تو حیرانگی سے دیکھتی رہ گئی.......

''یہ دیوار.......'' اس کے منہ سے نکلا

''ہاں....... یہ دیوار کب شروع ہوئی'' کشت یار بھی رک گیا

''پتہ ہی نہیں چلا'' فریدوں بھی دائیں ہاتھ اٹھی اونچی دیوار کو دیکھتے ہوئے بولا سب وہیں رک گئے

اور

مڑ مڑ کر دیکھنے لگے۔ تاحد نگاہ انہیں اونچی اٹھی ہوئی دیوار نظر آ رہی تھی۔

''باتوں باتوں میں پتہ ہی نہیں چلا کہ یہ دیوار کہاں سے شروع ہوئی'' واسقہ نے کہا

''اور آگے تو دیکھو۔'' سیہہ بولی ''دیوار کہیں ختم ہوتی بھی نظر آ رہی''

سب نے آگے کی جانب دیکھا....... دیوار کا کوئی سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

''خاصی اونچی اور مضبوط دیوار ہے'' صعف نے کہا

''ہاں بہت اونچی....... پھلانگنے کا تو سوال ہی نہیں۔ کم از کم پندرہ بیس فٹ اونچی ہو گی۔

''بنی بھی پتھروں کی ہے''

''چوڑی بھی خاصی ہو گی''

''لیکن اس دیوار کا شروع اور آخر کہاں ہے۔

''مجھے تو لگتا ہے۔ ہم گولائی میں گھوم رہے ہیں۔''

''اے نہیں راستہ سیدھا جا رہا ہے''

''تو پھر دیوار بھی سیدھی ہے کیونکہ راستے کے ساتھ ساتھ جا رہی ہے''

''ہاں

''پھر اس کا سرا کہیں نہ کہیں ہونا تو چاہیے''

''بڑھتے چلو....... کہیں تو ختم ہو گی۔''

کشت یار کے کہنے پر سب نے قدم اٹھائے۔ صعف اب بھی سب سے پیچھے تھی۔ ''پتہ نہیں مسرتوں کے شہر کے لیے ابھی کتنی کٹھن مسافت طے کرنی ہے'' صعف نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ابھی کافی دور جانا ہے۔ میرے خیال میں ابھی آدھا سفر کٹا ہے۔''

''آدھا بھی نہیں۔'' گیرو بولا------''ہم راستے میں کافی دیر رکتے آئے ہیں''

''چلو کٹ ہی جائے گا نا------ہمت ہارنے سے کام نہیں چلے گا------''

وہ باتیں کر رہے تھے کہ فریدوں سامنے اشارہ کرتے ہوئے چلایا'' وہ رہا دیوار کا آخری سرا------''

''کہاں''

''جہاں کچھ لوگ کھڑے ہیں------''

سب نے آنکھوں پر ہاتھوں کے چھجے بنا بنا کر ادھر دیکھا

''لگتا ہے وہاں دیوار پر کام ہو رہا ہے''

''ہوں''

''کچھ لوگ بیلچے لیے ہوئے ہیں۔کچھ پتھر اٹھا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''چونے اور گارے کے ڈھیر بھی اب تو نظر آ رہے ہیں''

''تو کیا دیوار اور لمبی کی جا رہی ہے''

''شاید''

''آگے ہی تھوڑی لمبی ہے''

''کیوں بنا رہے ہیں دیوار''

''مجھے کیا پتہ۔ یہ تو وہی لوگ بتا سکتے ہیں۔ تیز تیز قدم اٹھاؤ تو ابھی ہم ان تک پہنچ جائیں گے۔ پھر پوچھ بھی لیں گے۔۔۔۔۔۔''

صف ناراضگی سے بولی۔''تیز چلنے کی کیا ضرورت ہے۔وہ بھاگے تھوڑا ہی جا رہے ہیں۔جب ان تک پہنچو گے'پوچھ لینا۔''

''ہمیں تو تجسس ہے'اس لیے تیز چلیں گے۔''شاتم بولی''تم آہستہ آہستہ چلی آؤ۔۔۔۔۔۔لٹکتی مٹکتی''سیمہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی چھپاتے ہوئے ہولے سے کہا'صف سن لیتی تو شائد اسے تھپڑ لگا دیتی

شاتم اور سیمہ تیز تیز چلنے لگیں۔صف کے سوا ان کے سب ساتھی آگے آگے جا رہے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔جو دیوار کی تعمیر میں مصروف تھے۔کشت یار نے دیوار چننے والے ایک کاریگر کو سلام کیا۔اور پوچھا''بھئی یہ دیوار پہلے ہی اتنی لمبی ہے۔۔۔۔۔۔۔تم ابھی بھی اسے بنائے جا رہے ہو۔۔۔۔۔۔''

''جی ہاں''وہ بولا۔

''کیوں؟''

''آپ کہاں سے آئے ہیں''کاریگر نے جواب دینے کی بجائے کشت یار کے سراپا پر نگاہ ڈالی۔۔۔۔۔۔۔اور پھر اس کے سب ساتھیوں کو دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ان کے کب دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔

''ہم مسافر ہیں'' کشت یار بولا۔

''اور یقیناً مسرتوں کے شہر جا رہے ہیں'' کاریگر کا دوسرا ساتھی بولا۔۔۔۔۔۔اب چونا گارا اور پتھر ڈھونے والے بھی ان کے قریب آ گئے تھے۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ نے معصومیت سے پوچھا تو واسقہ نے کاریگر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہ دیا۔

''ہمارے کب اعلان کرتے رہتے ہیں۔''

''واقعی'' رمیلہ نے کندھے اونچے کر کے کب چھپانے کی کوشش کی۔

''آپ یہ دیوار کیوں بنا رہے ہیں'' گیرو نے سوال کیا۔

''اس دیوار کے پار۔۔۔۔۔۔'' پہلا کاریگر بولا ظلم کا علاقہ ہے۔وہ آئے دن ہماری بستی پر حملہ آور ہوتا تھا۔۔۔۔۔۔اس لیے ہم نے یہ دیوار بنانا شروع کر دی تا کہ وہ اس پار نہ آ سکے۔۔۔۔۔۔اور ہم سب ظلم کی دستبرد سے محفوظ رہ سکیں

''وہ ظلم کا علاقہ ہے'' سیمہ پنجوں کے بل اونچی ہو کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔'' وہ بولا۔۔۔۔۔۔''

''تمہارا نام کیا ہے'' فریدوں نے پوچھا

''مجاہد۔۔۔۔۔۔ہم ظلم کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''تو پھر تمہارے سب ساتھی مجاہد ہوئے''

''بالکل۔۔۔۔۔۔ظلم کے خلاف جو بھی جہاد کرے وہ مجاہد ہے۔۔۔۔۔۔''

''اسی لیے تو۔۔۔۔۔۔'' مجاہد کا دوسرا ساتھی بولا۔۔۔۔۔۔''جو کوئی بھی اس راستے سے گزرتا ہے ہم اسے اس جہاد میں شریک کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''کیا مطلب؟ کئی آوازیں ابھریں

''مطلب یہ کہ'' پہلا مجاہد بولا۔جو سیاح یا مسافر ادھر سے گزرتا ہے۔اس کو دیوار کی تعمیر میں حصہ لینا پڑتا ہے''

''کیوں'' رمیلہ بولی۔

''اس لیے کہ یہ ہماری بستی کا قانون ہے۔۔۔۔۔۔''

''ہمیں بھی حصہ لینا پڑے گا''. گیرو نے پوچھا

''بالکل''

''لیکن ہم لوگ یہ کام نہیں جانتے''

''پتھر تو اٹھا سکتے ہیں۔ چونے گارے کے تسلے تو اٹھا کر لا سکتے'' ہیں؟''

''لیکن۔۔۔۔۔۔''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ ایک تو یہ ہماری بستی کا قانون ہے۔ دوسرا کارِ ثواب بھی ہے۔ آپ لوگ تو پہلے ہی گناہوں کے بوجھ گٹھڑوں کی صورت پشتوں پر لادے ہوئے ہیں۔ کیا ابھی تک آپ کے دل مومن نہیں ہوئے۔ اپنے گناہوں کا احساس نہیں ہوا۔؟''

''ہوا ہے اسی لیے تو اتنے کٹھن سفر کر رہے ہیں''

''پھر تو آپ کو اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ یہ ظلم کے خلاف اٹھائی جانے والی دیوار ہے۔۔۔۔۔۔''

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے

پھر

فریدوں آگے بڑھا اور بولا۔ ''میں اور گیرو اپنے سب ساتھیوں کا کام بھی کر دیں گے''

''نہیں بھئی ہر ایک کو یہ کام کرنا ہے'' مجاہد بولا

گیرو اور فریدوں نے کچھ دیر تکرار کی

فریدوں ''یہ کشت یار ہیں۔ ہمارے شہر کے بہت بڑے اور امیر ترین آدمی۔ اور یہ واسقہ ہیں۔ یہ بھی امیر آدمی ہیں۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔''

وہ کچھ اور کہنے ہی کو تھا۔ مجاہد مسکرا کر بولا۔۔۔۔۔۔ ''پھر تو ان کا ظلم کے ساتھ خاصہ رابطہ ہوگا۔۔۔۔۔۔''

کشت یار جلدی سے بولا ''میں دیوار چنوں گا''

''میں بھی۔۔۔۔۔۔'' واسقہ نے کہا۔

''اور صعف کو بھی بلا لو۔۔۔۔۔۔ وہ کہاں ہے''

مجھے کیا پتہ۔۔۔۔۔۔ آتی ہی ہوگی''

''ہم سب بچے بھی یہ کام کریں گے''

''چلو شروع ہو جاؤ۔۔۔۔۔۔۔ہم ظلم کے خلاف دیوار اٹھانے میں ان لوگوں کی ضرور مدد کریں گے۔۔۔۔۔۔۔''

سب کام میں جٹ گئے۔کسی نے بیلچہ پکڑا کسی نے تسلہ کوئی پتھر اٹھائے آگے بڑھا اور کسی نے تیسی کا نڈی سنبھالی۔

مجاہد انہیں شاباش دینے لگے۔خوب شور مچا اور کام ہونے لگا۔

صعف جب قریب پہنچی اور اسے پتہ چلا کہ اس راستے سے گزرنے والے ہر مسافر کو یہ کام کرنا ہے۔

تو

اس نے ناک منہ چڑھایا۔اتنی آرام طلب اور ست الوجود صعف تو پہلے ہی نالاں تھی۔۔۔۔۔۔۔صرف چلنا ہی مشکل لگتا تھا۔۔۔۔۔۔۔اس پر یہ محنت طلب اور گندہ مندہ کام۔

اس نے اپنے خوبصورت لباس پر نگاہ ڈالی اور پھر اپنے نازک ہاتھوں کو دیکھا۔

''اے'' پیچھے سے ایک سریلی سی آواز آئی۔

صعف نے پلٹ کر دیکھا۔تو ایک نازک اندام خوبصورت لڑکی بڑے ہی نفیس لباس میں ملبوس اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھی۔وہ درخت کی اوٹ میں اس طرح کھڑی تھی کہ دیوار پر کام کرنے والے لوگ اسے نہ دیکھ سکیں۔

صعف نے حیرانگی اور اشتیاق سے اسے دیکھا۔

''ادھر آجاؤ۔۔۔۔۔۔۔'' لڑکی نے اسے شارہ کیا۔۔۔۔۔۔۔''جلدی کرو۔۔۔۔۔۔۔وہ لوگ تمہیں ادھر آتا دیکھ نہ لیں۔۔۔۔۔۔۔''

صعف نے جلدی سے قدم اٹھایا۔اور تقریباً بھاگتے ہوئے اس لڑکی کے قریب آ گئی۔اب وہ دونوں درخت کے چوڑے تنے کے پیچھے تھیں۔اور دیوار پر کام کرنے والوں کی نظر سے اوجھل تھیں۔

صعف نے بڑے شوق اور پیار سے اس لڑکی کو دیکھا جس نے اس کا من موہ لیا تھا

''کون ہو تم۔۔۔۔۔۔۔'' اس نے پیار سے پوچھا۔

''سستی'' وہ مسکرائی

''کیا؟''

''میرا نام سستی ہے''

صعف اس کا منہ تکنے لگی

سستی نے اس کا ہاتھ تھاما۔۔۔۔۔۔اور ایک طرف کو لے جاتے ہوئے بولی'' وہ سامنے میرا گھر ہے تم تھکی ہوئی لگتی ہو۔ چلو میرے گھر چل کر آرام کرو۔۔۔۔۔۔۔ان لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا۔ تو تم سے بھی بیگار لیں گے۔ جلدی چلو۔۔۔۔۔۔''

صعف سستی کا ہاتھ پکڑ کر تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔

''ہمارا گھر اس بستی سے الگ تھلگ ہے۔ میرے ساتھ میری بڑی بہن کاہلی بھی رہتی ہے۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہو گی۔۔۔۔۔۔''

صعف اس کے ساتھ گھر تک جا پہنچی

''ہم دونوں بستی والے مجاہدوں سے چھپ کر یہاں رہتے ہیں۔'' سستی بولی ''ہم سے محنت نہیں ہوتی۔ ہم تو سدا آرام کرنے کے عادی ہیں۔۔۔۔۔۔''

''میں بھی'' صعف کے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔۔۔۔۔۔''

''پھر تو تمہیں ہمارے ساتھ رہنے سے خوشی ہو گی۔۔۔۔۔۔''

سستی نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا۔۔۔۔۔۔اور صعف کے اندر جانے کی جگہ بناتے ہوئے بولی'' یہاں تم مزے سے رہو گی۔ کوئی کام نہ کاج۔ بس آرام ہی آرام۔۔۔۔۔۔

صعف کو لے کر سستی ایک بڑے سے کمرے میں آ گئی

''کاہلی'' سستی نے دروازے میں کھڑے ہو کر پکارا۔ تو ایک نرم گدے دار پلنگ میں تکیوں میں دھنسی لڑکی نے بیدلی سے سر اٹھا کر دیکھا۔

''کیوں سستی''

''دیکھو تو کون آیا ہے''

''کون ہے''

مہمان۔۔۔۔۔۔یہ خاتون ہمارے ہاں رہیں گی۔ بالکل ہماری طرح کی ہیں۔۔۔۔۔۔''

''واقعی''

کاہلی خوش ہوگئی۔ پلنگ میں ذرا سا اٹھتے ہوئے بولی ''خوش آمدید۔۔۔۔۔۔۔خوش آمدید'' صعف جواباً مسکرائی۔۔۔۔۔۔۔ کمرے کی فضا اور ماحول جیسے اونگھ رہا تھا۔ صعف کو بہت پسند آیا۔۔۔۔۔۔۔ دیواروں کے ساتھ موٹے موٹے گدوں والے پلنگ بچھے تھے۔ جن پر ریشمی جھالروں والی چادریں تھیں۔۔۔۔۔۔۔ کمرہ خاصہ خوشنما تھا۔ بس جی چاہتا تھا۔ پلنگ میں دھنس کر پڑ جائیں۔ لگتا تھا فضا میں غنودگی بھری لوریوں کا ترنم کھلا ہوا ہے۔

کاہلی کے کہنے پر صعف آگے بڑھی۔

''بیٹھو'' اس نے بستر میں تساہل سے لیٹتے ہوئے کہا

''بیٹھو بہن۔۔۔۔۔۔۔لیٹ جاؤ'' سستی آگے بڑھ کر بولی ''تم لمبے سفر سے آئی ہو۔ تھکی ہوگی''

ہاں بہت تھک گئی ہوں۔۔۔۔۔۔۔ مجبوراً سفر اختیار کرنا پڑا۔۔۔۔۔۔۔'' صعف نے کہا اور پھر مختصر الفاظ میں اپنی سرگزشت ان دونوں کو سنائی۔

اس کی کہانی سن کر کاہلی نے کندھے اچکائے اور بولی ''توبہ توبہ اتنی مصیبتیں اٹھا کر آرہی ہو تم۔۔۔۔۔۔۔ میں تو سوچ کر ہی پاگل ہو جاؤں۔ بھئی ہم تو صرف اور صرف آرام کرنے کے عادی ہیں۔ کام کاج ہلچل۔۔۔۔۔۔۔ دوڑ دھوپ سے ہمیں نفرت ہے۔ کیوں سستی''

''بالکل۔۔۔۔۔۔۔ وہ بھی کوئی زندگی ہے'' وہ جھٹ سے بستر میں ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر پڑ گئی۔۔۔۔۔۔۔ ''زندگی تو ہماری ہے۔ بیٹھے بیٹھے کھاتے پیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اور نرم نرم بستروں میں آرام کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ تم حیران ہو رہی ہو نا کہ ہمیں بیٹھے بٹھائے کھلاتا پلاتا کون ہے۔۔۔۔۔۔۔''

''ہاں یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں'' صعف ان کی پرتعیش زندگی کا سن سن کر محظوظ ہو رہی تھی۔

''ہمارے پاس بیسیوں نوکر ہیں'' کاہلی بولی ''روپے پیسے کی بھی کمی نہیں۔ اس لیے ہمارے سارے کام بیٹھے بٹھائے ہو جاتے ہیں۔ ہماری زندگی آرام سے گزر رہی ہے''

''اور گزری رہے گی'' سستی اٹھلائی۔

''بالکل'' کاہلی نے کہا۔ اور پھر سستی سے بولی ''اپنی مہمان سے تو پوچھو۔ یہ ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں گی۔۔۔۔۔۔۔''

صعف بمشکل اپنی بے تاب خوشی چھپاتے ہوئے بولی ''کیوں نہیں۔ میں بھی تو ایسی ہی زندگی کی عادی تھی۔۔۔۔۔۔''

''اچھا''

''ہاں''

پھر تو طے ہو گیا''

''بالکل۔۔۔۔۔۔مجھے آپ کے ساتھ ہمیشہ رہ کر خوشی ہو گی' صعف بھی نرم نرم بستر میں دھنستے ہوئے بولی۔

سب لیٹے لیٹے باتیں کرنے لگیں۔۔۔۔۔۔نوکرانیاں کھانے پینے کی چیزیں اور مشروبات لے آئیں۔ سب کے سامنے تھال لے کر کھڑی ہو گئیں اور لقمے توڑ توڑ کر ان کے منہ میں ڈالنے لگیں۔

صعف کو تو مزہ آ گیا۔ اتنا آرام اور ایسا سکون تو اسے گھر پہ بھی شاید میسر نہ تھا۔ وہ ان دونوں بہنوں سے گھل مل کر باتیں کرنے لگی۔

اور

اسے

احساس بھی نہ ہوا کہ ڈھیر سارا وقت گزر گیا ہے۔ اور اس کے ساتھی دیوار پر اپنا کام مکمل کر کے اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔

دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونکی

''کون'' کاہلی نے لیٹے لیٹے پوچھا۔۔۔۔۔۔پھر سستی سے کہا کسی نوکر سے کہو دروازہ کھولے سستی نے وہیں سے ہانک لگائی۔ نوکرانی نے دروازہ کھولا۔۔۔۔۔۔

اور

کچھ ہی دیر بعد کشت یار اور باقی ساتھی دروازے میں کھڑے تھے۔ کشت یار نے صعف کو یوں لیٹے دیکھ کر غصے سے کہا ''تم یہاں لیٹی ہو۔۔۔۔۔۔اور ہم تمہارے حصے کا کام بھی کر کے تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''تمہارے حصے کی چنائی بھی ہم نے کی' واسقہ غصے سے بھرا ہوا تھا۔''

صعف ان کی باتوں پر مسکرا کر تساہل سے بولی ''اچھا کیا۔۔۔۔۔۔''

''اچھا کیا یا برا۔۔۔۔۔۔اب اٹھو۔۔۔۔۔۔ہم سفر پر نکلنے والے ہیں'' گیرو بھی غرایا۔

''ہونھ۔۔۔۔۔۔۔'' صعف طنز سے ہنسی

''ٹھیک ہے'' کشت یار مڑا۔۔۔۔۔۔۔''ہم چلتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''شوق سے جاؤ'' وہ بولی۔۔۔۔۔۔ ''لیکن میری مانو۔۔۔۔۔۔ تو سفر ترک کر دو۔۔۔۔۔۔ اور سب یہیں رہ جاؤ ان بہنوں کے پاس۔۔۔۔۔۔ مزے سے زندگی گزارو۔۔۔۔۔۔''

''بصد شوق'' کاہلی نے کہا۔

''جی نہیں'' واسقہ غرایا ''ہمیں ایسا کوئی شوق نہیں۔''

''تو جاؤ مرو۔۔۔۔۔۔ دھکے کھاؤ مصیبتیں اٹھاؤ اور رخ کرو مسرتوں کے شہر کا'' صعف کے طنز پر سب کا پارہ چڑھ گیا۔

صعف نے نہ آنا تھا نہ آئی

اب وہ سب اس کے بغیر ہی سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ وہ دروازے سے نکلے تو پیچھے سے کاہلی کی آواز آئی۔ ''بیچارے''

صعف نے قہقہہ لگایا۔

سب کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔۔۔۔۔۔ اب وہ صعف کے بچھڑنے سے اداس نہیں تھے۔ بلکہ غصے میں بھرے تھے۔

''کیوں؟ کیا اپنی منزل تک پہنچ گئی ہو۔۔۔۔۔۔ جو یوں آرام سے لیٹی ہو'' شاتم نے چمک کر کہا۔

''تمہیں احساس نہیں کہ تمہیں تلاش کرنے میں ہمارا وقت پہلے ہی ضائع ہو چکا ہے'' فریدوں نے صعف کو گھور کر دیکھا۔۔۔۔۔۔''

''یہ کون لوگ ہیں۔۔۔۔۔۔'' سستی نے ست لہجے میں کہا۔

''اور تم کون ہو'' رمیلہ بولی۔

''میں سستی اور یہ جو لیٹی ہے میری بہن کاہلی۔۔۔۔۔۔'' سستی نے جواب دیا پھر بولی ''تم لوگ شائد نہیں جانتے کہ اب صعف نے بھی ہمارے ساتھ رہنے کا ارادہ کر لیا ہے''

''کیا؟'' تقریباً سبھی کے منہ سے نکلا

''ہاں'' صعف تکیے میں کہنی دے کر ہاتھ پر اپنا گال لکاتے ہوئے تساہل سے بولی ''میں ان دونوں بہنوں کے ساتھ یہیں رہوں

گی۔ میں ان کے ساتھ بہت خوش ہوں۔''

''کیا تم مسرتوں کے شہر نہیں جاؤ گی'' کشت یار نے حیرانگی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ اس کی حیرانگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

''اور یہ کمر کا بوجھ'' واسقہ نے کہا۔

''اسے رہنے دو۔۔۔۔۔۔۔'' کاہلی بولی۔ ''جب اسے ساری عمر کوئی کام دام ہی نہیں کرنا۔ تو پھر یہ بوجھ کیا تکلیف دے گا۔''

''بالکل'' سستی بولی۔ ''اس کا ہر کام بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے ہوا کرے گا۔ یہ بوجھ کیا کہے گا اسے۔۔۔۔۔۔۔ پتہ بھی نہ چلے گا اس کا۔۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔'' صعف خوشی سے بولی۔

سب حیران و پریشان صعف کو تک رہے تھے۔ جو بچوں کی طرح خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

''تو تم ہمارے ساتھ نہیں چل رہیں۔۔۔۔۔۔۔'' کافی دیر بعد کشت یار بجھے بجھے لہجے میں بولا

''قطعاً نہیں'' صعف نے فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے ناک منہ چڑھایا۔۔۔۔۔۔۔ تم ہی جاؤ''

''صعف نے ہمارا ساتھ چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔'' واسقہ جھلا کر بولا۔

''اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا'' کشت یار نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

''میری وجہ سے؟'' واسقہ غرایا۔

''تو اور کیا؟'' کشت یار غصے میں تھا۔

''میں نے کیا کیا۔۔۔۔۔۔۔ خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔ میں برداشت نہیں کروں گا۔'' وہ غصے میں چیخا۔

''تم نے یہ کیا کہ جب میں نے تم سے کہا تھا صعف کو بلا لاؤ تو تم نے میری بات ان سنی کر دی تھی۔۔۔۔۔۔''

''ان سنی نہیں کی تھی۔ میں نے گیرو سے کہا تھا کہ اسے ڈھونڈ لائے۔''

''اور میں نے جواب دیا تھا۔'' گیرو لال پیلا ہو کر بولا۔ ''میں کوئی نوکر نہیں ہوں' جو اسے ڈھونڈتا پھروں۔۔۔۔۔۔۔''

''کیا تھا گیرو جو تم واسقہ کی بات مان لیتے۔ صعف پیچھے تو نہ رہ جاتی۔'' فریدوں نے مصالحت آمیز لہجے میں کہا۔

''تو تم چلے جاتے نا اسے ڈھونڈنے۔'' گیرو جلے کٹے لہجے میں بولا۔

''اگر واسقہ مجھے کہتا تو میں اس کی بات ضرور مان لیتا۔'' گیرو کی بات فریدوں کو بری لگی۔

''ہونہہ۔۔۔۔۔۔۔دیکھتا میں کہ تم چلے جاتے'' گیرو پھنکارا۔

وہ سب آپس میں غصے' جھلاہٹ اور ناگواری سے باتیں کر رہے تھے۔ تینوں لڑکیاں بھی برہم برہم تھیں۔ کبھی وہ کشت یار کی طرفداری کرتیں۔ کبھی گیرو کی بات کاٹتیں۔

بہر حال

سب کے موڈ ناخوشگوار اور غصیلے تھے۔

وہ زور زور سے باتیں کرتے ایک دوسرے پر غصہ جھاڑتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ہی انہیں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ کوئی زور و شور سے باتیں کر رہا تھا۔ یوں جیسے لڑائی ہو رہی ہو۔

''سنو'' کشت یار نے سب کو ہاتھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کہا۔

''کوئی لڑ رہا ہے شاید۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔وہ دیکھو۔۔۔۔۔۔وہ سامنے۔ آوازیں ادھر ہی سے آ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔''

سب نے ادھر دیکھا۔۔۔۔۔۔دو عورتیں اور ایک مرد آپس میں لڑ رہے تھے۔ وہ کیا کہہ رہے تھے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

کشت یار اور فریدوں جلدی سے آگے بڑھے اور ان میں بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کرنے لگے۔

''آخر بات کیا ہے؟''

''تم لوگ لڑ کیوں رہے ہو؟''

''کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔۔۔۔۔۔شاید ہم مصالحت کروا دیں''

''بھئی اب بس بھی کرو''

اب کشت یار اور فریدوں کے ساتھ باقی لوگ بھی آگے آ کر انہیں لڑنے سے روک رہے تھے۔

''تم ہو کون؟'' شاتم نے ایک عورت سے پوچھا۔

اب وہ تینوں الگ الگ کھڑے تھے۔لڑنا بند کر دیا تھا۔اس لیے وہ عورت بولی۔

''میں تلخی ہوں''

''اور میرا نام نفرت ہے'' دوسری عورت بولی۔

''اور یہ۔۔۔۔۔۔۔یہ غصہ ہے'' عورت نے مرد کی طرف اشارہ کیا۔

ان سب نے دیکھا وہ تینوں انتہائی بدشکل اور مکروہ شکلوں والے تھے۔غصے کا منہ لال سرخ آنکھیں پھیلی ہوئی اور ابرو چڑھے ہوئے تھے۔دانت بڑے بڑے پیلے رنگ کے تھے۔بات کرتا تو منہ سے جھاگ نکلتی تھی۔

تلخی بھی بدشکل اور بدہیت سی تھی۔اس کا چہرہ کھردار تھا۔آنکھیں چھوٹی اور ہونٹ نوکیلے سے تھے۔اس کی طرف دیکھتے ہی لگتا تھا حلق میں کڑواہٹ گھل رہی ہو۔

نفرت کا چہرہ بھی بدوضع تھا۔اس کے چہرے پر کھچاؤ تھا۔نتھنے پھولے ہوئے تھے اور لگاتار پھڑک رہے تھے۔وہ بار بار اپنے ہونٹ بھینچ لیتی۔بیزاری کی کیفیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

ان سب نے لباس بھی عجیب وغریب قطع کے پہن رکھے تھے۔جوگندے مندے بھی تھے۔

کشت یار نے ان کا تعارف ہونے کے بعد کہا'' ابھی آپ لوگ لڑ رہے تھے۔اب ٹھیک ہو گئے ہیں۔لڑ کیوں رہے تھے''

''بس لڑ رہے تھے'' غصہ بولا۔

بلاوجہ ہی'' فریدوں نے حیرانگی سے کہا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔یہ ہماری فطرت ہے'' تلخی بولی۔''ہم جہاں ہوتے ہیں۔وہاں کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''ہم جہاں اور جب اکٹھے ہوتے ہیں۔لڑائی شروع ہو جاتی ہے'' نفرت بڑے زعم سے مسکرائی۔

غصہ خوشی سے سر ہلاتے ہوئے بولا'' ہم جہاں کہیں بھی پہنچ جائیں۔لڑائی شروع ہونا لازمی ہے۔یہ ہماری فطرت ہے اور فطرت بدلتی نہیں۔۔۔۔۔۔۔''

نفرت ذومعنی انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔''ابھی تم لوگوں نے محسوس نہیں کیا؟''

''کیا؟''

''ہم تم لوگوں کے پاس سے گزر کر آئے تھے''

''ہمارے پاس سے'' کشت یار نے حیرت سے انہیں دیکھا ''ہم نے تو تمہیں نہیں دیکھا۔ تم تو ادھر سے آ رہے تھے۔۔۔۔۔۔''

''تم آپس میں جو مصروف گفتگو تھے'' تلخی سے تلخ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلاتے ہوئے طنز سے کیا۔

''شاید یہی وجہ ہو'' واسقہ بولا۔

غصے نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا'' ہماری وجہ ہی سے تو تم سب لڑ رہے تھے ہم نے تو جب تم سستی کے گھر سے نکلے ہی تھے۔ تمہارا پیچھا کیا تھا۔۔۔۔۔۔''

سب حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

واقعی

دوران سفر وہ کبھی اس طرح آپس میں لڑے جھگڑے نہیں تھے۔ جس طرح کچھ دیر پہلے لڑ رہے تھے۔

سب کو بے حد افسوس ہوا کہ وہ ان تینوں بدوضع لوگوں کے زیر اثر آ گئے تھے۔ گیروکوان پر غصہ آ گیا۔ وہ جھلا کر بولا۔ ''تم یہاں کیسے ٹپک پڑے۔ تم لوگ رہتے کہاں ہو۔۔۔۔۔۔''

غصہ خوشی سے اٹھلاتے ہوئے بولا۔ ''ہم کسی خاص جگہ پر نہیں رہتے۔ ہر پل ادھر سے ادھر حرکت کرتے رہتے ہیں۔''

''اکثر ہم تینوں اکٹھے ہی ہوتے ہیں۔'' نفرت بولی۔

''ویسے ہماری پیدائش ظلم کے ہاں ہوتی ہے'' تلخی نے کہا۔

ظلم کے نام پر وہ سب گھبرا گئے۔ شاتم نے فریدوں کا کندھا پکڑ لیا اور سہہ رمیلہ سے چمٹ گئی

''ظلم؟'' کشت یار کے منہ سے نکلا۔

''ہاں'' نفرت بولی۔ ''وہ یہیں رہتا ہے۔ عام طور پر وہ جہاں جاتا ہے۔ ہم تینوں یا تینوں میں سے ایک ضرور وہاں پہنچ جاتا ہے''

''آؤ تلخی'' رسانیت سے بولی۔ ''آؤ ہم تمہیں اس کے پاس لے چلیں''

''نہیں نہیں'' واسقہ گھبرا کر بولا۔ ''ہم سفر پہ جا رہے ہیں۔ ہم کہیں نہیں رکیں گے۔ چلو ساتھیو''

''لیکن'' غصہ غرایا ''تم نہیں جا سکتے۔۔۔۔۔۔''

''کیوں'' گیرو آگے بڑھا۔

''ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے''

''ہم تم سے زیادہ ہیں۔تم تینوں ہمارا راستہ نہیں روک سکتے۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے بہادرانہ انداز میں کہا۔

تو

تلخی مسکراتے ہوئے بولی ''ہم نہیں ہمارے چیلے تمہارا راستہ روکیں گے''

''چیلے؟'' سب کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

''ہاں دیکھو ادھر ادھر'' غصے نے شاہانہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

سب نے دیکھا۔

ان کے چاروں طرف مکروہ چہروں لال زبانوں اور سیاہ کھڑے کھڑے گھنگھریالے بالوں والے حبشی کھڑے تھے۔

شاتم نے چیخ مار کر آنکھیں بند کرلیں۔رمیلہ اور سیہہ دونوں کشت یار کے ساتھ لگ گئیں۔

واسقہ کا چہرہ زرد پڑ گیا اور کشت یار بھی خوفزدہ نظر آنے لگا۔

''یہ کب آئے۔۔۔۔۔۔۔'' اٹک اٹک کر کشت یار بولا۔

''یہ سب ہمارے چیلے ہیں'' غصے نے سینے پر اپنا سیاہ بالوں سے بھرا ہاتھ مارتے ہوئے کہا ''یہ بھی ہماری طرح اچانک ظاہر ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''اف'' واسقہ کے لبوں سے نکلا۔

''اب۔۔۔۔۔۔۔اب۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کیا کریں گے'' فریدوں کی ٹی گم تھی۔

''تمہیں ظلم کے محل میں لے جائیں گے'' نفرت بولی۔

''لیکن۔۔۔۔۔۔۔ہم نے تو مسرتوں کے شہر جانا ہے۔'' ہکلاتے ہوئے گیرو بولا۔

''یہ دیکھو ہماری پشتوں پر لدے بوجھ انہیں وہیں جا کر ہم نے اتروانا ہے''

نفرت نے قہقہہ لگایا اور بولی۔''تمہارے یہ بوجھ دیکھ کر تو ہمیں اندازہ ہوا کہ تم ہمارے کام کے آدمی ہو۔کیوں غصہ۔۔۔۔۔۔''

''بالکل۔۔۔۔۔۔۔'' وہ ہنسا

''ان بوجھوں میں ہمارا بھی ہاتھ ہے نا'' تلخی ادا سے مسکرائی۔

سب حیران ہو کر ان کو دیکھنے لگے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

''ہمیں جانے دو'' لرزتے کانپتے لہجے میں واسقہ بولا۔

''ہرگز نہیں۔ یہ ظلم کا علاقہ ہے۔ اور تم کو اس کے حضور حاضر کرنا ہمارا اور ہمارے چیلوں کا فرض ہے'' غصہ بولا۔

''ہم اپنا فرض دیانت داری سے ادا کرتے ہیں'' نفرت تمسخر سے بولی۔

''کسی کی آہ زاری ہمیں اپنے فرض کی راہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ ہیں نا غصہ۔'' تلخی بڑے تلخ لہجے میں بولی۔''

''بالکل۔ ہم اپنے آقا ظلم کے باتعدار اور وفادار ہیں۔۔۔۔۔۔'' غصے نے کہا۔

پھر

وہ

سب سے بولا'' چلو ظلم کے محل میں''

''نہیں۔۔۔۔۔۔'' سب چیخنے اور ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''تو تم نہیں جاؤ گے'' غصہ غرایا۔

''نہیں۔۔۔۔۔۔'' وہ سب بولے۔

''چیلو۔ بڑھو اور انہیں گھسیٹتے ہوئے لے چلو'' غصے نے حکم دیا۔ تو لال لال زبانیں کالے کالے ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے وہ مکروہ شکل حبشی آگے بڑھے۔ ہر ایک کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ لڑکیاں رونے لگیں۔ مرد خوفزدہ ہو گئے۔ فریدوں اور گیرد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان چیلوں کے منہ نوچ لیں۔۔۔۔۔۔''

تھوڑی دور تک سب گھسیٹتے چلے گئے

اور

جب کشت یار نے دیکھا کہ ان کے ساتھ جائے بنا چارہ نہیں تو وہ زور سے چلایا۔

''مت گھسیٹو ہمیں ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ چلو۔۔۔۔۔۔''

غصے نے زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''چیلو چھوڑ دو انہیں۔ یہ خود چلیں گے تم ان کے پیچھے پیچھے چلتے جاؤ۔۔۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔۔۔''

چیلے پیچھے ہٹ گئے۔۔۔۔۔۔

اور

وہ

سب ساتھی بادل نخواستہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چلنے لگے۔غصہ نفرت اور تلخی ان کے آگے آگے جا رہے تھے۔

صدیوں سے پرانا محل خارا ر پتھروں اور سیاہ مٹی کے تودوں سے بنا ہوا تھا۔ بہت اونچے اونچے در و بام تھے۔ جو دیکھنے میں حد درجہ خوفناک دکھائی دیتے تھے۔محل کے صدر دروازے پر کریہہ اور بدوضع چہروں والے دربان خوفناک قسم کے نیزے اور دوسرے ہتھیار لیے کھڑے تھے۔ گو صدر دروازے پر بڑے گل بوٹے بنے تھے۔سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ اتنا ہیبت ناک دکھائی دے رہا تھا کہ بچے تو بچے بڑے بھی اسے دیکھ کر لرز رہے تھے۔

غصہ نفرت اور تلخی ان سب کو صدر دروازے کی طرف بھیج کر خود پرے ہٹ گئے۔ دربانوں نے ان لوگوں کے لیے جگہ چھوڑ دی اور چیلے انہیں لے کر مختلف اندھیری راہداریوں سے گزارتے اک وسیع و عریض ہال میں لے آئے۔

اس ہال کی آرائش تو کی گئی تھی۔ لیکن جگہ جگہ جنگلی جانوروں کے سر اور کھالیں بنی ہوئی تھیں۔ ماحول بے حد ہولناک تھا۔

رمیلہ، شاتم اور سیمہ تو تھر تھر کانپ رہی تھیں فریدوں اور گیرو نے بھی ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ واسقہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اور کشت یار کے حواس بھی گم ہو رہے تھے۔

ہال میں داخل ہوتے ہی انہوں نے سامنے ایک تخت نما مسند دیکھی۔ جس پر بہت ہی مکروہ شکل کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ آدمی لحیم و شحیم تھا۔ رنگ سیاہ آنکھیں خوفناک حد تک سرخ تھیں۔ بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن یہ آدمی بے حد طاقتور دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے قدموں میں ایک سیاہ فام بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی شکل و صورت بھی مکروہ تھی۔ وہ بچہ بیٹھے بیٹھے لرز رہا تھا۔

''نہیں۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم چیخی۔۔۔۔۔۔۔ ''ہم کچھ نہیں دیکھنا چاہتے۔۔۔۔۔۔۔'' ظلم پھر ہنسا۔

اور

بولا

''لڑکی ۔تہہ خانوں کو دیکھے بغیر تو تمہیں اندازہ ہی نہیں ہوگا کہ دنیا میں کیسے دہشتنا کی پھیلا رکھی ہے''

سب خاموش رہے۔

ظلم نے ایک بھیانک صورت غلام کو اشارہ کیا'' لے جاؤ انہیں اور ہمارے تہہ خانوں کی سیر کراؤ۔۔۔۔۔۔''

''چلو'' غلام آگے بڑھا۔

اور

پتہ نہیں کیوں اور کیسے

وہ سب

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

غلام انہیں مختلف راہداریوں سے جو بدبودار اور اندھیری تھیں۔ایک کمرے میں لے آیا۔یہ کمرہ بھی بے حد گندہ اور بدبودار تھا۔

غلام نے کمرے کے عین وسط میں کھڑے ہو کر فرش پر تین دفعہ پیر پٹخا۔

وہاں

ایک دروازہ نظر آیا۔

جسے غلام نے کھول دیا۔

''یہاں سے زینہ نیچے اترتا ہے'' غلام نے ان کو مخاطب کر کے کہا۔

سب چپ کھڑے رہے۔

''میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو'' غلام نے غصے سے کہا'' سیڑھیاں نہیں اتر سکتے ؟''

کشت یار آگے بڑھا اور بولا'' یہ زینہ کہاں جاتا ہے''

''تہہ خانوں کو'' غلام نے غصے سے کہا'' سیڑھیاں نہیں اتر سکتے ؟''

کشت یار آگے بڑھا اور بولا'' یہ زینہ کہاں جاتا ہے''

''تہہ خانوں کو'' غلام بگڑے بگڑے لہجے میں بولا۔

''تو پھر۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار ہمت کر کے بولا۔

''تو جاؤ نیچے اترو مرو۔۔۔۔۔۔'' غلام غصیلے لہجے میں بولا ''میں یہیں رکتا ہوں۔

تم جا کر ظلم کے ان تہہ خانوں کا معائنہ کر لو۔۔۔۔۔۔۔''

''تم نہیں چلو گے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے پوچھا۔

''نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ تنگ آ گیا ہوں معائنہ کرا کرا کے۔ تم خود جا کر دیکھ لو۔ اسی زینے سے لوٹ آنا۔ میں یہیں ہوں گا۔۔۔۔۔۔''

سب تذبذب میں تھے۔ اندھیرے اور بدبودار تہہ خانوں میں اترنے جھجک آ رہی تھی۔ اللہ جانے یہ کیا ترکیب ہو انہیں پھنسانے کی؟

لیکن

جب غلام نے پھر غصے سے انہیں نیچے جانے کو کہا۔ تو سب جانے کو تیار ہو گئے اسی طرح سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔ کشت یار سب سے آگے تھا۔ وہ دھڑکتے دلوں اور پسینہ پسینہ ہوتی پیشانیوں کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے زینے سے اترنے لگے۔

ہر طرف گھمبیر اندھیرا تھا۔ سیلن زدہ سیڑھیاں بدبودار تھیں۔ زینہ لوہے کا تھا۔ اور اس میں کئی گھماؤ تھے۔

زینہ اتر کر وہ راہداری میں آ گئے۔ یہاں نسبتاً روشنی تھی۔ جو دور کے ایک بڑے سے سوراخ سے اندر آ رہی تھی۔ اس روشنی کو انہوں نے غنیمت جانا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر راستہ تلاش کرنے لگے۔

ان کے قدم ٹھٹک گئے۔ جب ان کے کانوں میں دور سے آتی بین اور آہ و زاری کی صدائیں اتریں۔

''کوئی رو رہا ہے''

''سخت تکلیف میں ہے شاید۔۔۔۔۔۔''

''لگتا ہے کوئی کچوکے دے رہا ہے کسی کو''

وہ دم سادھے قیاس آرائیاں کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ اب رونے دھونے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

وہ ڈرتے ڈرتے قدم بڑھائے اگلی راہداری میں چلے آئے۔ یہ راہداری کچھ چوڑی اور روشن تھی۔ اور اس کے دونوں طرف قید

خانے بنے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں تھیں۔ جن کے دروازے جنگلے دار لوہے کے تھے۔

ان کوٹھڑیوں ہی سے آہ وفغان اور بین کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ دم سادھے بے آواز قدموں سے چلتے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک کوٹھڑی سے خوفناک چیخوں کی آواز سنائی دی۔ وہ سب بے حد خوفزدہ ہو کر بھاگنے کو تھے کہ دائیں ہاتھ کے دریچے سے آواز آئی۔

''سنیے''

یہ ایک سریلی اور دل موہ لینے والی آواز تھی۔ سب نے پلٹ کر دریچے کی طرف دیکھا وہاں ایک بے حد پیاری لڑکی صاف ستھرا لباس پہنے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر تقدس کا نور تھا۔ آنکھیں روشن اور صاف وشفاف تھیں۔ وہ بہت ہی پیاری اور دل آویز مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اس گھٹے ہوئے وحشت ناک ماحول میں کسی مقدس چہرے کا نظر آنا ان سب کے لیے حیران کن تھا۔

وہ

سب دریچے کی طرف بڑھے۔

''آپ کون ہیں۔۔۔۔۔۔'' شاتم گھگھیائی

''میں ہمدردی ہوں۔ گھبراؤ نہیں۔ ادھر آ جاؤ۔۔۔۔۔۔'' لڑکی نے پیاری سی مسکراہٹ سے کہا۔

پھر بولی ''آپ سب یہاں کیسے آ گئے۔ یہ تو ظلم کے تہہ خانے ہیں۔۔۔۔۔۔''

کشت یار نے جلدی جلدی اسے اپنے یہاں تک آنے کی کہانی کہہ سنائی۔

''اوہ'' لڑکی کے لبوں سے نکلا۔۔۔۔۔۔ ''لیکن فکر نہ کریں۔ میں اور میرے بہن بھائی آپ کو اس عقوبت خانے سے نکال لیں گے''

''کیا واقعی'' سب نے بے یقینی سے کہا۔

''ہاں۔'' وہ بولی ''میرا بھائی امن ہے اور بہن محبت۔ ہم تینوں ظلم کے ہاتھوں ستائے جانے والوں کی مدد کے لیے کمربستہ رہتے ہیں۔''

''وہ کہاں ہیں؟'' رمیلہ بولی۔

''کون؟'' ہمدردی نے پوچھا۔

''آپ کی بہن اور بھائی۔۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ بولی۔

''یہیں ہیں۔ میں انہیں بلاتی ہوں'' ہمدردی مڑی اور ہاتھ سے کسی کو اپنی طرف بلایا تھوڑی ہی دیر بعد امن اور محبت دریچے میں کھڑے تھے۔ امن انتہائی خوبصورت اور پاکیزہ چہرے والا نوجوان تھا۔ اس کا لباس بھی بہن ہی کی طرف صاف ستھرا اور بے داغ تھا۔ محبت بہت ہی پیاری اور میٹھی سی مسکراہٹ والی لڑکی تھی۔ بے حد نازک اندام اور انتہائی نفیس لباس زیب تن کر رکھا تھا۔

٥٥

سب ان تینوں بہن بھائیوں سے مل کر خوش ہو گئے۔

''کیا آپ لوگ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ ہمیں یہاں سے نکال سکتے ہیں'' کشت یار نے سب کا تعارف کروانے کے بعد ان سے پوچھا۔

''ہاں'' ہمدردی بولی۔

''ہمارا تو کام ہی لوگوں کو ظلم کے پنجے سے نکالنا ہے'' امن نے کہا۔

''ہم ضرور آپ کو یہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے'' محبت پیار سے بولی۔

٥٥

باتیں کر ہی رہے تھے کہ کمروں سے رونے دھونے بین کرنے اور آہ و فغاں کی صدائیں زوروں سے آنے لگیں۔

اس بار وہ سب بالکل نہیں ڈرے۔ شاتم نے محبت سے پوچھا ''آپ ہمیں یہ تو بتائیں ان کمروں میں رو دھو کون رہا ہے۔۔۔۔۔۔''

''یہاں ظلم کے چیلے قید ہیں'' امن بولا۔

''قید ہیں؟'' سیمہ نے پوچھا۔

''لیکن قید کیوں ہیں۔ جب وہ ظلم کے چیلے ہیں'' کشت یار نے سوال کیا

''یہ سب اسی مردود کے چیلے ہیں'' ہمدردی بولی ''وہ باری باری سب کو آزاد کرتا ہے تا کہ یہ باہر کا چکر لگا آئیں''

''اس کوٹھری میں اس کا چیلہ 'دکھ' قید ہے' امن بولا ''اس میں درد اور اس سامنے والے میں اس کی چیلی ''بربادی'' اس کے ساتھ ہی ''رنج'' قید ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ کی کوٹھری میں ''تشویش'' رہتی ہے اور دائیں ہاتھ والی تنگ کوٹھری میں ''پریشانی'' کا بسیرا ہے۔

''مگر یہ سب ایسی ڈراؤنی آوازیں کیوں نکال رہے ہیں'' کافی دیر چپ رہنے کے بعد گیرو نے سوال کیا۔

''یہ ان کی فطرت ہے۔'' محبت بولی ''یہ بین کرنے آہ فغان سے شور بپا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں سے نکل کر جب یہ لوگ باہر جاتے ہیں۔ تو جس پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔ ظلم انہیں مجبور کرتا ہے کہ اس کے چیلے جس کے پاس جائیں۔ انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیں۔'' ہمدردی بولی۔

امن ظلم اور اس کے چیلوں کا طریق کار انہیں بتانے لگا۔

جب

وہ خاموش ہوا۔

تو

رمیلہ جو بڑی توجہ سے یہ سب باتیں سن رہی تھی بولی ''آپ لوگوں نے یہ تو بتایا نہیں کہ آپ ظلم کے چنگل میں کیسے پھنس گئے۔''

اس کے سوال پر تینوں بہن بھائی بڑی شفقت سے مسکرائے اور بولے ''ہم ظلم کی قید میں نہیں ہیں۔ ہم تو ظلم کی قید سے لوگوں کو چھٹکارا دلانے کے لیے ادھر آتے ہیں''

امن بولا۔

''اچھا''

''ہاں''

محبت ان سب کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولی ''یہ ہم تینوں بہن بھائیوں کا فرض ہے۔ ہم میں سے ایک نہ ایک ضرور اس جگہ پہنچتا ہے جہاں ظلم یا اس کے چیلے لوگوں کو تکلیف اور اذیت دیں''

''ہمارا کام لوگوں کو اس تکلیف و اذیت سے بچانا ہے'' امن بولا۔

''کیا آپ اس میں ہمیشہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔'' واسقہ نے سوال کیا۔

ہمدردی افسردگی سے سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی ''نہیں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ظلم ہم سے کچھ

طاقتور ہے۔اس کے حربے کامیاب ہوجاتے ہیں اور ہم ناکام رہ جاتے ہیں

سیمہ کچھ کہنے کو تھی کہ پیچھے راہداری میں کچھ کھٹکا ہوا۔سب چونک گئے۔ ''لگتا ہے ظلم کے حبشی غلام آ گئے'' امن دریچے سے ہٹتے ہوئے بولا۔''ہم ان کے سامنے نہیں آنا چاہتے۔۔۔۔۔۔''

''لیکن۔۔۔۔۔۔۔آپ نے تو ہمیں یہاں سے نکالنے کی بات کی تھی'' شاتم نے جیسے رہائی دی۔

''افسوس'' ہمدردی بولی'' آج ہم نے باتوں میں وقت کھو دیا''

''لیکن محبت نے جلدی سے کہا'' فکر نہ کریں۔کل پھر کسی طرح آپ سب یہاں پہنچ جائیں۔ہم آپ کو ضرور رہا کرا لیں گے'' وہ بھی پیچھے ہٹ گئی۔

''کل ضرور یہاں پہنچ جانا۔۔۔۔۔۔'' امن نے جاتے جاتے کہا۔

اب قدموں کی آواز قریب آ گئی تھی۔حبشی غلام ان سب کو لینے کے لیے آ رہا تھا سب کے سب

جہاں کھڑے تھے۔

چپ چاپ

وہیں کھڑے ہو گئے۔

''پسند آیا میرا تہہ خانہ'' ظلم نے ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے ان سب کو دیکھا۔

''جنہیں حبشی غلام تہہ خانے سے نکال کر پھر ظلم کے دربار میں لے آیا تھا۔اور وہ ملازموں کی طرح سر جھکائے ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑے تھے ہر کوئی مضطرب و بے چین تھا۔غصہ بھی آ رہا تھا۔لیکن مجبور تھے۔کچھ کر نہ سکتے تھے ہر دروازے پر ہیبت ناک شکلوں والے عجیب وغریب قسم کے ہتھیار لیے کھڑے تھے۔ہال میں چاروں طرف بھی حبشی غلام مستعد کھڑے تھے۔

ظلم نے جب تمسخرانہ قہقہہ لگا کر ان سے بات کی تو گیرو اپنے غصے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے بولا'' نہ تو ہمیں تم پسند ہو اور نہ ہی تمہارا تہہ خانہ۔۔۔۔۔۔''

گیرو کی بات ظلم کو مشتعل کر سکتی تھی۔کشت یار نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔پھر خوب گھورا۔ظلم نے کشت یار کو نظر انداز کرتے ہوئے گیرو کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے بولا'' تو میں تمہیں ناپسند ہوں۔۔۔۔۔۔؟''

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔'' اس دفعہ گیرو کے ساتھ فریدوں شاتم اور سیہ بھی چیخ اٹھے۔ رمیلہ ڈری ڈری کشت یار کے ساتھ لگی رہی۔

''حیرت ہے'' ظلم نے اپنی خوفناک سرخ سرخ آنکھیں گھمائیں۔ پھر ہنس کر بولا'' میں تو اس وہم میں مبتلا تھا کہ میں تم لوگوں کو بہت پسند ہوں۔ اسی لیے تو میں ہمیشہ تم لوگوں کے قریب رہتا تھا۔۔۔۔۔۔''

''بکواس بند کرو۔۔۔۔۔۔۔'' اس بار پھر گیرو چیخا'' ہم نے اس سے پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔۔۔۔۔۔۔ جھوٹے مکار۔۔۔۔۔۔''

ظلم نے ایک گونجدار قہقہہ لگایا۔ جب اس کی گونج رکی تو وہ سب کو خوفناک نظروں سے گھورتے ہوئے بولا'' جھوٹ تم بول رہے ہو۔ ارے کم بختو یاد کرو میں اس وقت تمہارے کتنا قریب تھا۔ جب تم قیصو کی پھل کی ریڑھی لوٹ رہے تھے۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب تم نے ایک گدھا گاڑی کے گدھے کی ٹانگوں پر پتھر مارا تھا۔ گاڑی بان الٹ کر گر پڑا تھا۔ اور۔۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ وہ لنگڑا کتا یاد ہے جسے پتھر مار مار کر تم سب نے زخمی کر دیا تھا۔ میں اس وقت تمہارے پاس تھا۔ اور تم سے بے حد خوش ہو رہا تھا۔

بچوں نے حیرانگی سے اسے دیکھا ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیران تھے کہ ان کے یہ مشغلے ظلم کو کیسے پتہ چلے؟

کشت یار اور واسقہ بھی حیران ہو ہو کر ظلم کو تک رہے تھے۔ جو بڑے مزے سے ان کی حیرانگی اور گھبراہٹ پر مسکرا رہا تھا۔

''اور کشت یار۔۔۔۔۔۔'' ظلم اپنے جبڑوں سے نکلتی جھاگ کو اپنی بالوں بھری الٹی ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے ہنسا'' تم حیران کیوں ہو رہے ہو۔ میرا اور تمہارا تو بہت پرانا ساتھ تھا۔ کوئی ایک واقعہ ہو تو یاد بھی کراؤں۔ تم نے تو قدم قدم پر میرا ہاتھ تھاما۔۔۔۔۔۔ وہ بوڑھی بیوہ عورت۔۔۔۔۔۔۔ جسے تم نے در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا۔ اس کا گھر چھین لیا۔۔۔۔۔۔''

اس نے کشت یار کے ظلم و ستم کے کئی واقعات بیان کر دیئے۔

پھر

واسقہ کی طرف دیکھ کر تمسخر سے ہنسا'' تم تو میرے پرانے دوست ہو۔ تین بھائیوں کا حصہ کھا گئے۔ جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ پھر الٹا انہیں سزا بھی دی۔ کیوں یاد ہے نا۔۔۔۔۔۔''

وہ

واسقہ کے ظلم کی داستانیں بھی سنانے لگا۔

کشت یار اور واسقہ کو ایک ایک بات یاد تھی۔ ان کے سر ندامت سے جھک گئے۔

لیکن

کشت یار کو معاً خیال آیا کہ انہیں ظلم کی مخالفت میں کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔ نہ ہی کوئی ایسی بات کہنا چاہیے۔ جس سے وہ ناخوش ہو جائے۔ وہ اپنے کئے پر پشیمان ضرور تھے اور یہی پشیمانی انہیں کمروں پر بوجھ لاد کر اتنے دشوار سفر پر نکال لائی تھی۔ وہ بہر صورت مسرتوں کے شہر پہنچنا چاہتے تھے۔

لیکن وہاں پہنچنے کے لیے یہاں سے نکلنا ضروری تھا۔ اور کشت یار کے ذہن میں یہ بات آ گئی تھی کہ ظلم کی ہاں میں ہاں ملا کر اس کی خوشنودی حاصل کی جائے۔

اسی لیے

جب

ظلم نے واسقہ سے کہا ''کیا یہ سب کچھ بھول گئے تم لوگ''

''نہیں، نہیں بھولے'' کشت یار ایک دم بولا۔ ''تم نے یہ سب باتیں یاد دلا کر ہمیں خوش کر دیا۔ آئندہ بھی ہمارا چولی دامن کا ساتھ رہے گا۔۔۔۔۔۔''

''واقعی''، ظلم خوش ہو کر بولا۔

''ہاں'' کشت یار نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا ''بالکل''

سب نے حیران ہو کر کشت یار کی طرف دیکھا۔

''واہ، واہ، واہ، وا۔۔۔۔۔۔'' ظلم نے کشت یار کو داد دی۔ وہ اس کی تعریفیں کرنے لگا۔

واسقہ اور بچے حیران ہو ہو کر کشت یار کو تک رہے تھے۔ جو ظلم کی باتوں سے خوش ہو رہا تھا۔

لیکن

ان کی حیرانگی اس وقت دور ہو گئی۔ جب کشت یار نے سر کھجاتے ہوئے یوں ظاہر کیا کہ اسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

''اوہ۔۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔۔'' اس نے کہا۔

''کیا''، ظلم بڑے آرام سے بولا۔

''تمہارا تہہ خانہ تو دیکھ کر میرا جی خوش ہو گیا تھا۔ مگر افسوس''

''کیوں؟''

''تمہارا غلام ہمیں جلدی بلانے آ گیا تھا۔ اور ہم آخری دو تین کمرے دیکھ ہی نہ سکے تھے۔۔۔۔۔۔''

''تو پھر''

''اگر تم ناراض نہ ہو۔ تو اجازت دے دو تاکہ ہم وہ آخری کمرے دیکھ لیں اور لطف اندوز ہو لیں۔۔۔۔۔۔''

سب کشت یار کی بات کو سمجھ گئے۔ اس لیے بڑھ چڑھ کر تہہ خانے میں جانے کی اجازت چاہنے لگے۔

''واہ۔۔۔۔۔۔۔ وا۔۔۔۔۔۔۔ کیا فضا تھی وہاں'' واسقہ بولا۔

''تمہارے چیلوں سے ملاقات کر کے مزہ آ گیا'' گیرو نے کہا۔

''آخری دو تین کمروں میں جانے کون کون تھا؟'' شاتم نے کہا۔

''حسرت ہی رہی ان کو دیکھنے کی۔۔۔۔۔۔۔'' سیمہ نے کہا۔

''ظلم اجازت دے دیں۔ تو اب بھی دیکھ سکتے ہیں'' کشت یار چالاکی سے بولا۔

سب کے شوق اور تجسس کو دیکھتے ہوئے ظلم بولا ''ٹھیک ہے تم ایک بار پھر نیچے جا سکتے ہو۔۔۔۔۔۔''

سب خوشی سے جیسے بے قابو ہو گئے۔ ان کے چہروں پر بشاشت لہرا گئی۔ اور سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔

ظلم نے اسی حبشی غلام کو حکم دیا ''انہیں تہہ خانے میں چھوڑ آؤ۔ اور دیکھو اس دفعہ اتنی جلدی اوپر نہ لانا۔ یہ سب میرے لوگ ہیں۔ انہیں اچھی طرح تہہ خانے کے کمرے دیکھنے دو۔۔۔۔۔۔۔''

''بہت بہتر'' حبشی غلام نے کہا۔

پھر

وہ

سب کو تہہ خانے کی سیڑھیوں تک چھوڑتے ہوئے بولا۔ اب تو تمہیں راستہ معلوم ہو ہی گیا ہے۔ جب تہہ خانے کی سیر سے جی بھر جائے خود ہی ادھر آ جانا''

ٹھیک ہے ٹھیک ہے'' سب نے کہا۔

اور

تہہ خانے کی گندی اندھیری اور بدبودار سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگے۔ ان کے دل خوشی سے دھک دھک کر رہے تھے۔ اور آزاد ہونے کی خوشی کا احساس رگ رگ میں دوڑ رہا تھا۔

وہ سب اسی جگہ آ گئے۔ جہاں دریچہ تھا۔ اور وہ تینوں بہن بھائی انہیں ملے تھے۔ کشت یار نے دریچے سے باہر جھانکا۔ کھلا آسمان اور کھلی فضا تھی۔ لیکن اسے امن ہمدردی یا محبت کوئی بھی نظر نہ آئی۔

''پتہ نہیں وہ تینوں بہن بھائی کہاں چلے گئے'' کشت یار بولا۔

''انہیں ہمارے اتنی جلدی یہاں آ جانے کا پتہ بھی کیسے چلے گا'' فریدوں نے مایوسی ظاہر کی۔

''آوازیں دیں نا'' شاتم بولی۔

''خاموش'' واسقہ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔ ''ہم دشمن کی قید میں ہیں۔ اور تہہ خانے کے ہر کمرے میں ظلم کے چیلے ہیں۔ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے بڑی رازداری اور ہوشیاری سے کرنا ہے کہیں اس کے کسی چیلے کو بھنک پڑ گئی۔ تو ہماری خیر نہیں۔۔۔۔۔۔''

''واسقہ ٹھیک کہہ رہا ہے'' گیرو نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ سب سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

''ٹھہرو'' کشت یار نے کسی آواز پر کان دھرے

''کون ہے'' رمیلہ نے پوچھا۔

''دریچے سے باہر سے قدموں کی آواز آ رہی ہے

''شاید ہمدردی ہو۔۔۔۔۔۔۔''

اور

ان کی سرگوشی کے جواب میں باہر سے آواز آئی ''ہاں میں ہمدردی ہوں۔۔۔۔۔۔''

وہ سب بے طرح خوش ہو کر بولے ''شکر ہے۔

''تم لوگ پھر آ گئے'' ہمدردی قریب آ کر بولی۔

''ہاں۔ بڑی چالاکی سے ہم نے ظلم کو اس بات پر رضامند کیا کہ ہمیں تہہ خانے میں پھر بھیجے۔''

''اچھا۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔ اب تم ہمیں یہاں سے اپنے وعدے کے مطابق نکالو نا۔ سیہہ روہانسی ہو کر بولی۔

''اس دریچے میں تو سلاخیں ہیں'' ہمدردی نے کہا ''یہاں سے تم نہیں نکل سکتے''

''تو پھر۔۔۔۔۔۔ شاتم گھبرائی۔

''تم اس تہہ خانے کے آخری سرے پر آ جاؤ۔ وہاں ایک سوراخ ہے وہیں سے میں تمہیں باہر نکال سکتی ہوں۔ یہاں سے سیدھے چلتے جاؤ۔۔۔۔۔۔ میں ادھر ہی جاتی ہوں''

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا یقین اور بے یقینی کے بین بین تھے وہ۔

''جلدی کرو نا۔۔۔۔۔۔'' ہمدردی بولی۔

وہ سب آگے پیچھے چلنے لگے۔

تہہ خانے کے آخری سرے پر واقعی ایک سوراخ تھا۔ جس سے روشنی اندر آ رہی تھی۔

''ایک ایک کر کے اس سوراخ سے نکلنے کی کوشش کرو'' ہمدردی بولی۔

''ہاں نکلنا مشکل ہے'' محبت بھی آ گئی۔ ''لیکن جلدی کرو۔ میں باہر کھڑی ہوں جو بھی باہر آئے گا۔ میں اس کا ہاتھ تھام لوں گی''

''امن بھی آ گیا ہے۔ اب گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم تینوں تمہیں ظلم کی قید سے نجات دلا دیں گے۔ چلو کوشش کرو۔۔۔۔۔۔''

''اچھا'' کشت یار نے کہا پھر سب کی طرف دیکھ کر بولا ''رمیلہ چھوٹی ہے۔ سب سے پہلے یہ جائے گی''

''ٹھیک ہے'' سب نے کہا۔

کشت یار نے پہلے رمیلہ کو سوراخ میں دھکیلا۔ محبت اور ہمدردی نے اسے ہاتھوں میں تھام لیا۔

پھر

سیہہ

اور

اس کے بعد شاتم باہر نکلی۔

فریدوں اور گیرو کو باہر نکالنے کے بعد واسقہ باہر آیا۔

اور

آخر میں کشت یار۔

سب کے کپڑوں کو کچھ مٹی وغیرہ لگی۔ کشت یار کی کہنی پر ہلکا سا زخم آیا اور واسقہ کی ٹانگ ذرا اچھل گئی۔

لیکن

وہ سب اب سوراخ سے باہر اور ظلم کے ہاتھوں سے محفوظ تھے۔

''اب تم لوگ جلدی کرو۔ اور اس علاقے سے نکل جاؤ'' امن نے انہیں سیدھا راستہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں تیز تیز بھاگو۔ اور ظلم کے علاقے سے نکل جاؤ'' ہمدردی بولی۔

محبت نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور بولی ''تم بہت جلدی اسی راستے پر پہنچ جاؤ گے جہاں سے تمہیں اپنے مسرتوں کے شہر کے راستے پر ہو لینا ہے''

کشت یار اور اس کے ساتھیوں نے ان تینوں کا شکریہ ادا کیا۔ اپنے کپڑے جھاڑے۔

اور

امن کے بتائے ہوئے راستے پر تیزی سے بھاگنے لگے۔

وہ مڑ مڑ کر دیکھتے بھی جاتے تھے۔

انہیں ہمدردی محبت اور امن کے پرنور اور مقدس چہرے دور تک نظر آتے

رہے

دوڑتے

بھاگتے

وہ اس راستے پر آ گئے۔ جس پر وہ پہلے چل رہے تھے۔ جو سیدھا جاتا تھا اور جس پر چلنے کی انہیں رہبر بابا نے تاکید کی تھی۔

ان کے سانس بھول رہے تھے۔ ٹانگیں شل ہو رہی تھیں۔ اب تیز چلنا تو کیا ان سے قدم اٹھانا بھی مشکل تھا۔

''شام اتر رہی ہے'' ایک جگہ کشت یار رکتے ہوئے بولا۔

''ہاں ہمیں یہیں کہیں بسیرا کر لینا چاہیے۔ ویسے بھی ہم تھک چکے ہیں'' فریدوں نے کہا ''دور دور تک کوئی آبادی تو نظر نہیں آتی'' واسقہ بولا۔

''ہاں'' گیرو نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

''تو پھر کیا کیا جائے'' کشت یار بولا۔

''چند گز پیچھے ہم نے پھلدار درخت دیکھے ہیں۔'' گیرو بولا ''وہی پھل توڑ لاتے ہیں۔ اور رات یہاں ہی ان درختوں تلے سبزے کے فرش پر گزار لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''وہاں میں نے پانی کا چشمہ بھی دیکھا تھا'' رمیلہ نے ایک طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

''بس تو پھر کام بن گیا'' کشت یار نے کہا ''کھاپی کر یہیں پڑ رہیں گے''

''؟ ننگی زمین پر۔۔۔۔۔۔؟'' واسقہ نے حیرانگی سے کشت یار کی طرف دیکھا۔ نرم گرم پر آسائش بستروں پر سونے کے عادی ننگی زمین پر سونے کی بات کر رہے تھے۔

''رات تو گزارنا ہی ہے'' کشت یار ملائمت سے بولا ''اتنے دنوں کے کٹھن سفر اور تلخ تجربات نے اس کی بہت سی عادتیں بدل ڈالی تھیں۔

''بالکل'' گیرو نے کہا پھر کشت یار سے پوچھا ''میں اور فریدوں پھل توڑ لائیں''

''جاؤ۔۔۔۔۔۔'' کشت یار ایک پتھر سے ٹیک لگا کر سبز گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ چشمہ بھی قریب ہے۔ پھل کھا کر پانی وہاں جا کر پی لیں گے۔ فریدوں اور گیرو پھل توڑنے چل دیئے۔ شاتم سیہہ اور رمیلہ درخت کے اردگرد گھومنے پھرنے لگیں۔ واسقہ اور کشت یار باتوں میں لگ گئے۔

''گیرو''

''ہوں''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے''

''سیمہ تم مجھ سے اور قریب ہو جاؤ۔۔۔۔۔۔۔

''پھر بھی۔۔۔۔۔۔۔کیا تم نہیں ڈر رہے۔۔۔۔۔۔۔''

''کس بات سے؟''

''رات اندھیری ہے۔اور ہم ننگی زمین اور کھلے آسمان تلے سونے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''چپ ہو جاؤ۔ ہم درختوں کے نیچے ہیں ہمارے نیچے سبز سبز ملائم ملائم گھاس کے بستر ہیں بس سونے کی کوشش کرو۔ شاباش۔۔۔۔۔۔۔سو جاؤ۔ میں تمہیں تھپکتا ہوں تم آنکھیں بند کر لو۔۔۔۔۔۔۔''

''گیرو۔تمہارے ہاتھ کیوں لرز رہے ہیں۔لگتا ہے تم بھی ڈر رہے ہو''

اور

گیرو کی بجائے قریب ہی لیٹی شاتم خوفزدہ لہجے میں بولی ''مجھے بھی نیند نہیں آ رہی۔ڈر لگ رہا ہے''

''ڈر سب ہی کو لگ رہا ہے'' فریدوں نے ہولے سے کہا ''یہ دیکھو رمیلہ مجھ سے چمٹی جا رہی ہے''

''کیا باتیں ہو رہی ہیں تم لوگ سو کیوں نہیں رہے'' کشت یار نے قدرے ڈانٹ بھرے لہجے میں کہا۔سب نے محسوس کیا کہ ڈر و اس کی آواز میں بھی موجود تھا۔

کچھ یہی حال واسقہ کا بھی تھا۔جو کہنی میں منہ دیئے اوندھا لیٹا تھا۔وہ سب ہولے ہولے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک ہی درخت کے پیچھے سے اک مہین سے لرزتی کانپتی آواز آئی ''کیا ہو رہا ہے؟''

''کو۔۔۔۔۔۔۔کون؟'' سب بری طرح چونکے۔

''میں ڈر ہوں'' درخت کے پیچھے سے وہی مریل سا کالا کلوٹا بچہ نکل کر ان کے سامنے آ گیا جو انہوں نے ظلم کے قدموں میں بیٹھے دیکھا تھا۔

سب بری طرح سہم گئے۔مارے ڈر کے وہ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔

''تم۔۔۔۔۔۔۔تم یہاں کیا کر رہے ہو'' واسقہ نے ہمت کر کے پوچھا اور کوشش کی کہ اس کی آواز سے ڈر ظاہر نہ ہو۔لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

''میں ادھر ادھر چکر لگاتا ہی رہتا ہوں'' بچہ مریل آواز میں بولا۔

''کیا تمہیں ظلم نے بھیجا ہے۔۔۔۔۔۔'' فریدوں کی حالت دگرگوں تھی۔ بچہ چند لمحے چپ رہا۔

بولا'' آں۔۔۔۔۔۔ ظلم نے تو مجھے نہیں بھیجا۔۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔ میں تم لوگوں کے متعلق اسے بتا ضرور سکتا ہوں''

ڈر سے سب کو پھریری سی آ گئی۔

''لیکن۔۔۔۔۔۔'' کشت یار ہکلایا۔

''لیکن ویکن کیا'' ڈر بڑے ترش لہجے میں بولا۔ پھر خود ہی ہنس دیا اور کہنے لگا'' جانتے ہو۔ جو لوگ ظلم کی قید سے فرار ہوتے ہیں۔ پکڑے جانے کے بعد وہ ان سے کیا سلوک کرتا ہے''

ڈر کے مارے سب کے چہرے سپید پڑ گئے۔ وہ کسی طور اب ظلم کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتے تھے۔

ڈر نے انہیں پریشان دیکھا تو مزے لے لے کر ظلم کے کارنامے انہیں سنانے لگا

''ظلم ایسے لوگوں کی کھالیں کھنچوا دیتا ہے''

''ایسے لوگوں کو وہ جلتی ہوئی بھٹی کا ایندھن بھی بنا دیتا ہے''

''میں نے اسے لوگوں کو کچا چباتے ہوئے بھی دیکھا ہے''

''آنکھیں نکلوا دینا تو بہت معمولی سزا ہے''

''کبھی کبھی تو وہ لوگوں کو سیخوں پر چڑھا کر آگ پر سینکتا ہے اور کباب سمجھ کر کھاتا ہے'' بچے ڈر کے مارے سہمے جا رہے تھے۔

رمیلہ تو تھر تھر کانپتے ہوئے فریدوں سے چمٹی جا رہی تھی۔ شاتم اور سیہہ کا بھی برا حال تھا۔ بچے تو بچے کشت یار اور واسقہ کا بھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا۔

ساری رات ڈر انہیں ڈراتا رہا۔

ظلم کی ایسی ایسی داستانیں سنائیں کہ یہ بیچارے زرد پڑ پڑ گئے۔ وجود تھر تھر کانپتے رہے۔ رمیلہ' شاتم اور سیہہ کی تو کئی بار چیخیں نکل گئیں۔ وہ آنکھیں بند کر لیتیں۔ لیکن کالے کلوٹے مریل سے بچے کو وہ بند آنکھوں سے بھی دیکھ سکتی تھیں۔ اندھیرا تھا۔ پھر بھی وہ سب کو برابر نظر آ رہا تھا۔

رات گزر گئی۔

اور

گوشۂ مشرق سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آنے لگی۔

وہ سب جو بڑے انہماک سے ڈر کو دیکھ رہے تھے اور پریشان ہو رہے تھے۔انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ روشنی کے جاتے ہی ڈر پگھلنے لگا تھا۔

وہ

آہستہ

آہستہ

پگھل رہا تھا۔

''ارے۔۔۔۔۔۔تم کہاں غائب ہو رہے ہو'' بے اختیار نہ گیرو کے منہ سے نکلا۔پگھلتے تودے سے آواز آئی ''بس میرا تمہارا ساتھ رات کے اندھیرے تک ہی تھا دن کی روشنی میں میں اکثر غائب ہو جاتا ہوں۔۔۔۔۔۔''

اس کے ساتھ ہی وہ پورے کا پورا پگھل گیا۔

ڈر کے غائب ہوتے ہی سب اپنے ہوش وحواس میں آ گئے۔انہیں اپنے ذہنوں پر چھایا ڈر زائل ہوتا محسوس ہوا

''شکر ہے'' واسقہ نے اک انگڑائی لی ''ڈر نے ہمیں ساری رات پریشان رکھا''

''ہائے۔۔۔۔۔۔میرا تو دل لگتا تھا تھم ہی جائے گا۔۔۔۔۔۔شکر ہے وہ غائب ہو گیا'' شاتم نے سکون کا سانس لیا۔

اب دن کی روشنی پوری طرح پھیل گئی تھی۔سب اٹھ گئے۔ڈر نے انہیں رات بھر پریشان کیا تھا۔

کشت یار نے اٹھ کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی پھر بولا ''دیکھو تو۔۔۔۔۔۔''

''کیا؟''

''ہم ظلم کے علاقے سے بہت دور نکل آئے ہیں۔وہ تو بہت پیچھے رہ چکا ہے''

''ہاں واقعی۔یہ علاقہ تو ویسا نہیں جیسا ظلم کا تھا''

''بالکل''

''اور یہ ڈر؟''

''یہ خواہ مخواہ ہمیں ڈراتا رہا۔اس نے ظلم کا خوف ہم پر رات بھر طاری رکھا''

''اسی لیے تو صبح ہوتے ہی ہم پھر سے بہادر بن گئے۔ڈر چلا جو گیا''

''ڈر اکثر رات کے اندھیروں ہی میں خوفزدہ کرتا ہے'' کشت یار نے کہا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔'' واقعی۔''

سب اب تروتازہ تھے۔خوف ذہنوں سے دور ہو چکا تھا۔وہ سفر پر روانہ ہونے کے لیے کمربستہ تھے۔

''چلیں؟'' کشت یار نے سب سے پوچھا۔

''ہاں دن نکل آیا ہے ڈر غائب ہو چکا ہے ظلم کی بستی ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔

''آگے ہی آگے جانا ہے نا۔۔۔۔۔۔'' فریدوں چہک کر بولا۔

''اور جلدی کسی بستی تک بھی پہنچنا ہے'' واسقہ نے کہا'' کھانے پینے کا بھی تو بندوبست کرنا ہے۔۔۔۔۔۔''

''بھوک تو ابھی سے لگ رہی ہے'' شاتم بولی۔

''لیکن اب ہم پھلوں پر گزارہ نہیں کریں گے کسی بستی میں پہنچ کر انڈے پراٹھے اور دودھ کا ناشتہ کریں گے'' گیرو نے زبان پر چٹخارہ محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''تو چلو پھر'' فریدوں بولا۔

''چلو'' کشت یار نے کہا۔

اور

سب

آگے پیچھے چلنے لگے۔

انہیں بہت دیر چلنا پڑا۔

کیونکہ راستہ سنسان تھا۔اور دور و نزدیک کوئی بستی نہ تھی۔جہاں رک کر وہ ناشتہ وغیرہ کر لیتے۔

انہیں بہت دیر چلنا پڑا۔

کیونکہ راستہ سنسان تھا۔اور دور و نزدیک کوئی بستی نہ تھی۔جہاں رک کر وہ ناشتہ وغیرہ کر لیتے۔

''میں تو تھک گئی'' سیمہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھک گئی۔

''چلنا تو پڑے گا۔ چاہے تھوک چاہے نہ تھکو'' شاتم خود بھی ہانپ رہی تھی۔

''ہمت سے کام لو۔ دیکھو تو رمیلہ کیسے چھلانگیں مارتی جا رہی ہے'' فریدوں بولا۔ ''اس نے صبح کچھ کھا پی لیا ہوگا'' گیرو نے کہا

''یار بھوک کے مارے میرا بھی برا حال ہے''

''بچو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار ملائمت سے بولا۔۔۔۔۔۔۔ ''ہمت نہیں ہارو۔ جلدی جلدی قدم اٹھاؤ ہو سکتا ہے ہم کسی بستی کے قریب ہی ہوں۔۔۔۔۔۔''

''آثار تو نظر نہیں آتے۔۔۔۔۔۔'' واسقہ بولا۔

''اس راستے پر اچانک ہی بستیاں نظروں کے سامنے آ جاتی ہیں'' کشت یار نے کہا ''یہ بہت پرانی گزرگاہ ہے اور کچھ کچھ فاصلے پر بستیاں موجود ہیں۔ تم اس بات کا مشاہدہ کر چکے ہو''

''لیکن اب تو کچھ نظر نہیں آتا'' سیمہ نے کہا۔

''بھئی تمہاری رفتار سست پڑ گئی ہے۔ تیز تیز چلو۔ جلد ہی کوئی بستی نظر آ جائے گی کشت یار نے ملائمت سے کہا۔

''اچھا۔۔۔۔۔۔'' سب نے کہا اور ہمت کر کے تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔

اب سورج نکل آیا تھا۔ اور اس کی حدت چبھ رہی تھی۔ یہ لوگ بھوکے پیاسے تھے۔ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ اور کمروں پر بوجھ کے گٹھڑ بھی لدے تھے۔ چلا نہیں جا رہا تھا۔ لیکن چلنا بھی تھا۔

''اب راستہ تنگ ہوتا جا رہا ہے'' معاً فریدوں نے سمٹتی سڑک دیکھ کر کہا۔

''جا بجا کنکر اور پتھر بھی ہیں۔۔۔۔۔۔'' گیرو بولا۔

''ہو سکتا ہے کوئی بستی قریب ہو'' شاتم بولی۔

''ہاں۔ وہ دیکھو۔ سامنے دائیں طرف۔ گھر نظر آ رہے ہیں۔'' واسقہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔۔'' بچوں نے اچھل اچھل کر تالیاں بجائیں۔

پھر

سب کے رخ ان گھروں کی طرف مڑ گئے۔

جلد ہی وہ اس بستی میں جا پہنچے۔ جہاں چھوٹے چھوٹے کچے اور بوسیدہ مکان تھے۔

''مکانوں کی حالت خستہ ہے''

''یہ لوگ ہماری کیا مدد کریں گے ان کی مالی حالت ان کے مکانوں سے عیاں ہے''

''یہاں رکنا بیکار ہے''

''ہم یہاں ایک نوالہ حلق سے نہیں اتار سکیں گے۔ تعفن اور بدبو توبہ۔۔۔۔۔۔'' سب نے ناکوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اور سانس روک کر اس بستی سے نکل گئے۔

''اف۔۔۔۔۔۔'' باہر آ کر سب نے گہرے گہرے لمبے لمبے سانس لیے۔

''اب؟'' کشت یار بولا۔

''چلتے جائیں گے'' فریدوں نے کہا۔

''ہمت ہے؟'' واسقہ بولا۔

''ہے تو نہیں۔ لیکن ہمت سے کام لینا ہی پڑے گا۔ آثار نظر آ رہے ہیں کہ قریب ہی کوئی اور بستی ہے۔۔۔۔۔۔''

''چلو پھر''

سب اپنی کمروں کے بوجھوں سے قدرے جھکے سست رفتار سے آگے بڑھنے لگے۔

''وہ

اچانک ہی

ایک صاف ستھرے علاقے میں پہنچ گئے۔ یہاں بھی کچھ ٹوٹے پھوٹے مکان تھے۔ اور مرغیوں اور بھیڑ بکریوں کی وجہ سے کچھ تعفن بھی تھا۔ لیکن وہ سب جس جگہ پہنچے تھے وہ صاف تھی۔

یہاں دو ہی مکان تھے۔

ایک نہایت عالی شان۔۔۔۔۔۔ اور دوسرا قدرے چھوٹا۔ لیکن تھا وہ بھی خوبصورت۔ دونوں مکان دیکھ کر مکینوں کی خوشحالی کا احساس ہوتا تھا۔ عالی شان مکان بہت بڑا تھا۔ اور اس کے اندر سے ہلکے ہلکے شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔

جبکہ

دوسرا مکان بڑے پر وقار انداز میں خاموش تھا۔

''کس دروازے پر دستک دی جائے۔۔۔۔۔۔'' واسقہ نے کشت یار سے پوچھا۔ جو کبھی بڑے اور عالیشان مکان کو دیکھ رہا تھا اور کبھی چھوٹے اور پر وقار کو

''میں تذبذب میں ہوں'' کشت یار بولا۔

''کیوں'' واسقہ نے پوچھا۔

''سمجھ نہیں پا رہا کہ کس دروازے پر دستک دوں۔۔۔۔۔۔''

فریدوں جھٹ سے بولا۔ ''یہ عالیشان مکان تمہارے شان شایان ہے یقیناً تم یہی دروازہ کھٹکھٹاؤ گے۔۔۔۔۔۔''

''اسی لیے تو تذبذب میں ہوں'' وہ بولا۔ پھر اس نے پچھلا واقعہ یاد کرتے ہوئے کہا ''میں تلخ تجربے سے گزر چکا ہوں۔ بی رحمدلی کو چھوڑ کر میں امیر آدمی کے ہاں راستہ گزارنے گیا تھا۔۔۔۔۔۔''

''اوہ۔۔۔۔۔۔ پھر تو بے دھڑک دوسرے دروازے پر دستک دینا چاہیے'' گیرو بولا۔ ''وہ تو اتنا خاموش ہے لگتا ہے نہیں گھر پر کوئی ہوگا۔ البتہ اس شاندار مکان سے بولنے چالنے کا غل اور شور سنائی دے رہا ہے۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے کہا۔

واسقہ آگے بڑھتے ہوئے بولا ''بھئی دستک دینے میں کیا حرج ہے۔ کوئی اندر ہوا۔ تو دروازہ کھول دے گا۔ نہیں تو خیر۔۔۔۔۔۔''

''تو بڑھ کر کھٹکھٹاؤ۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے کہا۔

واسقہ نے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔

''ٹھیک ہے'' کشت یار نے سب کی طرف دیکھا ''ہم اسی گھر میں پناہ لیں گے''

''کیا ضروری ہے''

''ہاں''

''کیوں''

''ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ مجھے اس کا تجربہ اس سفر کے دوران ہوا ہے۔ چلو اس مکان کی طرف واسقہ نے دستک دی ہے۔۔۔۔۔۔''

واسقہ کو دوسری بار دستک دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ دروازہ کھل گیا اور ایک معمر آدمی جس کا لباس صاف ستھرا جس کا لباس

صاف ستھرا اور شکل صورت سے انتہائی مہذب دکھائی دیتا تھا سامنے آیا۔

وہ سب اب دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

معمر آدمی انہیں دیکھ کر مسکرایا اور سر ہلاتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔ ''آپ لوگ غالباً مسافر ہیں۔۔۔۔۔۔''

''جی'' رمیلہ جو واسقہ کے پہلو میں کھڑی تھی جھٹ سے بولی۔

''آیئے'' معمر آدمی نے بڑے آرام سے ایک طرف ہو کر ہاتھ کے اشارے سے انہیں اندر آنے کے لیے کہا۔

سب آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔

انہوں نے دیکھا کہ یہ ایک انتہائی خوبصورتی سے آراستہ آرام دہ اور پر سکون گھر تھا۔ طویل برآمدے سے ہوتے ہوئے وہ سب بڑے کمرے میں آ گئے۔ جس میں آرام دہ نشستیں تھیں۔ فرش پر ہلکے سبز رنگ کا قالین بچھا تھا۔ کھڑکیوں پر ریشمی پردے لہرا رہے تھے۔ کمرہ ہلکی سبز روشنی میں ڈوبا لگتا تھا۔ جس سے رگ رگ میں سکون کی کیفیت دوڑتی محسوس ہوتی تھی کمرے میں دو گدیلی نشستوں پر دو خواتین بیٹھی تھیں۔ ان کے لباس ریشمی تھے۔ اور ہلکا ہلکا زیور زیب تن تھا۔ ان کے چہرے خوبصورت تھے۔ اور ملائمت اور شفقت کی پھوار برس رہی تھی۔

''آیئے تشریف رکھئے'' معمر بزرگ نے مہمانوں کو اندر آ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سب آ کر گدیلی چمکدار نشستوں پر بیٹھ گئے۔

معمر آدمی نے کشت یار سے کہا ''غالباً آپ کسی لمبے سفر پر نکلے ہوئے ہیں۔ اور یہ سب آپ کے ساتھی ہیں۔''

''ہاں معزز بزرگ'' کشت یار نے اتنی ملائمت سے کہا کہ سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' اس کے مزاج میں کتنی واضح تبدیلی آ چکی تھی۔

''کہاں جا رہے ہیں کیا مسرتوں کا شہر آپ کی منزل ہے'' معمر بزرگ نے کہا۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا'' سیمہ ایک دم بول اٹھی۔

''بیٹا۔ آپ کی پشتوں پر لدے بوجھ دیکھ کر اس علاقے کا ہر ایک شخص جان سکتا ہے'' معمر آدمی مسکرایا۔

''آپ کون ہیں۔۔۔۔۔۔'' فریدوں نے سوال کیا۔

''میرا نام سکون ہے۔۔۔۔۔۔'' معمر آدمی مسکرایا۔ ''اور یہ دو خواتین جو بیٹھی ہیں نا۔۔۔۔۔۔'' اس نے پرلی نشستوں پر بیٹھی دونوں عورتوں کی طرف اشارہ کیا۔ جو اب ان کی طرف بڑے انہماک اور پیار سے دیکھ رہی تھیں۔

''جی۔۔۔۔۔۔۔'' وہ بولا۔

''ان میں سے ایک جو ہلکے فاختی لباس میں ہے۔ وہ میری بیوی ہے' اس کا نام سنجیدگی ہے۔ اور دوسری عورت میری بہن ہے بردباری۔۔۔۔۔۔۔ ہم تینوں اس گھر میں بڑے سلوک' پیار اور محبت سے رہتے ہیں۔''

معمر آدمی نے بات ختم ہی کی تھی کہ برابر والے عالیشان مکان سے زور زور کی آوازیں آنے لگی۔ شور وغل مچ گیا سبھی چونک گئے۔

''معمر آدمی مسکرایا'' یہ آوازیں ساتھ والے گھر سے آ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔''

''ادھر کون رہتا ہے''

''اس گھر کے مالک کا نام شور ہے اور اس کی بیوی لڑائی ہے۔ ان کے ساتھ ان کا بھائی جھگڑا بھی رہتا ہے۔'' معمر آدمی نے کہا۔

اب

وہ دونوں عورتیں بھی اٹھ کر ان کے پاس آ گئیں۔ سب نے اپنا تعارف ان سے کروایا۔ وہ بڑے شفیق لہجے میں باتیں کر رہی تھیں۔

''آپ لوگ گھبرائیے نہیں'' بردباری بولی'' یہ تو برابر والوں کا روز کا کام ہے۔ ہر وقت لڑائی۔ ہر وقت جھگڑا۔۔۔۔۔۔۔ شور مچا رہتا ہے۔ ان کے بچے بھی آپس میں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مارتے پیٹتے اور گالیاں بکتے ہیں۔ یہ میاں بیوی تو کسی پل سکون سے بیٹھتے ہی نہیں۔۔۔۔۔۔''

''اور جو کوئی بھولا بھٹکا مسافر ان کے گھر آ جائے'' سنجیدگی کانوں کو ہاتھ لگا کر سر ہلاتے ہوئے بولی'' پناہ ہے۔ اس کا وہ حشر کرتے ہیں کہ توبہ۔۔۔۔۔۔۔ بیچارہ مہمانداری تو کروا نہیں پاتا نیم پاگل ضرور ہو جاتا ہے۔''

کشت یار اندر ہی اندر کانپ گیا۔ اس کے باقی ساتھیوں نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں'' بچ گئے۔''

معمر آدمی بولا'' نہ صرف نیم پاگل کر دیتے ہیں۔ بلکہ گھر سے نکلنے بھی نہیں دیتے۔''

''ہائے'' شاتم نے سینے پر ہاتھ مارا'' شکر ہے ہم ان کے دروازے پر دستک نہیں دی''

''حالانکہ وہ گھر اس گھر سے زیادہ بڑا اور شاندار تھا۔ ہمارے کشت یار نے بالکل صحیح فیصلہ کیا اور ہمیں اس گھر لے جانے کی

بجائے یہاں لے آیا۔ گیرو نے کشت یار کی تعریف کی۔

''بہت اچھا کیا'' بردباری بولی۔

''ان کا گھر باہر سے اتنا شاندار ہے'' کشت یار نے کہا۔ ''لیکن''

سنجیدگی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا'' اندر سے دیکھو۔ تو بالکل پاگل خانہ لگتا ہے۔ کوئی چیز سلامت نہیں۔ ہر کمرہ لڑائی کا اکھاڑہ ہے۔۔۔۔۔۔۔''

سنجیدگی اور بردباری اس گھر کے متعلق انہیں بتاتی رہیں۔ وہ بچوں سے بہت پیار کر رہی تھیں۔ شاتم' نیہہ اور رمیلہ کو تو انہوں نے بہت پیار کیا۔

''بھئی'' معمر آدمی بولا۔ ''ہم لوگ باتوں میں بھول ہی گئے کہ مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کی جاتی ہے''

''اوہ۔۔۔۔۔۔'' سنجیدگی اٹھتے ہوئے بولی'' واقعی یہ لوگ مسافر ہیں۔ بھوکے پیاسے ہوں گے'' کشت یار نے تکلفاً کہا'' نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔'' بردباری بھی اٹھی'' کچھ کھایا پیا بھی ہوگا تو سویرے سویرے اب تو دوپہر سر پر آ چکی ہے۔ وہ سب کچھ ہضم ہو گیا ہوگا۔ ہم ابھی آپ کے لیے کھانا لاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

وہ دونوں کمرے سے نکل گئیں

معمر شخص ان سب سے باتیں کرنے لگا۔ برابر والے گھر سے شور وغل کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ کبھی تو چیخنے چلانے کی آوازیں اتنی تیز ہوتیں کہ ان کے ہاتھ بے اختیارانہ کانوں کی طرف اٹھ جاتے۔

سنجیدگی اور بردباری تھوڑی دیر کے بعد واپس آئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ملازم تھے۔ جنہوں نے کھانے کے خوان اٹھا رکھے تھے۔

بھوک سے سب بے حال تھے۔ کھانے کی مہک نے اشتہاء بڑھا دی۔ لیکن وہ سب سکون سے بیٹھے رہے۔

ملازموں نے میزوں پر کھانا چن دیا۔ پینے کے لیے صاف اور ٹھنڈے پانی کے علاوہ لیموں ملے مشروب بھی رکھے۔

''نوش فرمایئے'' معمر آدمی نے سب کو کھانا کھانے کی دعوت دی۔

کچھ دیر تو سب نے تکلفاً ہاتھ کھینچے لیکن بھوک ایک حقیقت تھی۔ وہ سب کھانے پر ٹوٹ پڑے۔

اور

مزیدار اور پرلطف کھانا باتوں کے درمیان پیٹ بھر کر کھایا۔

کھانے کے بعد معمر بزرگ انہیں دوسرے کمرے میں لے گیا" یہاں آپ تھوڑی دیر آرام کریں۔شام کو میں آپ کو جگا لوں گا"

"لیکن ہمارا سفر۔۔۔۔۔۔" کسی نے کہا۔

"کل صبح ناشتہ کر کے اپنے سفر پر روانہ ہو جایئے گا۔آپ بہت تھکے ہوئے ہیں اور ابھی آپ کو دور جانا ہے" معمر آدمی بولا۔

"ٹھیک ہے" سب نے کہا۔

اور

پھر وہ سکون کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنے لگے۔

شام وہ سو کر اٹھے تو بے حد تازہ دم تھے۔رات کا کھانا بھی پرتکلف تھا۔انہوں نے مزے لے لے کر کھایا۔

اور

پھر

رات

نرم اور ملائم بستروں میں پڑ کر وہ اتنے بے خبر ہو کر سوئے کہ صبح طلوع ہو گئی تب بھی ان کی آنکھ نہ کھلی۔

سکون ہی نے انہیں جگایا کہ ان کے لیے ناشتہ تیار کیا جا رہا تھا۔

ملازموں نے ان کے نہانے کے لیے پانی رکھ دیا ہوا تھا۔ان کے کپڑے جھاڑ کر صاف کرنے کے لیے بھی وہ تیار کھڑے تھے۔

سب نے غسل کر کے کپڑے پہنے۔بال بنائے اور ناشتہ کرنے کے لیے کمرے میں آ گئے" اتنا سکون ملا ہے کہ بتا نہیں سکتے" کشت یار بولا۔

"لگتا ہے سفر کی صعوبتیں برداشت ہی نہیں کیں۔۔۔۔۔۔" واسقہ بولا۔

"بالکل ہلکے پھلکے ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔۔" کشت یار نے کہا" یہ پشتوں کے بوجھ بھی لگتا ہے ہلکے ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔۔"

"مجھے تو لگتا ہے یہی مسرتوں کا شہر ہے" رمیلہ نے کہا تو سنجیدگی نے بڑھ کر اسے ساتھ لپٹا لیا۔اور بولی" خدا کرے تمہارا سفر جلد ختم

ہوجائے۔اور تم لوگ مسرتوں کے شہر پہنچ کر ان تکلیف دہ بوجھوں سے نجات پا لو۔۔۔۔۔۔۔''

سب نے اس کے جذبات واحساست کا شکریہ ادا کیا۔

ناشتہ' دوپہر اور رات کے کھانوں ہی کی طرح لذیز تھا۔سب سے بڑھ کر سکون' بردباری اور سنجیدگی کی محبت اور شفقت۔انہیں ناشتے سے بڑی سیری حاصل ہوئی۔اب انہیں رات تک بھی کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ملتا تو انہیں پرواہ نہ تھی۔

تھوڑی دیر وہ سب اہل خانہ کے ساتھ نرم ولطیف گفتگو کرتے رہے۔

پھر

کشت یار نے سب کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت چاہی۔

''اچھی بات۔آپ لوگوں کو ابھی لمبا سفر درپیش ہے۔ہم سب تمہارے لیے دعا گو ہیں'' سکون نے کہا۔

''شکریہ۔۔۔۔۔۔۔'' سب بولے''ہم آپ لوگوں کو کبھی بھلا نہ پائیں گے''

سب ہنستے مسکراتے اہل خانہ کو خدا حافظ کہہ کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

''کچھ اندازہ ہے کہ اب تک ہم کتنا سفر کر چکے ہیں'' فریدوں نے چلتے چلتے گیرو سے پوچھا۔

''مجھے تو لگتا ہے ہم سالوں سے اس رہ گزر پر چل رہے ہیں'' گیرو کی جگہ سیمہ نے جواب دیا۔

'' حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے روانہ ہوئے چار پانچ دن ہی ہوئے ہوں گے'' کشت یار قدم اٹھاتے ہوئے بولا۔

''اوئی۔۔۔۔۔۔۔صرف چار پانچ دن۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے آگے کو جھکے جھکے اپنے گالوں پر ہاتھ رکھ کر حیرانگی سے کہا۔

''تو اور کیا'' گیرو بولا۔

''نہیں بھئی'' سیمہ بولی۔

''کشت یار کا اندازہ غلط نہیں۔'' واسقہ بولا'' یہ دن مصیبتوں اور مشکلات سے پر تھے۔اس لیے لگتا ہے چار پانچ دن سے نہیں چار پانچ برسوں سے ہم مسلسل سفر کر رہے ہیں''

''اتنا سفر کر چکے لیکن ابھی بھی کچھ پتہ نہیں کتنا سفر اور کرنا ہے'' شاتم بولی۔

''ہوسکتا ہے اگلے پڑاؤ پر ہی ہم منزل پر پہنچ جائیں'' سیمہ خوش فہمی کے انداز میں لہک کر بولی۔

''اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چلتے چلتے ہمارے جسم شل ہو جائیں۔ اور منزل پھر بھی نظر نہ آئے'' واسقہ نے منہ بنا کر کہا۔ تو کشت یار نے گھور کر اسے دیکھا اور بولا ''تم مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔۔۔۔۔۔''

واسقہ نے جواباً جل کر کہا ''میری مرضی۔ تم کون ہوتے ہو روکنے والے''

''واسقہ'' کشت یار نے ڈانٹ کے لہجے میں کہا۔

واسقہ ناک منہ چڑھاتے ہوئے بولا ''خواہ مخواہ میں تو اس سفر پر تمہارے کہنے میں آ کر نکلا۔۔۔۔۔۔''

''کیوں کیا ہو گیا ہے'' کشت یار نے غصیلے لہجے میں کہا ''ابھی سے مایوس ہو گئے ہو۔ تم سے تو یہ بچے اچھے ہیں۔ جو ہنسی خوشی مسرتوں کے شہر پہنچنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔

تم ایسی باتیں کر کے ان کے حوصلے بھی ڈھا دینا چاہتے ہو''

''مجھے کیا پڑی ہے دوسروں کے حوصلے ڈھانے کی'' واسقہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

وہ واقعی اس سفر سے تنگ آ گیا تھا۔ دن کا آرام نہ رات کا چین۔۔۔۔۔۔ خود کو دل ہی دل میں کوستا تھا کہ یونہی ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ پشت کا بوجھ نہ بھی اترتا تو زندگی گزر سکتی تھی اسے تو دل ہی دل میں مہیب ضعف اور موہین سے رشک محسوس ہوتا تھا جو اس سفر سے لوٹ گئی تھیں۔ خاص کر ضعف جس کو ساری زندگی عیش و آرام سے گزارنے کا موقع مل گیا تھا وہ بڑبڑ کرتا قدم اٹھا رہا تھا۔

اور

کشت یار کو اس پر بے طرح غصہ آ رہا تھا۔ بچوں کی وجہ سے اس نے بمشکل اپنے آپ کو قابو میں رکھا تھا۔ کیونکہ بچے ان دونوں کی لڑائی سے کچھ سہم سے گئے تھے۔ کشت یار کا حوصلہ بلند تھا۔ اور عزم مستحکم اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ بچے واسقہ کی باتوں میں آ جائیں۔ اور سفر کی صعوبتوں اور مشکلات سے گھبرانے لگیں۔

''بڑھتے چلو'' اس نے سب بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے خوش کن لہجے میں کہا بچوں کے قدموں کی رفتار از خود تیز ہو گئی۔ اور وہ اچھلتے کودتے بھاگتے دوڑتے آگے آگے جانے لگے۔

کافی دور تک راستہ صاف تھا۔

لیکن

معاً انہیں احساس ہوا کہ راستہ اب ٹیڑھا میڑھا ہے۔ سڑک بالکل خراب ہے۔ جا بجا گڑھے پڑے ہیں۔ درختوں کی جگہ خاردار

جھاڑیاں ہیں اور چمکتی دھوپ بدنوں میں چبھتی ہے۔

''ٹھہرو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے رکتے ہوئے اپنے سے آگے آگے جانے والے بچوں سے کہا۔ بچے رک گئے اور مڑ مڑ کر کشت یار کی طرف آنے لگے۔

''کیا ہے'' فریدوں نے پوچھا۔

''یہ راستہ بہت خراب ہے'' کشت یار نے کہا۔

''ہاں ہے تو۔۔۔۔۔۔'' گیرو بولا۔

''میرا خیال ہے ہم اس سڑک پر مڑ جائیں'' کشت یار نے بائیں ہاتھ جاتی چوڑی اور صاف ستھری سڑک کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔۔۔''

''لیکن۔۔۔۔۔۔'' شاتم جلدی سے بولی'' رہبر نے ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی واضح ہدایت کی تھی۔۔۔۔۔۔''

''بالکل'' سیہہ نے کہا'' انہوں نے کہا تھا۔ راستہ جیسا بھی ہو اسی سیدھے راستے پر چلتے جانا۔۔۔۔۔۔''

''یہ بھی کہا تھا کہ راستے کی مشکلات سے گھبرانا نہیں'' رمیلہ قریب آ کر معصومیت سے بولی۔

''ٹھیک ہے کہا تھا'' کشت یار نے ہاتھ اٹھا کر سب بچوں کی تائید کی۔ پھر بولا'' لیکن خدا نے ہمیں بھی عقل دی ہے۔ اتنے دشوار گزر راستے پر چلنے کی بجائے ہم اس سڑک پر جا کر اپنی منزل کو پہنچ سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''تمہیں کیا پتہ کہ یہ سڑک ہماری منزل کو جاتی ہے'' فریدوں الجھ کر بولا۔

''ہاں پتہ تو نہیں۔ لیکن ہم بے خبر نہیں ہمیں پتہ ہے ہم نے کہاں جانا ہے ہم راہ گیروں سے راستہ پوچھ سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''لیکن رہبر نے ہمیں واضح طور پر کہا تھا کہ ہمیشہ سیدھے راستے پر چلنا'' فریدوں نے پھر احتجاج کیا۔

کشت یار کو غصہ آ گیا جھنجھلا کر بولا'' رہبر۔۔۔۔۔۔ رہبر! ہم رہبر کی ہدایتوں پر عمل کرتے رہے تو پہنچ چکے اپنی منزل پر۔ دیکھ نہیں رہے کتنی دیر سے ہم اس خراب راستے پر چل رہے ہیں۔ یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ اور کچھ نہیں'' واسقہ جو منہ بنائے چل رہا تھا۔'' ہاں یہ وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ہمیں کوئی متبادل راستہ ڈھونڈ لینا چاہیے

''لیکن۔۔۔۔۔۔'' سیہہ سہم کر بولی'' تم بھی رہبر کی ہدایات پر عمل کرنے سے گریز کرو گے۔۔۔۔۔۔ سیدھے راستے سے ادھر ادھر ہو جاؤ گے''

واسقہ کچھ جواب دینے ہی کو تھا کہ پیچھے سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ واسقہ کے ساتھ سب ہی نے پلٹ کر دیکھا۔ دو آدمی جنہوں نے دیدہ زیب لباس پہن رکھے تھے ان کی طرف آ رہے تھے۔

آنے والوں نے ان سب کو تنگ راستے کے بیچوں بیچ کھڑے دیکھا تو مسکرا کر بولے" آپ لوگ کون ہیں"

اس کی مسکراہٹ اتنی دلفریب اور معصوم تھی کہ کشت یار بے تکلفی سے بولا" ہم مسرتوں کے شہر کے راہی ہیں۔۔۔۔۔۔"

"اوہ بڑی خوشی کی بات ہے" دوسرا آدمی آگے بڑھ کر بولا" ہم لوگ بھی وہیں جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔"

"سچ۔۔۔۔۔۔" نئے ساتھی ملنے پر فریدوں نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔" وہی آدمی بڑے پیار سے بولا۔

"آپ کا تعارف؟" پہلے آدمی نے کشت یار کی طرف دیکھ کر کہا۔

کشت یار نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا تعارف کروانے کے بعد ان سے کہا اور آپ کے اسم شریف" "میرا نام فریب ہے" پہلے ساتھی نے بڑی دلفریب ادا سے کہا اور میں دھوکا ہوں" دوسرا بھی مسکراتے ہوئے بولے۔۔۔۔۔۔"آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی"

"آپ سے بھی مل کر میں اور میرے ساتھی خوش ہوئے ہیں" کشت یار نے کہا۔

"اب ہمارا سفر بہت اچھا کٹے گا" فریب بولا۔

"بالکل۔۔۔۔۔۔" دھوکہ بولا" اتنے ساتھی مل کر جو سفر کریں گے"

"کیوں نہیں" گیرو نے کہا۔۔۔۔۔۔"باتیں کرتے جائیں گے۔ تو وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوگا۔"

"ہم آپ کو بہت اچھی اچھی باتیں بتائیں گے" فریب نے کہا۔

"یہ تو اور بھی خوشی کی بات ہے" گیرو نے متشکرانہ ان کی طرف دیکھا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے" فریب نے سب سے کہا" یہاں کھڑے رہنے سے وقت ہی ضائع ہو رہا ہے"

"بالکل" کشت یار نے کہا۔

"آیئے۔۔۔۔۔۔" دھوکا بولا۔

"آپ اس راستے سے واقف ہیں۔۔۔۔۔۔" شاتم نے پہلی بار سوال کیا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔ہم تو اکثر مسرتوں کے شہر جاتے آتے رہتے ہیں'' فریب نے مسکرا کر شاتم سے کہا'' ہمارے ساتھ جانے سے آپ کی بہت سی مشکلات کم ہو جائیں گی''

''شکریہ'' شاتم بولی۔

اب دھوکا اور فریب ان سے آگے آگے چل رہے تھے۔ وہ ان سے باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

کشت یار ان کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس لیے اس نے راستہ بدلنے کی ضد بھی چھوڑ دی تھی۔

سب ان نئے ساتھیوں کے ملنے سے خوش تھے۔

وہ سب ایک دوسرے کے آگے پیچھے دشوار گزار راستے پر چلے جا رہے تھے

کہ

ایک دم ہی

دھوکا اور فریب بائیں ہاتھ کے راستے پر مڑ گئے۔

''ارے۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار کے منہ سے بے اختیار نکلا۔۔۔۔۔۔۔'' آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں۔ مسرتوں کے شہر کو یہ راستہ تو نہیں جاتا۔''

باقی سب بھی رک گئے۔ دھوکا اور فریب سیدھے راستے سے ہٹ کر دوسرے راستے پر جو چل دیئے تھے۔

کشت یار کی آواز پر فریب مسکرا کر بولا'' آپ نے کچھ کہا۔''

''ہاں'' واسقہ بولا۔۔۔۔۔۔۔'' آپ غلط طرف مڑ گئے ہیں۔ مسرتوں کے شہر کو یہ راستہ نہیں جاتا۔۔۔۔۔۔۔''

دھوکا پلٹا اور ان کے قریب آ کر خوبصورت انداز میں مسکرا کر بولا'' یہ کس نے کہا آپ سے''

''ہمارے رہبر نے کہا تھا کہ مسرتوں کے شہر کو یہی سیدھا راستہ جاتا ہے'' فیروں جلدی سے بولا۔

''اوہ اچھا۔۔۔۔۔۔۔وہ رہبر۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر رہتا ہے'' دھوکے نے معنی خیز انداز میں فریب کو دیکھا

''ہاں وہی۔۔۔۔۔۔۔کشت یار بولا۔

دھوکا اور فریب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ سب ان کا منہ تکنے لگے۔

''بھئی۔۔۔۔۔۔۔'' فریب نے معصوم صورت بناتے ہوئے کہا'' ہم لوگ وہاں اکثر جاتے آتے رہتے ہیں۔ آج بھی ہم

مسرتوں کے شہر ہی جا رہے ہیں۔ یہ جو رہبر ہے نا۔ وہ جس کو بھی بھیجتا ہے اس کٹھن راستے پر جانے کی ضرورت۔۔۔۔۔۔۔؟''

''یہ بات تو ٹھیک ہے'' کشت یار فریب کے جل میں آ گیا ''وہ پتھریلا اور ٹیڑھا میڑھا راستہ ہے۔ جبکہ یہ راستہ انتہائی خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔''

''بالکل۔۔۔۔۔'' دھوکا بولا۔ ''آپ چل کر تو دیکھیں' بڑا آرام دہ سفر ہوگا۔''

''ہم تو اسی راستے سے جائیں گے۔'' کشت یار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''واقعی جہاں تک نظر کام کرتی ہے' راستہ صاف دکھائی دیتا ہے۔''

''صرف صاف ستھرا ہی نہیں صاحب'' دھوکا سینہ تان کر بولا ''اور بھی بہت سی سہولتیں ملیں گی آپ کو۔ جگہ جگہ آرام کرنے کے لیے جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ درختوں کی گھنی اور مہکی چھاؤں ہے۔ اور ندی کا رم جھم کرتا چاندی ایسا شفاف پانی ہے''

''تو پھر چلو ساتھیو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے کہا۔ راستے کی دلکشی کی جو تصویر دھوکے نے کھینچی تھی۔ اس نے سب کو مرعوب کر دیا۔ حتیٰ کہ فریدوں جو کچھ دیر پہلے راستہ بدلنے کی تجویز پر کشت یار سے الجھ پڑا تھا۔

وہ بھی خاموش ہو گیا۔

''آیئے۔۔۔۔۔۔'' فریب نے دل آویز مسکراہٹ سے سب کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت لہرا رہی تھی۔ جسے وہ دلفریب بنانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ دھوکے نے بھی سب کو چلنے کے بہکانے والے دلفریب انداز میں کہا۔ کشت یار نے قدم اٹھایا۔ اور

سب ساتھی بھی اس کی تقلید میں اس کے پیچھے چلنے لگے۔ ایک تو دھوکے اور فریب کی دعوت ہی پرکشش تھی۔ اس پر پشتوں کے بوجھ بھی متقاضی تھے کہ وہ آسان اور آرام دہ راستے پر ہی سفر کریں۔

راستہ صاف ستھرا ہموار اور انتہائی خوبصورت تھا۔ سڑک خاصی چوڑی تھی۔ اس کے ایک طرف گھنے درختوں کے سلسلے تھے۔ پھولدار بیلیں تھیں۔ اور خوش رنگ پھولوں کے تختے کے تختے تھے۔ دوسری طرف سبک خرام ندی بڑے ترنم کے ساتھ گنگناتی بہہ رہی تھی جب ہوا کے جھونکے ندی پر سے ہو کر آتے تو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی پھوار سب کے چہروں کو چھو جاتی اب تو سب ہی خوش تھے۔ فریدوں کو افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے کشت یار کے متبادل راستہ اختیار کرنے کی خواہ مخواہ مخالفت کی تھی۔

سب ہنستے مسکراتے باتیں کرتیں دھوکے اور فریب کے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ ماحول اور فضا کے سحر سے سب مسحور تھے۔

لیکن

اچانک ہی

انہیں محسوس ہوا کہ وہ درختوں کے ایسے جھنڈروں تلے آ گئے ہیں جہاں روشنی بمشکل پہنچتی ہے اچھا خاصہ اندھیرا چھا رہا ہے۔

پھر

انہیں یہ بھی محسوس ہوا کہ زمین ان کے قدموں تلے بیٹھتی جا رہی ہے

وہ ابھی

ہراساں ہی ہو رہے تھے

کہ

انہیں فریب کا قہقہہ سنائی دیا۔ جو دھوکے کے ساتھ ایک طرف ہو کر کھڑا تھا۔

''یہ۔۔۔۔۔۔۔یہ۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار کے منہ سے نکلا۔ وہ خاصہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔

کیونکہ اس کے پیر زمین میں دھنس رہے تھے۔

''ہم کہاں آ گئے کشت یار'' گیرو کے پاؤں بھی زمین میں دھنس چکے تھے۔

''یہ تو دلدل لگتی ہے'' فریدوں اپنے پیر باہر نکالنے کی بے سود کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں۔ یہ دلدل ہی ہے'' کشت یار گھبرایا۔

''ہم۔۔۔۔۔۔۔ہم۔۔۔۔۔۔۔دلدل میں اتر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے دھوکا اور فریب سے کہا جو کنارے پر کھڑے ہنس رہے تھے۔

''ہاں یہ دلدل ہی ہے'' دھوکا خوشی سے لہرا کر بولا۔

''تم نے ہمیں دھوکہ دیا'' واسقہ چلایا۔

''میرا نام ہی دھوکہ ہے'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''تم لوگ ہمیں ادھر کیوں لے آئے'' کشت یار کی ٹانگیں اب دلدل میں اتر رہی تھیں وہ انتہائی بے چارگی سے بولا۔

''ہمارا یہی تا کام ہے'' فریب نے کہا'' ہم لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کر ادھر لے آتے ہیں اور جب وہ دلدل میں پھنستے ہیں۔ تو ہمیں بے حد خوشی ہوتی ہے''

''اور جب وہ دلدل میں غائب ہو جاتے ہیں۔ تو ہمیں اور بھی خوشی ہوتی ہے'' دھوکہ مسکرایا کشت یار واسقہ اور سب بچوں کی سٹی گم تھی۔ وہ آہستہ آہستہ دلدل میں دھنس رہے تھے۔

اچانک ہی فریدوں نے چھٹکارے کے لیے ہاتھ پاؤں چلانا شروع کئے۔ وہ بلند آواز سے دھوکے اور فریب کو کوس بھی رہا تھا۔

''کیا کر رہے ہو فریدوں۔۔۔۔۔۔'' کشت یار اس کی جدوجہد پر چیخ کر بولا'' بے وقوف کے کیا تم نہیں جانتے کہ دلدل میں ہاتھ پاؤں چلانے کا کوئی فائدہ نہیں الٹا تیزی سے دھنستے جاؤ گے۔۔۔۔۔۔''

''تو پھر ہم کیا کریں'' شاتم روتے ہوئے بولی۔

''ایک دوسرے کے موت کے منہ میں جانے کا تماشا دیکھو'' دھوکے نے ہنس کر کہا۔

''گیرو۔۔۔۔۔۔'' سیمہ نے روتے ہوئے بھائی کو پکارنے لگی۔

رملیہ کے تو منہ سے آواز تک نہ نکل رہی تھی۔ چہرہ فق تھا۔ اور ہونٹ خشک۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

''تم سب ہاتھ پاؤں چلانا چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے بلند آواز سے اپنے ساتھیوں کو متنبہ کیا'' دلدل میں دھنسنے سے دیر تک بچنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ ساری جدوجہد ترک کر دو۔۔۔۔۔۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا'' واسقہ بچوں سے بھی زیادہ خوفزدہ تھا۔ وہ ہکلا کر باتیں کر رہا تھا۔

کشت یار خود بھی موت سے خوفزدہ تھا۔ پھر بھی اس نے حواس بجا رکھنے کی پوری کوشش کی تھی اس لیے ان کی تسلی کے لیے بولا۔

''ہم فریب اور دھوکے کی چال میں آ گئے ہیں اب خدا ہی ہماری مدد کرے گا۔ ہو سکتا ہے کوئی راہ گیر ادھر سے گزرے اور ہمیں بچا لے اس کی بات پر

دھوکے اور فریب نے ملا جلا قہقہہ لگایا۔

سب پریشان سے پریشان تر ہوتے گئے۔

کشت یار کے کہنے پر انہوں نے اب ہاتھ پاؤں چلانا بند کر دیئے تھے۔ اور ان کے دھنسنے کی رفتار بلاشبہ آہستہ ہو گئی تھی۔ لیکن آہستہ ہی وہ دلدل میں دھنسے تو جا رہے تھے۔

موت یقینی تھی۔

اور

اسے اتنا یقینی اور اتنا قریب پا کر سب کا حواس باختہ ہونا فطری تھا۔

یہاں جنگلات کا سلسلہ بڑا وسیع اور گھنا تھا۔ سورج کی روشنی کسی کسی جگہ لکیر اور دھبوں کی صورت میں پڑ رہی تھی۔ ورنہ اتنا اتھاہ اندھیرا تھا کہ یہ سب لوگ ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ بھی نہ پا رہے تھے۔

سب دعائیں مانگ رہے تھے۔

اور

کسی غیبی مدد کا انتظار کر رہے تھے۔

خوف و ہراس سے سب دم بخود تھے۔

اچانک ہی کشت یار کو ایک طرف سے روشنی آتی دکھائی دی۔ کوئی آدمی لالٹین لیے کنارے کنارے چلا آ رہا تھا۔

''مدد کرو۔۔۔۔۔۔ ہماری مدد کرو۔۔۔۔۔۔ ہم دلدل میں پھنس رہے ہیں۔۔۔۔۔۔'' کشت یار زور سے چلایا۔ اب وہ سینے تک دلدل میں دھنس چکا تھا۔

''کون؟'' آدمی نے لالٹین کی روشنی اونچی کی۔

''ہم لوگ ادھر ہیں۔۔۔۔۔۔'' سیہہ نے بے اختیارانہ چلائی۔۔۔۔۔۔'' دلدل میں دھنس رہے ہیں

ہمیں بچا لو۔۔۔۔۔۔''

''بچا لو۔۔۔۔۔۔''

''بچا لو۔۔۔۔۔۔''

واسقہ سمیت سب چلا چلا کر آدمی کو بلانے لگے۔

وہ آدمی چلتے چلتے ان کی طرف آ گیا۔

''مدد کر ہماری۔ ہمیں بچا لو'' روتے ہوئے رومیلا اور شاتم بولیں۔

''تم۔۔۔۔۔۔ تم کون ہو۔۔۔۔۔۔'' آدمی نے لالٹین اونچی کر کے ان کے چہرے دیکھنے کی کوشش کی۔

''ہمیں باہر نکالیں۔ہم آپ کو بتادیں گے۔۔۔۔۔۔۔''

''لیکن تم بتاؤ تو سہی کہ تم کون ہو؟''

''یہ وقت ان باتوں کا نہیں محترم۔۔۔۔۔۔۔ پہلے ہمیں بچالیں۔'' واسقہ چلایا۔''ہم گردن تک دلدل میں اتر چکے ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں'' وہ اطمینان سے بولا''مگر۔۔۔۔۔۔۔''

''مگر کیا۔۔۔۔۔۔۔''سب روتے ہوئے چلائے۔

''پہلے یہ بتاؤ اس راستے تم لوگ جا کہاں رہے تھے۔پکا راستہ جو موجود ہے تم لوگ اس طرف سے کیوں نہیں گئے۔''

''بھئی۔۔۔۔۔۔۔''کشت یار غصے سے بھنایا''تم ہماری مدد کروگے''

''جب تک یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم لوگ جا کہاں رہے تھے۔میں مدد نہیں کروں گا۔۔۔۔۔۔۔''

پھر وہ خود ہی بولا''کہیں تم مسرتوں کے شہر تو نہیں جا رہے تھے؟''

پیشتر اس کے کہ کشت یار یا کوئی دوسرا ساتھی کچھ کہتا۔دھوکہ ایک دم بولا''واہ ہم بھلا کیوں مسرتوں کے شہر جائیں گے''

''ہمارا دماغ خراب ہے جو اتنے برے شہر میں جائیں گے''دھوکے کی تائید فریب نے بھی کی۔

سب نے حیرت سے انہیں دیکھا۔پھر وہ سمجھ گئے کہ دھوکہ اور فریب جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہے ہیں۔

''اور باقی لوگ۔''آدمی نے لالٹین کی روشنی ان سب پر ڈالی''یہ کہاں جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''ہم لوگ''مسرتوں کے شہر جا رہے ہیں''ایک ہی فریدوں بول اٹھا''

کشت یار نے گھور کر فریدوں کو دیکھا۔لیکن اب وہ سچ کہہ چکا تھا۔تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

اس لیے

وہ بھی بولا''ہم سب مسرتوں کے شہر کے راہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''ٹھیک ہے''وہ آدمی بولا۔۔۔۔۔۔۔سب کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ یہ آدمی اب ان کی مدد کرے گا۔

لیکن

ان کی مایوسی کی حد نہ رہی۔

جب

وہ آدمی دھوکہ اور فریب کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ''تم دونوں مسرتوں کے شہر نہیں جا رہے۔ اس لیے دوسرے کنارے تک جانے میں تمہاری مدد ضرور کروں میں مسرتوں کے شہر جانے والوں کی کبھی مدد نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔''

دھوکہ اور فریب خوشی سے چہک اٹھے۔

''ہم بھی یہی چاہتے ہیں اور بزرگ'' وہ بولے'' ہمیں براہ مہربانی دوسرے کنارے تک پہنچا دو۔ ان لوگوں کو دھنسنے دو دلدل میں۔۔۔۔۔۔''

''مجھے پرواہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہ مسرتوں کے شہر جا رہے ہیں۔ اس لیے میں ان کی کوئی مدد نہیں کروں گا۔۔۔۔۔۔''

''خدا کے لیے۔۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ چلائی۔

ہمیں بچالو۔۔۔۔۔۔'' شاتم اور سیہ روتے روتے چیخیں

لیکن

وہ آدمی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

دھوکہ اور فریب سے بولا۔'' آؤ میں تمہیں دوسرے کنارے پر لے چلوں۔ تم میری حفاظت میں ہو۔۔۔۔۔۔''

دونوں بے حد خوش ہوئے۔

آدمی نے اپنی کمر سے بندھی رسی کھولی۔ ایک سرا دھوکے کی طرف پھینکا اور دوسرا فریب کی طرف۔

''انہیں اپنی کمروں سے اچھی طرح باندھ لو۔۔۔۔۔۔''

وہ دونوں جلدی جلدی اپنی کمروں کے گرد رسی کو باندھنے لگے۔

''باندھ لی ہے'' وہ دونوں بولے۔

آدمی نے آگے بڑھ کر درمیانی رسی کو اپنی کمر کے گرد لپیٹ کر کہا'' اب آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے میرے پیچھے آتے جاؤ۔۔۔۔۔۔''

وہ دونوں اس کے کہنے پر آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگے۔

''اس فریدوں کے بچے نے سارا کام خراب کر دیا۔۔۔۔۔۔'' کشت یار کندھوں تک دلدل میں دھنس چکا تھا۔ کھا جانے والی

نظروں سے فریدوں کو دیکھ کر غراتا ''اچھی بھلی مدد ملی تھی۔۔۔۔۔۔۔''

''اس نے سچ بول کر غارت کر دی۔'' واسقہ بھی دانت پیستے ہوئے خونخوار نظروں سے فریدوں کا ہیولہ دیکھ رہا تھا۔

''اب یہی نکالے گا ہمیں یہاں سے'' گیرو بھی غصے سے دیوانہ ہو کر بولا۔

''تمہیں تو ایسا نہیں کہنا چاہیے گیرو۔۔۔۔۔۔۔'' موت کے منہ میں جاتے جاتے بھی شاتم نے بھائی کی طرف داری کی ''فریدوں نے سچ بولا ہے۔اور تم جھوٹ اور سچ کا تجربہ کر چکے ہو۔۔۔۔۔۔۔''

''لیکن یہاں جھوٹ بولنا ٹھیک تھا۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار جو انتہائی تکلیف میں تھا چیخا۔۔۔۔۔۔۔''

''نہیں سیہہ ہمت سے بولی'' سچ بولنا اچھی بات ہے اور گیرو ہم نے تو ہمیشہ سچ بولنے کا عہد بھی کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔۔''

''تم مرو سب'' واسقہ نے نفرت اور غصے سے پھنکار کر کہا۔

''وہ تو مر رہے ہیں'' کشت یار کی آواز بمشکل نکل پائی۔

''کیا پتہ اس سچ کے نتیجے میں ہمیں کہیں سے مدد مل ہی جائے۔۔۔۔۔۔۔''شاتم لرزتی آواز میں بولی۔

''مدد۔۔۔۔۔۔۔'' واسقہ نے ہنکارا بھرا۔۔۔۔۔۔۔''

اور پھر وہ زور زور سے مدد مدد چیخنے لگا۔لگتا تھا اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔

''کون؟''

''کون''

''کس نے میرا نام پکارا تھا۔۔۔۔۔۔۔''

''بھئی میں مدد ہوں۔ابھی کوئی مجھے بلا رہا تھا۔

''سب نے گردنیں موڑ کر بائیں ہاتھ دیکھنے کی کوشش کی۔ایک انتہائی سریلی اور مترنم آواز آ رہی تھی۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک انتہائی خوبصورت خاتون جس نے نفیس لباس پہن رکھا تھا بائیں کنارے کھڑی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک نازک سی لالٹین تھی۔جس کی روشنی بھرپور تھی۔خاتون کا چہرہ حسین ہونے کے ساتھ پرنور بھی تھا۔

''ہمیں بچا لو۔۔۔۔۔۔۔ہم دلدل میں دھنس رہے ہیں۔کوئی دم میں بالکل دھنس جائیں گے'' خاتون نے روشنی ان پر ڈالی۔

اور

پھر

جلدی سے بولی''اوہو۔تم تو گردنوں تک دھنس چکے ہو اچھا ہے تمہارے بازو باہر ہیں۔یہ جو تمہارے اوپر درخت جھکے ہیں۔یہ سچ کے درخت ہیں۔جلدی سے ان کی شاخیں پکڑلو۔

سب نے شاخوں کی طرف ہاتھ مارنا شروع کر دیئے۔موت کے منہ سے نکلنے کی سب کو خواہش تھی۔وہ جینا چاہتے تھے۔

''جلدی کرو۔۔۔۔۔۔۔ان شاخوں کو پکڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کرو۔میں مدد ہوں میری بات پر بھروسہ کرو۔تم سب کو بچانا میرا فرض ہے۔۔۔۔۔۔۔''

جس کے ہاتھ جو شاخ آئی۔اس نے پکڑلی۔

اور

پھر

سب کو یہی لگا۔جیسے یہ شاخیں از خود انہیں دلدل سے نکال رہی ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ سب کنارے پر تھے۔سچ کے درخت کی مضبوط شاخوں کو تھام کر وہ دلدل سے باہر نکل آئے تھے۔

اب وہ کیچڑ میں لت پت مدد کے سامنے کنارے پر کھڑے اس کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

وہ انکساری سے کہہ رہی تھی''آپ نے مجھے پکارا میں آ گئی۔آپ کو اس مصیبت سے نجات دلانا میرا فرض تھا۔۔۔۔۔۔''

''بہت بہت شکریہ''کشت یار بولا۔''ہم تو بالکل مایوس ہو چکے تھے۔''

''لیکن آپ لوگ اس جھوٹ کی دلدل میں پھنسے کیسے؟''

''یہ جھوٹ کی دلدل ہے''

''ہاں''

''بہت برا ہوا''

''ہم کیا کرتے۔وہ لوگ شکل وصورت سے انتہائی معصوم اور شریف دکھائی دیتے تھے۔ان کے لباس بھی شرفاء کے سے تھے۔ہم ان کی باتوں میں آ گئے۔۔۔۔۔۔۔''

''وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔شرافت اور معصومیت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔حالانکہ بدہیت اور مکروہ ہیں کہ ان کی طرف دیکھتے ہی جی مالش کرنے لگتا ہے۔وہ بدخصلت ہیں۔اور لوگوں کو دلکشی اور خوبصورتی کا جھانسا دے کر سیدھی راہ سے بھٹکا دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''ہمارے ساتھ یہی ہوا۔ہم سیدھی راہ سے بھٹک گئے''

''اسی لیے جھوٹ کی دلدل میں پھنس گئے۔۔۔۔۔۔۔''

''شکر کرو تم نے مجھے پکارا۔ورنہ۔۔۔۔۔۔۔توبہ''

سب سرتاپا کانپ گئے۔اگر واقعی مدد نہ آ جاتی تو وہ دلدل میں دھنس کر اپنی جانیں گنوا چکے ہوتے۔

''ہم آپ کے شکرگزار ہیں۔۔۔۔۔۔۔''کشت یار نے پھر شکریہ ادا کیا۔

''میں کہہ چکی یہ میرا فرض تھا''وہ ملائمت سے بولی۔

''آپ ہمیں ہمارے راستے کا پتہ بتا سکتی ہیں؟''فریدوں نے چند لمحوں بعد مدد سے پوچھا

''ہاں''وہ بولی''لیکن آپ ایسے کیسے جا سکتے ہیں۔آپ کے لباس اور جسم کیچڑ سے لت پت ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

سب نے اپنے اپنے سراپا پر نظر ڈالی۔یوں لگتا تھا۔سب نے کیچڑ کے لباس پہن رکھے ہیں۔لباس اتنے بوجھل ہو چکے تھے کہ ان سے چلنا مشکل تھا۔

شاتم نے اپنے لباس کو دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔۔یوں لگتا ہے ہم نے کیچڑ اور گیلی مٹی کے بنے ہوئے لباس پہن رکھے ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''میرے تو جوتے بھی دلدل ہی میں رہ گئے''سیہ نے اپنے ننگے اور لت پت پیروں کو دیکھا۔

''ہماری پشتوں پر لدے بوجھ پہلے ہی کیا کم تھے اس پر یہ کیچڑ کا بوجھ''واسقہ جواب تک خوفزدہ اور پریشان تھا بیزاری سے بولا۔

''شکر کرو جانیں بچ گئیں۔۔۔۔۔۔۔''کشت یار نے واسقہ کی طرف دیکھا۔

''لیکن اب اس طرح چل کیسے سکیں گے''گیرو بھی کچھ کم پریشان نہ تھا''ایک تو یہ بوجھ ہی اتنے زیادہ ہیں۔دوسرے راہ گیروں کے تمسخر کا نشانہ بنیں گے۔

مدوان کی باتیں سن کر مسکرائی۔

پھر

پیار سے بولی ''تم لوگ میرے گھر چلو۔ میں تمہارے لباس دھلوانے کا بندوبست کرتی ہوں''

''آپ؟ یہ کیچڑ سے لتھڑے لباس دھوئیں گی؟'' سب نے حیرانگی سے اس معزز خاتون کو دیکھا۔

''میرے گھر کے قریب ہی ''خدمت'' کا گھر ہے۔ وہ بخوشی آپ کے لباس صاف کردے گی۔۔۔۔۔۔۔چلیں۔۔۔۔۔۔۔

میں آپ کے نہانے دھونے کا بھی بندوبست کرتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔''

''آپ ہمارے لیے اتنی تکلیف اٹھائیں گی'' فریدوں نے کہا۔

''یہ میرا فرض ہے بیٹے'' اس نے بڑے پیار سے کہا۔

پھر

ان سب کو لے کر گھر کی طرف چل دی۔

اس کا گھر چھوٹا سا تھا۔ لیکن بڑا ہی خوبصورت۔ گھر کے اردگرد خوشنما چمن تھے۔ اور پچھلی طرف وہی ندی تھی۔ جو سڑک کے کنارے کنارے ان لوگوں نے بہتے دیکھی تھی۔

وہ سب

چمن ہی میں رک گئے۔ مدد کا صاف ستھرا گھر اپنے کیچڑ آلود پیروں سے گندہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ اخلاقی تقاضا بھی تھا۔

اور

وہ سب اس اخلاقی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے حیران بھی ہو رہے تھے۔ کتنی تبدیلیاں آچکی تھیں ان کے مزاجوں میں۔ اپنے شہر میں کب کبھی انہوں نے اخلاقی تقاضوں کی پرواہ کی تھی۔ مدد انہیں گھر کے پچھلی طرف ندی کنارے لے آئی۔

''آپ لوگ یہاں ہاتھ پاؤں دھولیں۔ میں آپ لوگوں کو چادریں لا دیتی ہوں۔ ان سے اپنے آپ کو ڈھانپ کر لباس یہیں اتار دیں۔ میں نے خدمت کو بلایا ہے۔ وہ ابھی آ کر آپ کے لباس دھو کر سکھا دے گی۔

انہوں نے چادریں لے لیں۔ ادھر ادھر درختوں کی اوٹ میں جا کر لباس اتار کر چادریں اپنے وجودوں کے گرد لپیٹ لیں۔

پھر مدد ہی کے کہنے پر باری باری سب نے ندی میں غسل کیا۔ اور اندر آتے چلے گئے۔ مدد نے ان کے لیے کھانے پینے کی چیزیں فراہم کردی تھیں۔

''آپ لوگ کھا پی کر کچھ دیر آرام کریں۔۔۔۔۔۔۔'' مدد نے کہا۔۔۔۔۔۔۔''میں آپ کے لباس دیکھتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔

خدمت ادھوری ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔"

سب کارواں رواں مدد کا شکر گزار تھا۔

وہ کمرے سے نکلی۔

تو

سب کھانے پر پل پڑے۔خوف کے جس مرحلے سے گزرے تھے۔اس نے ان کی ساری توانائی سلب کر لی تھی۔اس لیے سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔اور پھر مدد کے بتائے ہوئے کمروں میں جا کر بستروں میں لیٹ گئے۔

جلد ہی نیند نے انہیں آلیا۔

اور

وہ

کافی دیر سکون کی نیند سوتے رہے۔

سورج گوشہ مغرب میں اترنے کی تیاری کر رہا تھا۔دھوپ کے سائے ترچھے ہو گئے تھے اور ہواؤں میں خنکی قدرے بڑھ گئی تھی۔

وہ سب دھلے ہوئے لباس پہن کر تازہ دم ہو چکے تھے۔نہانے سے تکان اور خوف کا اثر زائل ہو چکا تھا۔کھانا کھانے اور سونے سے طبیعت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔اب وہ اپنا سفر دوبارہ شروع کر سکتے تھے۔

سب نے مدد کا شکریہ ادا کیا۔کشت یار نے جانے کی اجازت مانگی۔

مدد نے مسکرا کر اثباتی انداز میں سر ہلایا اور بولی۔"تم لوگ ایک خاص مقصد کے لیے یہ سفر کر رہے ہو۔اور تمہیں جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچنا ہے۔اس لیے میں تمہیں روکوں گی نہیں۔۔۔۔۔۔"

"شکریہ" گیرو بولا۔

"لیکن یہ نصیحت ضرور کروں گی کہ ہمیشہ سیدھے راستے پر چلنا۔سچ کا دامن نہ چھوڑنا اور نہ دھوکہ اور فریب جیسے کوئی اور لوگ تمہیں راستہ سے ہٹا دیں گے"

"اب ہم کسی کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔۔۔۔۔۔" فریدوں بولا۔

''خدا دھوکے اور فریب کو غارت کرے'' سیہہ نے کہا۔

''مد مسکرائی اور بولی'' وہ غارت ہوگئے۔۔۔۔۔۔۔''

''کیا مطلب؟'' تقریباً سب نے تجسس سے کہا۔

''دلدل کے اس پار سے جو آدمی لالٹین لے کر آیا تھا نا۔۔۔۔۔۔۔'' وہ بولی۔

''ہاں''

''وہ بہت چالاک اور فتنہ پرور آدمی ہے۔ اچھا کیا جو تم لوگوں نے سچ بولا اور اس نے تمہیں دلدل میں دھنسنے سے نہیں بچایا۔ اس شخص کا نام شر ہے اور وہ ایسے لوگوں کی کبھی مدد نہیں کرتا جو سچے ہوں اور کوئی نیک مقصد ان کے سامنے ہو۔ دھوکے اور فریب نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ وہ ان کو ساتھ تو لے گیا ہے لیکن اب ان کی شامت لائے گا''

''اچھا؟''

''ہاں وہ اب انہیں اپنا نوکر بنا لے گا۔ اور وہی کچھ ان سے کروائے گا۔ جو وہ چاہتا ہے'' رمیلہ نے خوشی سے تالی بجائی اور پھر بھائی سے لپٹ کر بولی ''فریدوں نے تم نے سچ بولا۔ اور اس سچ کی بدولت ہم سب بچ گئے''

''ہاں'' کشت یار نے بھی فریدوں کو داد دی۔ اسے اپنے رویے پر جو اس نے فریدوں کے سچ بولنے پر اختیار کیا تھا قدرے ندامت محسوس ہوئی۔

تھوڑی دیر وہ کھڑے باتیں کرتے رہے۔

خدمت بھی ادھر ہی آ گئی۔ وہ بھی ایک اچھی اور نیک سیرت عورت تھی۔ سب نے اس کا بھی شکریہ ادا کیا۔

''اب جاؤ۔۔۔۔۔۔۔'' مد نے انہیں راستہ بتانے کے بعد کہا'' تمہارا خدا حافظ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

''شکریہ'' سب بولے۔

اور

پھر

خدا حافظ کہتے ہوئے اس راستے پر چل دیئے جو سیدھے راستے کو جاتا تھا سب مد اور خدمت سے متاثر ہوئے تھے۔ کافی دیر وہ انہیں کی باتیں کرتے رہے سب نے تہیہ کر لیا کہ وہ مد اور خدمت جیسا بننے کی پوری کوشش کریں گے۔

رات اتر آئی تھی۔ ادھورا چاند اپنی ناتمام روشنی بکھیر رہا تھا چاندنی کا اجالا میلا میلا تھا۔

پھر بھی

وہ اس ناتمام روشنی میں اپنے سفر پر رواں دواں تھے۔ تینوں لڑکیاں آگے آگے تھیں۔ فریدوں اور گیروان کے پیچھے تھے۔ کشت یار سب سے پیچھے تھا۔ کیونکہ اسے واسقہ کے لیے بار بار رکنا پڑتا تھا۔

واسقہ

جو ابھی تک اپنے آپ کو دلدل کے خوف سے چھٹکارا نہیں دلا پایا تھا۔ اس کا حوصلہ ٹوٹ گیا تھا اور ہمت جواب دے رہی تھی۔

ایک بار پھر اس پر جھنجھلاہٹ طاری تھی

اور

وہ اس وقت کو دل ہی دل میں کوس رہا تھا۔ جب اس سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار ہوا تھا۔

مہیب، صعف اور موہین کی خوش قسمتی پر اسے رشک آ رہا تھا۔ جنہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اور اب چین و آرام سے گھروں میں تھیں۔ صعف تو بہت ہی عیش میں ہوگی۔ وہ اس کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔

''بھئی واسقہ ذرا تیز رفتاری پہ آ جاؤ'' کشت یار نے پلٹ کر دیکھا۔ واسقہ بے دلی اور سست روی سے چلا آ رہا تھا۔

''اس سے تیز مجھ سے نہیں چلا جاتا'' واسقہ پھنکارا۔

''بھئی دیکھو تو۔ تم سے تو بچے اچھے ہیں۔ کیسے اچھلتے کودتے چلے جا رہے ہیں''

''جہنم میں جائیں بچے۔'' واسقہ بولا۔

کشت یار چپ چاپ کھڑا رہا۔ واسقہ برہم تھا۔ وہ بات زیادہ بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

وہ قریب آیا تو کشت یار بھی چلنے لگا۔

دونوں نے پھر کوئی بات نہ کی۔ خاموشی سے سفر کرنے لگے۔

وہ دونوں سر جھکائے چلے جا رہے تھے۔

کہ

اچانک ہی انہیں رمیلہ کی چیخ نما آواز سنائی دی۔

کیا ہوا۔۔۔۔۔۔فریدوں اور گیرو دوڑے۔۔۔۔۔۔لیکن انہوں نے دیکھا۔۔۔۔۔۔تینوں لڑکیاں سرپٹ واپس بھاگی چلی آ رہی تھیں۔

کیا ہوا۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟'' کشت یار نے قدم آگے بڑھائے۔

''وہ۔۔۔۔۔۔وہ گھڑ سوار۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ ہکلائی

سنو آوازیں آ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔''سیمہ نے گھبرا کر کہا۔

کیسی آوازیں۔۔۔۔۔۔''فریدوں نے رمیلہ کا کندھا ہلایا۔

''کچھ گھڑ سوار ادھر آ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔''شاتم گھبرائی آواز میں بولی۔

''آ رہے ہیں تو کیا ہوا۔۔۔۔۔۔'' گیرو بولا ''کوئی گھڑ سوار ہوں گے۔۔۔۔۔۔ادھر سے گزر رہے ہوں گے''

''ان کے ہاتھوں میں تلواریں چمک رہی تھیں۔۔۔۔۔۔''شاتم نے کہا۔

''اور نیزے بھی تھے۔۔۔۔۔۔''سیمہ بولی۔

تم نے خود دیکھے'' کشت یار بولا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔وہ تلواریں لہراتے ہوئے آ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ نے کہا۔

اوہ۔۔۔۔۔۔'' واسقہ کا رنگ ایک دم ہی پیلا پڑ گیا۔۔۔۔۔۔''موت۔۔۔۔۔۔موت۔۔۔۔۔۔''

''ڈرو نہیں واسقہ'' کشت یار خود بھی ڈر رہا تھا۔۔۔۔۔۔لیکن واسقہ کو تسلی دینے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔''

''وہ۔۔۔۔۔۔وہ ہمیں مار ڈالیں گے۔۔۔۔۔۔'' واسقہ ہکلا رہا تھا۔

اب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں ان سب کو ہی سنائی دینے لگی تھیں۔سب کے چہرے سپید پڑ گئے تھے۔۔۔۔۔۔موت کے منہ میں ایک بار جا چکے تھے۔اس لیے کوفت واذیت کا انہیں اندازہ تھا۔

آوازیں قریب آ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔پندرہ بیس گھڑ سوار ادھر ہی آ رہے تھے۔ان کے نیزوں کی انیاں چمک رہی تھیں۔اور ننگی تلواریں جب وہ گھماتے تو لگتا تھا بجلیاں چمک رہی ہیں

''یہ۔۔۔۔۔۔یہ موت ہے۔موت ہے'' واسقہ الٹے پاؤں بھاگا

''اسے پکڑو۔۔۔۔۔۔۔کہاں بھاگ رہا ہے'' کشت یار نے کہا۔

فریدوں اور گیرو واسقہ کو پکڑنے کے لیے دوڑے۔

لیکن

اس نے ان کے ہاتھ جھٹک دیئے۔۔۔۔۔۔۔میں نہیں جاؤں گا تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔وہ ہمیں مار ڈالیں گے''

''ایسے ہی مار ڈالیں گے'' گیرو نے جی کڑا کر کے کہا۔۔۔۔۔۔۔حالانکہ مارے جانے کا خوف اسے بھی تھا

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔ایسے ہی مار ڈالیں گے۔۔۔۔۔۔۔ان کے ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ میں نہیں مرنا چاہتا میں باز آیا مسرتوں کے شہر جانے سے مجھے کچھ ضرورت نہیں ہے۔

میں اس بوجھ کے ساتھ بھی جی لوں گا۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔۔مجھے چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔۔''

اس نے دونوں سے اپنے آپ کو چھڑایا اور سرپٹ دوڑتا واپس چلا گیا۔

کشت یار'' گیرو نے روہانسی اور سہمی ہوئی آواز میں کہا'' واسقہ نہیں رکا''

''وہ ہمیں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے'' فریدوں نے کہا۔

کشت یار کو اپنے ساتھی کے بچھڑ جانے کا افسوس بھی ہوا۔ لیکن سر پر جو مصیبت آئی کھڑی تھی اس نے اس وقت اسے کچھ زیادہ سوچنے نہیں دیا۔

''وہ۔۔۔۔۔۔'' وہ قریب آ رہے ہیں'' رمیلہ نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں فریدوں نے بڑھ کر اسے لپٹا لیا۔

شاتم اور سیمہ نے گیرو کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

اب گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں اور تلواروں کی جھنکار صاف طور پر سنائی دے رہی تھی۔ وہ لوگ منہ سے بھی عجیب وغریب آوازیں نکال رہے تھے۔

سب کے دل ہول رہے تھے۔

رنگ سپید پڑ گئے تھے۔

ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی تھی

اور

حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔

موت سامنے سے للکارتی جو آ رہی تھی

''بھاگ نہ چلیں۔۔۔۔۔۔'' اچانک ہی گیرو نے جست لگائی۔

''بیوقوف نہ بنو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے ان کی کلائی پکڑلی'' بھاگنے سے فائدہ۔۔۔۔۔۔

''ہم جانیں بچانے کی کوشش تو کر سکتے ہیں نا'' گیرو کی جگہ سیہہ نے کہا۔

''پگلی۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے خوفزدہ ہونے کے باوجود انہیں سمجھانے کی خاطر نرم لہجہ اختیار کیا۔۔۔۔۔۔'' وہ سب گھوڑوں پر سوار ہیں۔ ہم واپس بھاگے بھی تو وہ چند لمحوں میں جالیں گے''

''تو پھر ہم کیا کریں۔۔۔۔۔۔'' شاتم روہانسی ہو کر بولی۔

''چپ چاپ کھڑے رہو سب'' کشت یار نے کہا'' ہمارا راستہ مصائب اور مشکلات سے پر ہے۔۔۔۔۔۔ یہی ہمیں سبق سکھاتی ہیں۔ خدا نے ہر بار ہماری مدد کی ہے۔ اب بھی وہی ہماری مدد کرے گا۔۔۔۔۔۔ تم سب خدا سے دعا کرو۔۔۔۔۔۔''

سب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگنے لگے۔ وہ گردنیں موڑ موڑ کر ان گھڑسواروں کو بھی دیکھتے جاتے جو قریب آتے جا رہے تھے۔ اور اب تو چند گز فاصلہ ہی رہ گیا تھا۔

ان سب کو موت اپنے اتنے قریب نظر آئی تو سب کی آنکھیں خوف سے از خود بند ہو گئیں۔

''کشت یار نے بھی بے بسی کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں

یکدم ہی آوازیں بند ہو گئیں۔

وہ گھڑسوار چند گز کے فاصلے پر رک گئے تھے۔ اور ان میں سے ایک سوار اتر کر ان کی طرف آ رہا تھا۔

آوازیں بند ہوئیں۔ تو سب نے آنکھیں کھول دیں۔ کشت یار جو سب سے آگے تھا۔ اس نے بھی آنکھیں کھول دیں۔

''کون ہو تم لوگ'' قریب آنے والا سوار نرم لہجے میں بولا۔

کشت یار کا حوصلہ نرم لہجے سے کچھ بندھا اور وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا'' ہم مسافر ہیں۔۔۔۔۔۔''

''اتنی رات گئے کیوں سفر کر رہے ہو کہیں ٹھکانہ کیوں نہیں بنایا'' اس نے اسی لہجے میں پوچھا

تو

کشت یار نے دھوکہ اور فریب کی ریاکاری اور اپنے دلدل میں دھنسنے کا قصہ اسے سناتے ہوئے مدد اور خدمت کا ذکر بھی کیا۔اس نے مدد اور خدمت کی بہت تعریف کی۔

کشت یار کی بات ختم ہوتے ہی وہ بولا۔''تمہارا وہ ساتھی کیوں بھاگ گیا؟''

کشت یار کی کھسیانہ ہو کر بولا۔''وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔سمجھا تھا۔شاید تم ہمیں مار ڈالو گے۔۔۔۔۔۔''

سوار کے چہرے پر حیرت پھیل گئی''ہم تمہیں کیوں ماریں گے۔اور وہ بھی بلا وجہ؟''

''دراصل''کشت یار اب سنبھل چکا تھا''تم لوگ جس انداز سے آ رہے تھے۔تلواریں اور نیزے لہراتے۔تو اس سے یہی تاثر ملتا تھا کہ تم

وہ کشت یار کی بات کاٹتے ہوئے بولا''پھر تم کیوں نہ بھاگے اور یہ بچے بھی یہیں کھڑے رہے؟''

''ہمیں یقین تھا کہ تم لوگ ہمیں نہیں مارو گے۔اور ہمارے ساتھی کا یقین کمزور تھا۔

سوار مسکرایا

تو

کشت یار نے ہمت کر کے پوچھا''تم کون لوگ ہو؟''

''وہ مسکرایا اور بولا۔''ہم؟''

''ہاں''

''ہم اس علاقے کے پہریدار ہیں۔اس سارے علاقے کا مالک''یقین''نامی آدمی ہے۔ہم دن رات ان علاقوں میں پہرہ دیتے ہیں۔تاکہ کوئی ایسا آدمی ادھر نہ آ نکلے جو ہمارے مالک کو نقصان پہنچائے۔رات کو ہمارا پہرہ ہوتا ہے۔دن کو دوسرے دستے کا۔

اب تم لوگ اس راستے پر آ نکلے ہو۔تو پوچھ گچھ تو ہمارا فرض ہے نا۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔''کشت یار نے کہا۔''بالکل''

''ہم تمہاری طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔۔''وہ سوار بولا۔

کشت یار نے صرف اس کی طرف دیکھا۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''جانتے ہو کیوں''

کشت یار نے نفی میں سر ہلایا تو سوار ملائم لہجے میں بولا۔ ''اس لیے کہ تم جھوٹ کی دلدل سے سچ کی شاخوں کے سہارے نکل کر آ رہے ہو۔ اور ہم جانتے ہیں کہ جھوٹ کی دلدل سے نکل کر آنے والے جھوٹ نہیں بولتے۔ تم نے جھوٹ کا سہارا لیا ہوتا تو اب اس راستے پر نہ ہوتے۔ دلدل میں دھنس چکے ہوتے یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہوتے۔۔۔۔۔۔''

سب کو دھوکہ اور فریب یاد آ گئے۔ جواب شر کے چنگل میں پھنس چکے تھے۔

''اب تم لوگ جا سکتے ہو۔۔۔۔۔۔'' سوار بولا۔

''شکریہ'' کشت یار نے بڑی انکساری سے کہا۔

''لیکن تمہارا وہ ساتھی؟''

''وہ اب واپس نہیں آئے گا''

''تو کیا تم اس کے بغیر سفر کرو گے''

کشت یار نے افسردہ لہجے میں کہا'' وہ کوئی پہلا ساتھی تو نہیں جو ہمیں راہ میں چھوڑ گیا۔

''وہ کون تھے۔ اور انہوں نے کیوں تمہارا ساتھ چھوڑا'' وہ سوار بولا۔

اب گیرد اور فریدوں کو بھی سنبھل گئے تھے۔ اس لیے وہ بھی اس کے قریب آ گئے سب نے باری باری مہیب ضعف اور موہن کے متعلق اسے بتایا۔

''شکر کرو۔۔۔۔۔۔'' سوار بولا ''تم نے اپنا سفر نہیں چھوڑا۔ ورنہ تم بھی ان لوگوں کی طرح پچھتا رہے ہوتے جو تمہیں چھوڑ چکے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''لیکن ضعف تو یقیناً نہیں پچھتا رہی ہو گی'' وہ تو جیسے آرام اور آسائش کی عادی تھی۔ اس سے زیادہ اسے سستی اور کاہلی کے ہاں مل گیا ہو گا''

''ہرگز نہیں'' سوار بولا ''میں ان دونوں بہنوں کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں وہ بلا کی ہوشیار اور چالاک ہیں۔ آرام اور تساہل پسند لوگوں کو اسی طرح اپنے دام میں پھنساتی ہیں۔ اور پھر۔۔۔۔۔۔''

"پھر" سب کے منہ سے تجسس سے نکلا

"پھر۔۔۔۔۔۔ وہ اس پر ظلم کی بھرمار کر دیتی ہیں۔ اپنی خادمہ بنا کر عمر بھر اس سے کام لیتی ہیں ایک پل چین نہیں لینے دیتیں۔۔۔۔۔۔"

"ہائے۔۔۔۔۔۔" لڑکیاں خوفزدہ ہو کر بولیں۔۔۔۔۔۔ "صحف کا بھی یہ حال ہو گا۔"

"بزدل اور بے یقین لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ تمہارے اس بھاگنے والے ساتھی کا بھی برا حال ہو گا۔ وہ اپنے شہر پہنچ بھی گیا۔ تو اس کا کب اسے ہمیشہ خفت اور شرمندگی سے دوچار رکھے گا۔ وہ لوگوں کے تمسخر کا نشانہ بنے گا۔ کتنی بری بات ہے"

"ہاں"

"تم خوش نصیب ہو۔ جو اپنی منزل تک پہنچنے کی لگن اب تک تمہارے دلوں میں قائم ہے۔"

تم نے ہر مصیبت کا ڈٹ کا مقابلہ کیا ہے۔ تم اپنی منزل تک ضرور پہنچو گے۔ اپنا یقین سلامت رکھنا۔۔۔۔۔۔"

"بالکل۔۔۔۔۔۔" کشت یار نے کہا۔ "ہماری پشتوں کے بوجھ جب تک غائب نہیں ہو جاتے۔ ہم حوصلہ ہمت اور یقین قائم رکھیں گے۔"

"شاباش" وہ بولا۔۔۔۔۔۔ "اب تم بے دھڑک اپنے سفر پر نکل جاؤ"

"شکریہ"

سب نے کہا۔ سوار مڑا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔

وہ سب ایک طرف کو نکل گئے

کشت یار اور پانچویں بچے انہیں جاتا دیکھتے رہے۔ وہ اب ان سے دہشت زدہ نہیں تھے۔ اب ان لوگوں کو اپنی منزل پا لینے کا پورا یقین آ گیا تھا۔

وہ بھی

اب

سفر پر بھی روانہ ہو گئے۔ راستے میں سب واسقہ ہی کی باتیں کر رہے تھے۔ جو آدھے سے زیادہ سفر طے کر لینے کے باوجود بزدلی کھا کر بھاگ گیا تھا۔

راستہ سنسان سے سنسان تر ہوتا جا رہا تھا۔ ہر طرف تاریکی کا دور دورہ تھا ویسے بھی راستہ درختوں سے ڈھکا تھا۔ اس لیے چاند کی ادھوری روشنی بھی نہیں آ رہی تھی کہیں کہیں جہاں درخت ذرا کم گھنیرے ہوتے وہاں چاندنی قدرے دھندلائی ہوتی۔۔۔۔۔۔۔ یہاں وہ ایک دوسرے کے سائے دیکھ سکتے تھے۔

''بہتر ہے کہ تم ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے بوجھل آواز میں کہا۔ اسے واسقہ کے جانے کا بے حد افسوس تھا۔ اسی وجہ سے مزاج میں تناؤ سا آ رہا تھا۔ ان پانچ بچوں کا ساتھ اک بوجھ لگ رہا تھا۔ آپوں آپ ان کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر آن پڑی تھی

بچے اندھیرے کے باوجود باتیں کرتے ہنستے مسکراتے لڑتے جھگڑتے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ وہ کشت یار سے نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ نہ ہی مانگ رہے تھے۔ پھر بھی کشت یار کبھی ان کے قہقہوں سے جھلا جاتا کبھی لڑنے جھگڑنے سے تنگ آ جاتا۔

اب اس نے بچوں سے ہاتھ پکڑ کر چلنے کو کہا۔ تو بچوں کو بھی اس کا خیال آیا۔ فریدوں جواباً بولا۔ ''ہم ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اور صحیح راستے پر چل رہے ہیں

''البتہ رات بہت گہری ہوگئی ہے۔'' شاتم نے کہا۔

''کیا یہ بہتر نہ تھا کہ ہم اس گھڑ سوار ہی سے کہتے کہ رات گزارنے کے لیے ہمیں ٹھکانہ مہیا کردے۔'' گیرو بولا۔

''یہ تو کشت یار کو کہنا چاہیے تھا'' فریدوں نے کہا۔

''ساری ذمہ داری تو کشت یار ہی کی ہے نا۔۔۔۔۔۔'' کشت یار بے حد تلخ لہجے میں بولا۔

''تم لوگ منہ سے کیوں نہ پھوٹے۔۔۔۔۔۔''

فریدوں نے گیرو کا ہاتھ دباتے ہوئے کشت یار کے لہجے کی تلخی کا احساس اسے دلایا گیرو آہستگی سے بولا ''اسے کیا ہو گیا؟''

''پتہ نہیں۔۔۔۔۔۔'' فریدوں نے کندھے اچکائے۔

''بھئی اسے ہم سے اس طرح باتیں نہیں کرنا چاہئیں'' گیرو بولا۔

''اس کی مرضی جیسے چاہے باتیں کرے۔ تم کون ہوتے ہو ایسا کہنے والے۔''

فریدوں نے سختی سے کہا۔

''ہم نے انہیں اپنا سردار بنا رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔'' گیرو غصے سے بولا۔

''تو کرو تم ہی اس سے بات'' فریدوں نے تنگ آ کر کہا۔

''مجھے اس سے بات کرنا ہی پڑے گی'' گیرو ہٹ دھرمی سے بولا۔''آخر رات ہمیں کہیں رک کر ہی گزرنا ہے۔ بھوکے پیاسے رات بھر چلنے سے تو رہے۔۔۔۔۔۔۔''

''ہوں'' فریدوں نے صرف یہی آواز نکالی۔

گیرو رخ پیچھے موڑ کر کشت یار سے مخاطب ہوا ''رات بھر چلنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''بکواس بند کرو۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے غصے سے کہا۔۔۔۔۔۔۔''میں پہلے ہی کچھ کم پریشان نہیں اوپر سے رات بسر کرنے کا انتظام اور کھانے پینے کی فکر بھی میں ہی کروں۔۔۔۔۔۔''

''تو۔۔۔۔۔۔'' گیرو حیرانگی سے بولا۔

''میں نے کہا نا چپ رہو۔۔۔۔۔۔۔''

''تو یہ مسئلہ کیسے حل ہوگا۔۔۔۔۔۔''

''جہنم میں جائیں تمہارے مسئلے''

''یہ مسئلہ صرف ہمارا ہی نہیں تمہارا بھی ہے کشت یار۔۔۔۔۔۔''

کشت یار کا غصہ بھڑک اٹھا۔ وہ زور سے چلایا۔۔۔۔۔۔۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے میری اکیلی جان ہے۔ تم لوگ ہی میری جان کو آرہے ہو۔۔۔۔۔۔۔ میں اکیلا ہوتا۔ تو اب تک کہاں کا کہاں پہنچ گیا ہوتا۔۔۔۔۔۔۔''

گیرو حیرت زدہ تھا۔۔۔۔۔۔۔

کشت یار بڑبڑ کر رہا تھا۔ بچوں پر اسے بے طرح غصہ آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ یہ بچے ساتھ نہ ہوتے تو وہ اب تک مسرتوں کے شہر پہنچ بھی چکا ہوتا۔ اس سے اسے بچے اک بہت بڑی مصیبت لگ رہے تھے۔

کشت یار کی بڑبڑاہٹ بچوں کی سمجھ میں تو نہ آئی۔ ہاں وہ اس بات سے کچھ خوفزدہ سے ضرور ہو گئے۔

گیرو کو سیمہ نے بھی سرگوشی کے لہجے میں کہا'' کیوں اس کے منہ لگ رہے ہو۔ وہ غصے میں ہے''

''تو میں کیا کروں'' گیرو اب بھی جھلایا ہوا تھا۔

''گیرو۔۔۔۔۔۔۔ خاموش رہو۔ اسی میں بہتری ہے فریدوں بڑوں کے سے لہجے میں بولا۔

جانتے ہو اب کشت یار ہی ہمارے ساتھ رہ گیا ہے۔ سب بڑے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ یہ ہمارا آخری سہارا ہے۔ یہ بھی چلا گیا تو سوچو ذرا۔ ہم اکیلے کہاں جائیں گے''

''ہاں گیرو'' سیمہ ڈر کر بولی ''ہم سب بچے ہیں۔ ہمارا سرپرست کسی بڑے ہی کو ہونا چاہیے''

''کشت یار بھی ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ تو ہم ڈر کے مارے مرجائیں گے'' شاتم بولی رسیلہ بہن کے ساتھ لگتے ہوئے بولی ''ہم کشت یار کے ساتھ ہی رہیں گے''

گیرو ان کی باتیں سن کر چپ ہو گیا۔

کشت یار اب بھی برافروختہ تھا۔ وہ ان بچوں سے پیچھا چھڑانے کا ہی سوچ رہا تھا۔ بچے اسے ہمیشہ سے برے لگتے تھے۔ وہ حیران تھا کہ سفر کے دوران وہ کیسے ان کے درمیان رہا۔

چونکہ

اب وہ اکیلا ہی رہ گیا تھا۔ اپنے سب ساتھی چھوڑ گئے تھے۔ اس لیے اس کی سوچیں بھی منفی ہوتی جارہی تھیں۔ کبھی سوچتا وہ بھی واپس واستھ کے پیچھے لوٹ جائے

اور

کبھی

سوچتا

ان بچوں سے جان چھڑا کر بھاگتا دوڑتا سیدھے راستے پر چلا جائے اور اپنے نصب العین کو پالے۔

وہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔ خیالوں کی ادھیڑ بن ہی میں تھا کہ شاتم کی آواز آئی۔

''بارش آرہی ہے''

کشت یار اسے ڈانٹ کر چپ کرانا ہی چاہتا تھا کہ چند بوندیں اس پر بھی پڑیں وہ کھردرے لہجے میں بولا ''ہاں۔۔۔۔۔۔۔''

''تو اب کیا کریں۔۔۔۔۔۔۔'' بادل کی گرج سنتے ہی سیمہ بولی۔

''کسی گھنے پیڑ تلے پناہ لے لو۔۔۔۔۔۔'' بجلی چمکی تو کشت یار نے کہا۔

آناً فاناً بارش تیز ہوگئی۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج سے دل ہول کھانے لگے۔

''جلدی کرو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار چلایا۔۔۔۔۔۔'' کوئی گھنا پیڑ دیکھ کر اس کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔۔۔۔۔۔''

''اندھیرا ہے کیسے درخت تلاش کریں۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ نے کہا۔

گیرو اور فریدوں ادھر ادھر درخت دیکھ رہے تھے۔ اچانک ہی بجلی چمکی تو انہیں ایک چھتر دار گھنا درخت نظر آیا۔

''وہ رہا۔۔۔۔۔۔'' گیرو چلایا۔

''چلو جلدی کرو۔ بارش بہت تیز ہے'' کشت یار نے اندھیرے میں جس کا ہاتھ لگا پکڑ لیا۔

ایک دوسرے کو تقریباً گھسیٹتے سب اس گھنے پیڑ تلے آن کھڑے ہوئے۔

''کیا مصیبت ہے'' کشت یار بڑبڑایا۔

''ہم مصیبتیں جھیلنے کے اب عادی ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔۔'' گیرو نے کہا۔

''پتہ ہوتا اتنی مصیبتیں آن پڑیں گی تو ہم اس سفر پر نکلتے ہی نہیں'' سیمہ بیزاری سے بولی۔

''تو کیا ہمیشہ کے لیے پشتوں پر یہ بوجھ لادے رہتیں؟'' شاتم نے کہا۔

کیا فرق پڑتا۔ ہم عادی ہو جاتے۔۔۔۔۔۔''

''ہونہہ۔۔۔۔۔۔ لگتا ہے تم بھی ہمت ہار رہی ہو۔۔۔۔۔۔''

''ہمت ہارنے کی کیا بات۔ اب دیکھو رات اتنی اندھیری ہے۔ سونے کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ بھوک الگ ستا رہی ہے اوپر سے یہ بارش۔ دن کو بارش ہو جاتی تو کیا فرق پڑتا۔۔۔۔۔۔''

''دن میں بھی تو کسی پیڑ تلے ہی رکنا پڑتا۔۔۔۔۔۔''

''کیوں۔۔۔۔۔۔ دن میں کوئی ٹھکانہ تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔۔۔۔۔۔''

''اب کیا تکلیف ہے۔ بارش ہم پر تھوڑا ہی پڑ رہی ہے''

''تمہیں آرام ہوگا۔ مجھے تو تکلیف ہی تکلیف ہے''

دونوں آپس میں الجھنے لگیں۔ ان کی آوازیں کشت یار نے سنیں تو غصے سے بولا اب یہ بک بک بند بھی کرو۔ جب دیکھو لڑائی۔ جب دیکھو جھگڑا۔ تم بچوں نے آرام سے رہنا نہیں سیکھا۔۔۔۔۔۔''

بچے ہیں کشت یار۔۔۔۔۔۔۔اور پھر ادھر ہم لوگ لڑتے ہیں ادھر صلح بھی کر لیتے ہیں"

فریدوں بولا۔

"تم بڑوں کی طرح ہم سنجیدگی سے تھوڑا ہی لڑتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"شاتم نے جھٹ سے بھائی کی طرف داری کی

"بالکل"سیبہ بھی کہہ اٹھی۔

"بکواس بند کرو۔۔۔۔۔۔۔"انتہائی غصیلے لہجے میں کشت یار چلایا۔اسے تو ان بچوں کی ہر بات پر غصہ آ رہا تھا۔

بچے ڈر گئے۔گیرو نے سیبہ کو ٹھوکا مار کر خاموش رہنے کو کہا۔لیکن اندھیرے میں ٹھوکا سیبہ کی بجائے رمیلہ کو لگ گیا۔

وہ

زور سے چیخی اور لڑنے کے انداز میں بولی"کس نے مجھے مارا ہے۔یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔۔۔۔۔۔"

کشت یار بیزار ہو گیا۔وہ چند قدم پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔یہ بچے اس کے لیے گام گام پر مصیبت کھڑی کر رہے تھے۔

بجلی چمکی تو سب نے دیکھا کہ کشت یار ان سے ہٹ کر کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا ہے اور اس نے ان سب سے منہ بھی پھیر رکھا ہے۔

اس بار

وہ

پھر

سہم گئے۔

"ایسا نہ ہو کشت یار ہمیں اس ویرانے اور اندھیرے میں چھوڑ کر غائب ہو جائے"

فریدوں نے گیرو کے کان میں ہولے سے کہا۔

"ہاں کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔"

"بھئی ان لڑکیوں کو سمجھاؤ۔۔۔۔۔۔۔اب لڑیں جھگڑیں نہیں۔۔۔۔۔۔۔"

"تم اپنی بہنوں کو سمجھاؤ۔۔۔۔۔۔۔میں اپنی بہن کو سمجھاتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے"

گیرو نے سیبہ کو پکارا وہ قریب آئی۔تو اس کا ہاتھ تھام کر اس نے موقعہ کی مناسبت اور نزاکت سے اسے آگاہ کیا۔۔۔۔۔۔۔"

اب بالکل چپ رہنا۔ کشت یار کا پارہ چڑھا ہوا ہے۔ وہ ہمیں کہیں چھوڑ کر چلا گیا تو ہم کیا کریں گے۔ لڑائی جھگڑا بالکل بند۔۔۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے شاتم سے بھی کہہ دو۔ میرے منہ نہ لگے۔ ویسے بھی مجھے نیند آ رہی ہے اور طبیعت خراب ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔"

"شاتم اور رمیلہ کو فریدوں سمجھا رہا ہے۔ ہمیں مل جل کر یہ سفر طے کرنا ہے۔"

"ہاں گیرو۔ میں جانتی ہوں۔ پر پتہ نہیں بات بات پہ کیوں غصہ آ رہا ہے۔۔۔۔۔۔"

گیرو مزاحیہ انداز میں بولا۔ "لگتا ہے یہ غصہ صاحب کا علاقہ ہے۔"

"ہاں ہوگا۔ جبھی تو کشت یار کو بھی بات بات پہ غصہ آ رہا ہے۔ اتنے دنوں تو ہم نے اسے غصے میں نہیں دیکھا۔۔۔۔۔۔"

"چلو اب تم محتاط رہنا۔۔۔۔۔۔"

"اچھا۔۔۔۔۔۔"

گیرو کی طرح فریدوں نے بھی بہنوں کو سمجھا دیا کہ آئندہ وہ کشت یار کے سامنے آپس میں لڑیں جھگڑیں نہیں۔

شاتم اور رمیلہ نے بھی نہ لڑنے کا وعدہ کر لیا۔

پھر

وہ سب آپس میں ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے۔ بارش زوروں کی ہو رہی تھی۔ بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج بھی زوردار تھی۔ اس لیے انہیں یقین تھا۔ کہ کشت یار انہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔

"لگتا ہے بارش رک گئی ہے" کشت یار نے پیڑ تلے سے نکل کر فضا میں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اکا دکا بوندیں اب بھی پڑ رہی ہیں" گیرو نے بھی اس کی تقلید میں ہتھیلی پھیلا دی۔

"ہاں۔ لیکن بارش کا طوفان تھم چکا ہے" کشت یار بولا۔

"ابھی بادل گرج رہے ہیں" شاتم بولی۔

"ارش تو رکی ہے نا" کشت یار بیزاری سے بولا "میں جاتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

"کہاں" سب بچے بے اختیارانہ اس کی طرف بڑھے۔

''کوئی ٹھکانہ ڈھونڈوں' ہو سکتا ہے اردگرد کوئی مکان نظر آ جائے۔ آخر رات تو بسر کرنی ہے۔۔۔۔۔۔۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔۔۔۔۔۔''

''اور ہم۔۔۔۔۔۔'' وہ روہانسے ہو گئے

''سب کو ایسے موسم میں کہاں گھسیٹتا پھروں گا۔ تم سب ادھر ہی رکو۔ میں جا کر جگہ تلاش کرتا ہوں۔ کوئی ٹھکانہ مل گیا تو تمہیں آ کر لے جاؤں گا''

''گیرو۔۔۔۔۔۔'' سیمہ نے بھائی کا کندھا تھام لیا۔

''فریدوں'' شاتم اور رمیلہ بھی بھائی سے لپٹ گئیں۔

''میں ابھی جا رہا ہوں کہیں پھر بارش نہ آ جائے۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے جانے کو قدم اٹھایا۔ ''کشت یار جلدی آ جانا۔۔۔۔۔۔'' رمیلی بیچارگی سے بولی۔

''کشت یار کو خوفزدہ بچی پر ترس آ گیا۔ رک کر بولا۔ ''میں تم لوگوں کی خاطر ہی جا رہا ہوں۔ جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔ سب ادھر ہی رہنا''

اس کے لہجے کی تبدیلی سب نے محسوس کی۔ کچھ سہارا ملا۔ سب ایک دوسرے کے قریب قریب کھڑے رہے۔

کشت یار قدم اٹھاتا وہاں سے چل دیا۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا جا رہا تھا کہ کہیں کوئی مکان نظر آ جائے۔ تو وہ رات بسر کرنے کے لیے ٹھکانہ بنا لے۔ اور کچھ کھانے پینے کے لیے بھی حاصل کر لے۔

وہ کافی دور نکل گیا۔

دائیں مڑ

بائیں دیکھا

اسے جدھر بھی کچھ روشنی دکھائی دیتی وہ ادھر ہی چل پڑتا۔

کافی دیر بعد

اسے

ایک مکان نظر آیا جس میں روشنی تھی۔

وہ ادھر ہی لپکا۔

یہ درمیانے درجے کا مکان تھا۔لکڑی کا دروازہ بند تھا۔کھڑکیوں سے روشنی کی لکیریں سڑک پر پڑ رہی تھیں۔

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا

''کون'' کسی خاتون کی آواز آئی۔

اور

ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔

کشت یار نے دیکھا ایک اونچی لمبی خوبصورت عورت دروازے میں کھڑی تھی۔ اس نے خوش رنگ لباس پہن رکھا تھا۔ اور چہرے کی زیبائش و آرائش کی ہوئی تھی وہ اسے دیکھ کر اک ادائے ناز سے مسکرائی۔

کشت یار کچھ مجوب سا ہوا۔

''آیئے آیئے۔تشریف لایئے۔غالباً آپ کوئی مسافر ہیں'' وہ دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

''جی ہاں۔۔۔۔۔۔'' وہ بولا۔

''تم تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔اور شاید بھوکے بھی۔۔۔۔۔۔''

''میں مسافر ہوں۔ مجھے مسرتوں کے شہر جانا ہے۔رات بہت ہوگئی ہے۔اس لیے کسی ٹھکانے کی تلاش تھی۔۔۔۔۔۔''

''آ جاؤ۔۔۔۔۔۔'' عورت نے اسے خندہ پیشانی سے بلایا۔''اندر آ جاؤ۔تم بھوکے ہو۔تمہیں کھانے پینے کے لیے یہاں بہت کچھ مل جائے گا۔۔۔۔۔۔''

کشت یار کو لے کر وہ ایک کمرے میں آ گئی۔ جہاں میز پر کھانے پینے کی مختلف چیزیں ڈھیر تھیں۔

''بیٹھو۔۔۔۔۔۔'' اس نے کشت یار کو ایک گدے دار کرسی پیش کی۔''تم بہت باہمت لگتے ہو۔تمہارے چہرے سے لگتا ہے تم کافی دیر سے بھوک برداشت کر رہے ہو اور یہ باہمت ہونے کی دلیل ہے''

عورت خاصی چرب زبان تھی۔اس نے کشت یار کو بار بار باہمت کہا تو کشت یار من ہی من میں خوشی سے پھول سا گیا۔

''اور تم۔۔۔۔۔۔'' عورت دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے شوخ ادائی سے بولی''تم صرف باہمت ہی نہیں جیالے اور بہت بہادر

بھی ہو۔ جو اتنی رات گئے اس سنسان اور ویران علاقے میں سفر کر رہے ہو۔ خیر جیالے اور بہادر تو تم شکل ہی سے لگ رہے ہو۔۔۔۔۔۔"

کشت یار خوشی سے پھول پھول گیا۔ اسے اپنی مسکراہٹ چھپانی مشکل ہو گئی۔ اس کے ذہن کا الجھاؤ جو بچوں کی وجہ سے تھا خود بخود دور ہو گیا۔ اس کی طبیعت تر و تازہ ہو گئی۔

عورت نے ایسی ہی باتوں کے دوران اسے کھانا پیش کیا۔

جو

اس نے پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانا کھاتے ہوئے اسے بچوں کا خیال آیا تو صحیح لیکن اس نے ان کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ ان کے بغیر کتنی فراغت محسوس کر رہا تھا

کھانا کھانے کے بعد بھی وہ چکنی چپڑی باتیں کرتی رہی۔ اور کشت یار خوشی سے بہکتا گیا وہ اس کی ایک ایک بات اور ایک ایک حرکت کی تعریفیں جو کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھی

اور بولی "تم بہت اچھے ہو بے حد اچھے لیکن۔۔۔۔۔۔"

"کیا؟" وہ جلدی سے بولا۔

"میں تمہیں رات اپنے گھر نہیں ٹھہرا سکتی۔ میرا شوہر یہ بات پسند نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔۔" کشت یار اٹھتے ہوئے بولا "میں چلا جاتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری خاطر مدارات کیں۔ اب سونے کا مسئلہ میں خود ہی حل کر لوں گا"

"تم تو واقعی بہت بڑے دل کے مالک ہو۔ تم نے میری بات کا ذکر ذرہ بھر برا نہیں منایا۔۔۔۔۔۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "میں تو آپ کا شکر گزار ہوں کہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا اب میں چلتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

لو اب میں ایسی گئی گزری بھی نہیں۔ جو تمہیں کچھ دور چھوڑنے نہ جاؤں۔ تم تو فیصلہ کرنے میں بھی بڑے زیرک اور ہوشیار ہو۔۔۔۔۔۔"

اپنی تعریف پر وہ خوش ہو گیا۔

دونوں گھر سے باہر نکل آئے۔اور باتیں کرتے ہوئے قدم اٹھانے لگے۔

''تم نے اپنے متعلق تو بتایا ہی نہیں'' عورت باتوں کے درمیان بولی۔''ویسے تم بڑی اچھی فطرت کے لگتے ہو۔۔۔۔۔۔''

وہ خوش ہوگیا اور اسے اپنے متعلق تفصیل سے بتانے لگا۔اس نے اسے یہ بھی بتایا کہ کس طرح اس کے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

عورت دیدے پھیلا کر بولی۔''تمہاری بہادری اور حوصلے کا کیا کہوں۔جواب نہیں تمہارا۔تمہارے ساتھی مشکلات سے گھبرا کر بھاگ گئے۔لیکن تم نے مشکلات کی پرواہ نہیں کی برابر ڈٹے رہے۔واقعی تمہیں تو داد دینی چاہیے۔''

کشت یار اپنی تعریف اس عورت کی زبانی سن سن کر خوشی سے بہک رہا تھا۔

پھر

اس نے ان پانچ بچوں کے متعلق بھی عورت کو بتایا۔

''ہائے ہائے'' عورت بولی۔''تم صرف بہادر ہی نہیں نیک بھی ہو۔ان مشکلات میں پانچ بچوں کا ساتھ۔تمہاری ہمت اور بہادری ہی ہے۔جو ان کو سنبھالے ہوئے ہو۔

تم تو بہت بڑے ذمہ دار بھی ہو۔واہ۔۔۔۔۔۔وا۔۔۔۔۔۔''

وہ بچوں کے متعلق اسے بتانے لگا۔اپنی تعریف سن سن کر خوش ہونے لگا۔

عورت بولی''تم بہت عقلمند بھی ہو۔۔۔۔۔۔اپنی عقلمندی سے تم نے ان بچوں کو مشکلات سے نکالا۔۔۔۔۔۔''

''ہاں''

وہ دونوں اب خوبصورت لیکن تنگ سی پگڈنڈی پر سے گزر رہے تھے۔جس کی دونوں طرف خوشبودار جھاڑیاں تھیں۔رنگا رنگ پھول کھلے تھے۔جو چاندنی میں بڑی بہار دکھا رہے تھے۔

''یہ بچے تمہارے اپنے ہیں۔۔۔۔۔۔'' عورت نے قدم اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔۔۔۔'' وہ ان بچوں کے متعلق اسے بتاتے ہوئے بولا۔''یہ میرے شہر کے بچے ہیں''

''اوہ۔۔۔۔۔۔'' عورت دیدے گھما کر مسکرائی۔''میں بھی حیران تھی کہ تم تو خود ابھی نوجوان ہو اتنے خوبصورت ہو۔تمہارے پانچ بچے۔۔۔۔۔۔''

وہ بھی مسکرانے لگا“

پھر

وہ بولا۔”اب میں سوچتا ہوں کہ ان بچوں کو ساتھ لے لوں۔مگر۔۔۔۔۔۔۔“ وہ کہتے ہوئے ہچکچایا کہ اس نے بچوں کو ساتھ لینے کا فیصلہ ترک کر دیا ہے۔

”مگر کیا“ عورت نے پوچھا۔

تو

وہ جلدی سے بولا۔”مگر اب میں بچوں کو ساتھ لے کر نہیں جا سکتا۔اسی لیے میں انہیں چھوڑ آیا ہوں۔“

عورت پینترا بدل کر بولی۔”تم شکل سے بیوقوف ہرگز نہیں لگتے۔تم جو فیصلہ کرتے ہو۔وہ ذہانت سے بھرپور ہوتا ہے۔

کشت یار شہہ پا کر بولا”میں واقعی ان بچوں کو چھوڑ آیا ہوں“

”تم جیسے زیرک ہوشیار اور ذہین نوجوان سے ایسی ہی توقع کرنی چاہیے۔دیکھو نا تمہارا فیصلہ کتنا اچھا ہے۔وہ تو بچے ہیں۔جیسے آئے ہیں۔ویسے ہی واپس لوٹ جائیں گے تم انہیں ساتھ کیوں لے جاؤ۔وہ تمہارے اپنے بچے تھوڑے ہیں۔کل کلاں کسی کو کوئی نقصان پہنچے یا ہرج مرج ہو جائے۔تو ان کے والدین کو تم کیا جواب دو گے۔

تمہارا فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔تم ہر فیصلہ عقلمندی سے جو کرتے ہو۔۔۔۔۔۔۔“ عورت اس کی تعریف میں رطب اللسان تھی۔

”میں حیران ہوں کہ دنیا میں تم جیسے انسان بھی بستے ہیں۔جو مشکلات کو اتنی خوش اسلوبی سے رفع کر دیتے ہیں۔تم صرف ذہین نک بہادر اور ذمہ داری ہی نہیں معاملہ فہم بھی ہو۔۔۔۔۔۔۔“

کشت یار کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔خوشی سے پھول کر کپا ہو رہا تھا۔سر فخر و غرور سے اونچا ہو رہا تھا۔وہ چاہتا تھا۔عورت اس کی تعریفوں کے پل باندھتی رہے اور وہ سنتا چلا جائے۔

”تم نے اتنے گر کہاں سے سیکھے۔۔۔۔۔۔۔“ عورت دلفریبی سے مسکرا کر بولی۔

”وہ سینہ تان کر بولا۔”یہ تو مجھ میں پیدائشی وصف ہیں۔۔۔۔۔۔۔میں تو۔۔۔۔۔۔۔“

وہ بات پوری نہ کر پایا۔

اس کا پاؤں پھسل گیا تھا۔اور وہ پگڈنڈی کی ڈھلان سے نیچے گندے پانی کے جوہڑ میں جا گرا تھا۔

وہ چیخ اٹھا" مجھے باہر نکالو۔۔۔۔۔۔۔"

عورت کھلکھلا کر ہنس پری۔۔۔۔۔۔اور قہقہے پہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔"اب تو تم ہی اس جوہڑ سے باہر نکلو گے۔ میرا کام تو تمھیں اس میں گرانا تھا۔۔۔۔۔۔"

"کیا مطلب؟" کشت یار کنارے کے ایک ٹنڈ درخت کو پکڑ کر باہر آنے کی کوشش کرتے ہوئے ہراساں ہو کر چیخا۔

"بھئی۔ میرا تو یہی مشغلہ ہے۔ باتوں کے ڈوروں میں الجھا کر لوگوں کی مشکلات میں پھنسا دینا۔۔۔۔۔۔" وہ اترا کر بولی۔

"مگر میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔۔۔۔۔۔" وہ چلایا۔۔۔۔۔۔"کیا دشمنی تھی مجھ سے۔۔۔۔۔۔تم ہو کون؟"

وہ ہنس کر بولی"نہیں سمجھے ارے۔ بیوقوف آدمی۔ میں خوشامد ہوں اور میں لوگوں کو اپنے مخصوص طریقے سے مشکل میں پھنسا دیتی ہوں"

"اس سے تمھیں ملتا کیا ہے" وہ بیزاری سے چیخا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی

پھر

بولی۔"بہت کچھ ملتا ہے۔خوشی ملتی ہے۔سکون ملتا ہے۔تم کو میں نے کیسے بہکایا"

وہ ہنسی"

پھر بولی۔"تم صحیح راستے سے بھٹک گئے۔اب تم بمشکل اپنے سیدھے راستے پر پہنچو گے۔تمہارا کتنا وقت میں نے ضائع کیا۔اور اس بات سے تو مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ تم اپنے ساتھی بچوں کو جانے کہاں چھوڑ آئے ہو۔وہ بھی بھٹک رہے ہوں گے" وہ زور زور سے ہنسی اور بولی"خوشامد لوگوں کو بھٹکا کر مزہ لیتی ہے خوشی ہوتی ہے۔"

وہ قہقہے لگاتی واپس چلی گئی۔

کشت یار ندامت' خفت اور غصے سے جھلایا ہوا جوہڑ سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔اپنی بیوقوفی اور بدبختی کی وجہ سے وہ اس کے سنہرے جال میں پھنس گیا تھا۔اور اب اس گڑھے میں گر چکا تھا۔

بمشکل تمام وہ گڑھے سے نکلا۔

''واہ۔کشت یار۔۔۔۔۔۔۔خوب مزہ چکھایا تمہیں خوشامد نے'' وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے خود سے بولا

کپڑوں کے کنارے کیچڑ میں بھر گئے تھے۔ جوتا بھی لت پت تھا۔لباس پر جگہ جگہ بڑے بڑے دھبے موجود تھے۔شکر ہے کہ وہ پوری طرح جوہڑ میں نہیں گر پایا تھا۔کنارے پر ہی اپنے آپ کو رکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔پھر بھی کیچڑ مٹی تو تھا ہی۔کشت یار کا لباس کیچڑ لگنے سے خاصا بھاری ہو گیا تھا۔کچھ تو کب کا بوجھ اس پر لباس کا بھاری پن'اس سے قدم اٹھانا مشکل تھا۔

بہت ہی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے پگڈنڈی پر چل رہا تھا۔اسے پانی کی ضرورت تھی۔تا کہ خراب شدہ لباس اور لت پت جسم کو دھو سکے۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا بھی جا رہا تھا کہ کوئی گھر نظر آ جائے۔تو وہ دستک دے کر پانی کے لیے سوال کرے۔

وہ اپنے لباس کو جھٹک جھٹک کر کیچڑ اتارنے کی کوشش بھی کرتا جا رہا تھا۔اس کوشش میں اس کی کمر کے گرد بندھی سونے کے سکوں کی بھری تھیلی بھی چھنچھنا رہی تھی۔

''شکر ہے یہ تھیلی کیچڑ میں گر نہیں گئی'' اسے اپنے پیچھے کسی کے دبے دبے قدموں سے چلنے کی آواز آئی۔

وہ ٹھٹک کر رک گیا اور مڑتے ہوئے بولا ''کون ہے؟''

''میں ہوں'' ایک بڑھیا نے جواب دیا۔اس کے کپڑے بوسیدہ سے تھے۔اور شکل صورت سے خاصی غریب دکھائی دیتی تھی۔

''تم کون ہو۔۔۔۔۔۔۔اور یہاں کیا کر رہی ہو'' اس نے پوچھا۔

''میں بھی یہی سوال تم سے کرتی ہوں۔۔۔۔۔۔۔'' بڑھیا ملائمت سے بولی۔

''میں مسافر ہوں۔اس جوہڑ میں گر گیا تھا۔اب کپڑے کیچڑ آلود ہیں۔مجھ سے ان کپڑوں کے ساتھ چلا نہیں جا رہا۔

''فکر کی کیا بات ہے بیٹے۔۔۔۔۔۔'' بڑھیا نے کہا۔''وہ سامنے میرا گھر ہے۔چلو وہاں جا کر کپڑے صاف کر لو۔۔۔۔۔۔۔''

''پانی مل جائے گا''

''بہت۔چتنا چاہو گے۔۔۔۔۔۔۔''

''تو پھر مہربانی سے مجھے اپنے گھر لے چلیے''

''چلو۔۔۔۔۔۔۔''

بڑھیا اسے اپنے گھر لے گئی۔ گھر میں خوب روشنی تھی۔ کچھ چیزیں بہت بڑھیا اور خوبصورت تھیں۔ کچھ انتہائی معمولی اور بے وقعت۔ لگتا تھا گھر نہیں مختلف چیزوں کا گودام ہے۔ کشت یار نے زیادہ غور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اسے تو پانی کی ضرورت تھی اس لیے بڑھیا سے کہا "اماں پانی کہاں ہے۔ جلدی سے بتایئے۔ مجھے بہت الجھن ہو رہی ہے۔۔۔۔۔۔"

"اچھا" اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔۔۔ "کپڑے مجھے دے دو میں صاف کر دیتی ہوں۔ تم جا کر ہاتھ پاؤں دھو لو۔ ضرورت سمجھو تو نہا بھی لو"

کشت یار خوش ہو گیا۔

وہ

اس کمرے کی طرف چلا گیا جہاں جانے کا بڑھیا نے کہا تھا۔

بڑھیا نے اس کے جوتے وغیرہ صاف کر دیئے۔ لباس پر بھی جہاں جہاں کیچڑ لگا تھا۔ اتارنے کی کوشش کی

کچھ ہی دیر بعد کشت یار پھر سے صاف ستھرا ہو گیا تھا۔

اس نے بڑھیا کا شکریہ ادا کیا۔

اور

جانے کی اجازت چاہی۔

"رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ اس وقت کہاں جاؤ گے۔ میں تو کہتی ہوں یہیں پڑے رہو۔ صبح چلے جانا۔۔۔۔۔۔"

"لیکن۔۔۔۔۔۔"

"اگر بہت جلدی ہے۔ تب بھی میں کہوں گی کچھ دیر آرام ضرور کر لو۔ میں تمہیں گھنٹے دو گھنٹے آرام کرنے کے بعد جگا دوں گی۔ پھر تازہ دم ہو کر سفر کرنا آسان ہوگا۔ تھکے ہوئے تو تم لگ ہی رہے ہو

بڑھیا کے کہنے پر وہ ایک چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس پر بڑا آرام دہ بستر لگا تھا۔ وہ تھکا ہوا تو تھا ہی۔ اس پر نرم نرم بستر۔ پڑتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

بڑھیا نے اسے چادر اوڑھا دی۔

اور

خود برابر والی چارپائی لیٹ گئی۔

کوئی دو گھنٹے بڑھیا نے کشت یار کو ہلایا "اٹھو بھئی۔تم نے آرام کر لیا۔اب اپنے سفر پر نکل پڑو۔۔۔۔۔۔"

وہ تو جیسے گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔بڑھیا نے معنی خیز مسکراہٹ اچھالی اور پھر سے جگانے لگی۔

اب کشت یار آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا "کیا صبح ہو گئی؟"

"نہیں۔ابھی کم از کم ایک گھنٹے بعد سپیدہ سحر نمودار ہوگا۔تمہیں سفر پر جانے کی جلدی تھی نا۔اس لیے اٹھو اب۔۔۔۔۔۔اب روانہ ہو جاؤ۔موسم بہت دلفریب ہے۔تمہیں چلنا مشکل نہیں لگے گا۔۔۔۔۔۔"

"شکریہ اماں۔۔۔۔۔۔" کشت یار نے کہا اور بستر سے نکل آیا۔

روانہ ہونے سے پہلے اس نے تر و تازہ ہونے کے لیے منہ ہاتھ دھویا اور اماں نے اسے گرم دودھ کا ایک پیالہ بھی پلایا۔

پھر

وہ اسے دروازے سے باہر پگڈنڈی تک چھوڑنے آئی۔

"میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں" کشت یار نے کہا اب آپ جائیے میں راستہ خود ہی تلاش کر لوں گا۔۔۔۔۔۔"

"اچھا۔۔۔۔۔۔"

"پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

"کوئی بات نہیں۔یہ تو میرا کام ہے"

"آپ کا نام کیا ہے اماں"

"چوری"

کشت یار نے سر ہلایا اور دوبارہ سہ بارہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے راستے پر چل پڑا۔

وہ دو ایک گھماؤ ہی گھوما تھا کہ اسے اپنی کمر پر کچھ ہلکے پن کا احساس ہوا۔اب تک تو تھیلی کا بوجھ کمر پر محسوس ہوتا آیا تھا۔

لیکن

اب؟"

اس نے جلدی سے تھیلی ٹٹولنے کے لیے کمر پر ہاتھ مارا۔دائیں بائیں آگے پیچھے لیکن

تھیلی کہیں نہ تھی۔

"اف" اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ یہ بڑھیا۔ چوری

تب اسے احساس ہوا کہ اس کی ساری رقم اس بڑھیا نے چرائی تھی۔ غصے سے وہ نیم پاگل سا ہو گیا۔ غراتا ہوا واپس پلٹا۔ لیکن

ڈھونڈے کے باوجود اسے بڑھیا کے گھر کا راستہ نہ ملا۔

دل برداشتہ ہو کر وہ پلٹ آیا۔ اور جدھر قدم اٹھتے گئے چلتا گیا۔ وہ کبھی کبھی بے اختیارانہ اپنے سینے پر دو ہتڑ مار کر کہہ اٹھتا" لے گئی۔ لوٹ کر لے گئی۔"

"کون لوٹ کر لے گئی میرے بچے" اک شفیق آواز پر اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ تو ایک بزرگ کو وہاں کھڑے پایا۔ اس بزرگ کا چہرہ روشن تھا۔ اور شفقت اور ملائمت کی پھوار برس رہی تھی

"آپ کون ہیں اے بزرگ" کشت یار روہانسی آواز میں بولا۔

"میرا نام نیک نیت ہے۔ میں اکثر رات کے پچھلے پہروں میں گھر سے نکل کر ان راستوں پر گھومتا پھرتا رہتا ہوں۔ یہ راستے بڑے پیچیدہ ہیں۔ راہی بھٹک جاتے ہیں۔

میں انہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

"تو پھر مجھے بھی سیدھا راستہ دکھا دیجئے۔ مجھے مسرتوں کے شہر جانا ہے"

"تم اکیلے ہو؟"

کشت یار چند لمحے چپ رہا۔ لیکن پھر بزرگ کے سامنے جھوٹ نہ بول سکا۔ اس نے مختصر لفظوں میں اپنی پوری کہانی اس کا سنا دی۔

بزرگ بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جب وہ چپ ہوا تو کشت یار کے کندھے پر ملائمت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"جانتے ہو۔ یہ سب افتاد تم پر کیوں پڑی۔۔۔۔۔۔"

"کیوں بابا نیک نیت۔۔۔۔۔۔"

"اس لیے کہ تمہارے ذہن میں اپنے ساتھیوں کی طرف سے بدنیتی آ گئی تھی۔ تم نے ان معصوموں کو چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا

تھا۔ ہے نا یہی بات"

"مجھے اقرار ہے اے بزرگ"

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ پانچوں بچے تم پر بھروسہ کیے ہوئے تھے۔۔۔۔۔۔"

"اب۔اب میں کیا کروں"

"میں تمہیں سیدھی راہ پر ڈال دوں گا۔ لیکن تم بھی وعدہ کرو کہ ان بچوں کا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔ ان کا ہر طرح سے خیال رکھو گے۔ محبت اور پیار سے پیش آؤ گے ان کے ساتھ اور انہیں مسرتوں کے شہر اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ خدا کے لیے اے بزرگ مجھے سیدھی راہ پر ڈال دیجیے"

"چلو میں تمہیں راستہ دکھاتا ہوں۔ لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ بچوں کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑنا۔ چلو میں تمہیں سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہوں

"شکریہ۔ محترم بزرگ۔ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اب میں کبھی کسی بدنیتی نہیں کروں گا۔۔۔۔۔۔"

"شاباش" نیک نیت نے ہاتھ اٹھا کر کہا "تم ضرور اپنی منزل پا لو گے"

دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

راستہ بھر نیک نیت اسے اچھی اچھی باتیں بتاتا رہا۔

"لو۔ اس سڑک پر چلے جاؤ۔۔۔۔۔۔ نیک نیت تنگ راستے کے آخری سرے پر آتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔۔" یہی سڑک سیدھی مسرتوں کے شہر کو جاتی ہے"

کشت یار نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا۔ بڑے احترام سے جھک کر اسے سلام کیا اور اس بڑی سڑک پر آ گیا جہاں اسے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنا تھا۔

ابھی رات کچھ باقی تھی چاندنی کا رنگ کچھ پھیکا پھیکا تھا۔ پھر بھی کشت یار کو چلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آ رہی تھی۔

تھوڑی ہی دور جانے کے بعد اسے پتہ چل گیا کہ ادھر کہیں کسی گھنے پیڑ تلے اس نے اپنے ساتھی بچوں کو چھوڑا تھا۔

وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ گھنے گھنے پیڑوں تلے گیا۔

لیکن

بچوں کا کوئی نام ونشان نہ ملا۔

پریشان ہو کر وہ پھر انہی درختوں تلے گیا۔اور زور زور سے بچوں کو آوازیں دینے لگا۔

''فریدوں''

''سیمیہ''

''رمیلہ''

اور''گیرو''

اس نے باری باری سب کو پکارا۔۔۔۔۔۔۔کئی بار پکارا۔اور پکارتا چلا گیا۔

''ہم ادھر ہیں کشت یار۔۔۔۔۔۔۔''پرے درختوں کے جھنڈ سے اس کی آوازوں کے جواب میں فریدوں نے کہا۔

''کدھر۔۔۔۔۔۔۔؟''کشت یار آواز کی جانب لپکا۔اب سب بچے اسے بلا رہے تھے وہ دوسرے سے تیسرے درخت تلے آیا

''کہاں ہو پیارے بچو۔۔۔۔۔۔۔اس نے اتنی محبت سے کہا کہ بچے حیران ہو گئے۔پھر فریدوں کود کر ایک موٹی شاخ کو پکڑتے ہوئے اس کے قریب آ کر بولا۔ہم اس درخت پر تھے''

''اوہ فریدوں''کشت یار نے اسے سینے سے لگا لیا۔یہ بات فریدوں کے لیے حیران کن تھی۔۔۔۔۔۔۔''تم سب ٹھیک ٹھاک تو ہو نا۔۔۔۔۔۔۔؟''

''ہاں سب ٹھیک ہے۔''گیرو درخت سے کودا۔

''اور لڑکیاں کہاں ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

''وہ اتر رہی ہیں درخت سے۔۔۔۔۔۔۔''

''انہیں سہارا دے کر اتارو کہیں گر کر چوٹ نہ لگ جائے۔''

کشت یار کے بدلے ہوئے رویے سے دونوں لڑکے ششدر تھے۔کشت یار نے پھر بچیوں کو سہارا دے کر اتارنے کی بات کی تو وہ دونوں کی طرف بڑھے اور لڑکیوں کو اتار لیا۔

وہ سب کشت یار کی طرف لپکیں۔اور کشت یار نے کمال محبت سے انہیں لپٹا لیا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے ہمیں اکیلا چھوڑ کر۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم رو دی۔

''ہمیں بہت ڈر لگا اکیلے میں'' رمیلہ ہچکی لے کر بولی۔

''اور درختوں پر سنا بھی تو نہیں آتا تھا ہمیں۔'' سیبہ بولی۔

''شکر کرو درخت پر چڑھ گئے تھے ہم لوگ۔۔۔۔۔۔'' فریدوں بولا ''ورنہ کسی نہ کسی جنگلی جانور کی خوراک بن جاتے۔۔۔۔۔۔''

''اوہ'' کشت یار نے سب کو پیار سے بازوؤں کے حلقے میں لے کر کہا ''میرے بچوں مجھے معاف کردو۔ میں تمہیں بے سہارا اور بھوکا پیاسا چھوڑ گیا تھا۔۔۔۔۔۔''

''ہم بھوکے نہیں رہے'' سیبہ بولی۔

''کہاں سے کھانا کھایا'' کشت یار نے پوچھا۔

''یہ میٹھے پھلوں والا درخت ہے'' رمیلہ بولی۔

''بہت خوب۔۔۔۔۔۔خدا نے تمہاری مدد کی اور مجھے بھی سیدھی راہ دکھائی'' کشت یار بولا۔

پھر اس نے بچوں کو ساری روئیداد کہہ سنائی۔ اپنی بدنیتی کا بھی ندامت بھرے لہجے میں ذکر کیا۔ اور تائب ہونے کا بھی پوری ایمانداری سے بتایا۔

''اب تم سب میرے بچے ہو۔ میرے اپنے'' اس نے پیار سے سب کو بازوؤں میں بھر لیا۔

''آپ کتنے اچھے ہیں کشت یار۔۔۔۔۔۔۔'' گیرو بولا۔

''اب ہم ان کو چچا کشت یار کہیں گے'' شاتم نے کہا ''بزرگوں کا ادب بچوں پر فرض ہے''

''خوب'' سب چہک اٹھے۔

کشت یار خوش نظر آ رہا تھا۔ چچا کہلوانا اسے پسند آیا۔

اب پھر سب رواں دواں ''مسرتوں کے شہر'' کی جانب جا رہے تھے۔ کشت یار بچوں کو خوشامد، چوری اور نیک نیت کے بارے

میں تفصیل سے بتا رہا تھا۔ بچے اس سے سوال کر رہا تھے۔ اور وہ ایک مشفق باپ کی طرح ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ مزاجوں کی تبدیلی سب محسوس کر رہے تھے۔ وہ خوش تھے کہ اس سفر ان سب کو انسان بنا دیا تھا۔ وہ ادب و آداب اور کردار کی خوبیوں سے آگاہ ہو گئے تھے۔ اچھے برے بھی قسم کے لوگوں سے مل چکے تھے۔ خوبیوں اور خرابیوں میں وہ اب وہ تمیز کر سکتے تھے۔

''کشت یار چچا۔۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ نے چلتے چلتے کہا۔

جی بیٹے'' وہ بولا۔

''پتہ نہیں مسرتوں کا شہر ابھی کتنی دور ہے۔۔۔۔۔۔''

''میرا خیال ہے کچھ زیادہ دور نہیں رہا اب۔۔۔۔۔۔''

سیہ تھکے تھکے لہجے میں بولی ''مجھے تو لگتا ہے اب بھی بہت دور ہے''

''تم تکان کو اپنے حواس پر مسلط نہ کرو۔۔۔۔۔۔'' شاتم سیہ کے برابر چلتے ہوئے بولی۔

''کیسے نہ کروں۔ میرے پاؤں تھک گئے ہیں۔۔۔۔۔۔'' وہ بولی۔

''اور مجھے یہ پشت کا بوجھ تنگ کر رہا ہے'' گیرو بولا۔

''بھئی۔ اب جیسے تیسے مسرتوں کے شہر پہنچا تو ہے ہی۔ ورنہ یہ بوجھ کیسے اتریں گے۔ ہمیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہے۔ عزم کو مستحکم رکھنا ہے'' فریدوں بولا۔

''شاباش میرے بچے۔۔۔۔۔۔ کشت یار نے پیار سے اس کا کندھا تھپکایا۔

وہ باتیں کرتے چلے جا رہے تھے کہ انہیں سامنے سے ایک معمر آدمی آتا دکھائی دیا۔

''چچا کشت یار۔۔۔۔۔۔'' سیہ بولی۔

''جی۔۔۔۔۔۔''

''اس آدمی سے ذرا پوچھ لیں تو۔۔۔۔۔۔''

''کیا۔۔۔۔۔۔''

''کہ مسرتوں کا شہر یہاں سے اور کتنی دور ہے''

''اچھا بیٹی'' کشت یار مسکرایا ''پوچھتا ہوں۔ ویسے تم ہمت نہیں ہارو، شہر قریب ہی ہوگا''

وہ آدمی قریب آیا تو کشت یار نے اسے روک کر سلام کیا۔

سلام کا جواب دیتے ہوئے معمر آدمی نے ان سب پر اک نگاہ ڈالی اور پھر کشت یار سے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''ہم مسرتوں کے شہر کے راہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔'' کشت نے کہا۔

''اچھا''

''ہاں''

''اچھی بات ہے۔۔۔۔۔۔۔''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ مسرتوں کا شہر یہاں سے کتنی دور ہے''

معمر آدمی نے سب کی پشتوں پر لدے بوجھوں پر نگاہ ڈالی۔ پھر بولا ''یہاں سے دو تین کوس پر ایک شہر آئے گا''

''مسرتوں کا'' بچے خوشی سے کہہ اٹھے۔

''نہیں۔۔۔۔۔۔۔فراغت کا شہر''

''فراغت کا شہر؟''

''جی ہاں۔ بہت خوبصورت اور بڑا شاندار شہر ہے آپ وہاں جا کر خوش ہونگے'' ''لیکن ہم تو مسرتوں کے شہر جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''بھئی فراغت کے شہر کے بعد ہی تو مسرتوں کا شہر آتا ہے۔ وہاں سے بمشکل تین کوس کے فاصلے پر ہے۔۔۔۔۔۔''

''اچھا۔۔۔۔۔۔۔''

''جی ہاں۔۔۔۔۔۔۔''

کشت یار اور بچے خوش ہو گئے۔

معمر آدمی کا سب نے شکریہ ادا کیا اور سیدھے راستے پر تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔ دو تین کوس کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ سب کے حوصلے بلند تھے۔ ہاں سیمہ اور کبھی کبھی گیرو چلتے چلتے رک جاتے اور اپنے ساتھیوں سے کہتے تھوڑی دیر یہاں رک کر آرام کر لیتے ہیں' اب تو ہمارے پاؤں من من کے ہو رہے ہیں۔ بالکل چلا نہیں جاتا۔۔۔۔۔۔''

''ہم سے تو ٹھیک ٹھاک چلا جا رہا ہے'' باقی بچے بڑے عزم سے کہتے۔ سہ پہر ڈھلنے سے پہلے ہم فراغت کے شہر میں پہنچ جائیں گے''

''تو کیا رات وہاں قیام کرو گے؟''

''یہ تو وہاں جا کر ہی دیکھیں گے۔۔۔۔۔۔۔''

بادل نخواستہ گیرو اور سیہ ان کے ساتھ چلنے لگے

یوں راستہ کٹ رہا تھا۔

اچانک ہی کشت یار خوشی سے چلایا'' وہ آ گیا؟''

''کیا؟'' سب بچے بھی اسی سمت دیکھنے لگے۔ جس سمت کشت یار دیکھ رہا تھا۔

''شہر۔ فراغت کا شہر یہی ہوگا۔۔۔۔۔۔۔ کشت یار بولا۔

''ہاں یہی ہوگا۔ دیکھو تو اتنی دور ہی سے کتنا اچھا لگ رہا ہے'' فریدوں بولا۔

''رنگا رنگ جھنڈیوں اور غباروں سے سجا لگتا ہے؟'' شاتم آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''دیواروں پر بھی سنہری رنگ چمک رہے ہیں۔'' رمیلہ نے تالی بجائی۔

''ڈھول بھی شاید وہیں بج رہے ہیں۔'' کشت یار نے دور سے آتی آوازوں پر کان دھرا۔

''اس معمر آدمی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ فراغت کا شہر خوبصورت اور شاندار ہوگا۔''

''جلد قدم اٹھاؤ'' فریدوں نے سب سے کہا۔

''ہاں'' سیہ خوشی سے تقریباً بھاگتے ہوئے بولی۔

''اب تکان اتر گئی'' شاتم ہنسی۔

''بالکل۔۔۔۔۔۔۔'' وہ اترائی۔

سب خوشی خوشی شہر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

انہیں شہر تک پہنچتے پہنچتے شام اتر آئی۔ لیکن اس شہر میں شام کا اندھیرا کہیں نہیں تھا۔ روشنیاں ہی روشنیاں تھیں۔ ان روشنیوں کے غبار میں رنگا رنگ جھنڈیاں پھولے پھولے غبارے اور سنہری نقش و نگار والی دیواریں چمک رہی تھیں۔ بے شمار لوگ خوبصورت

اور بھڑ کیلے لباس پہنے وہاں موجود تھے۔کوئی شہر کی آرائش وزیبائش میں لگا تھا۔کوئی میلے میں رنگ دار اور خوبصورت ریڑھیوں پر رکھی مختلف کھانے پینے کی چیزیں لگا رہا تھا کہیں ڈھول تماشہ تھا کہیں کھیلیں ہو رہی تھیں کہیں ڈرامہ کیا جا رہا تھا۔

وہ سب ایک طرف کھڑے ہو کر شہر کی رونق اور گہما گہمی دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے کہ ایک اجنبی ان کے قریب آ کر بولا ''اجی آپ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔شہر میں گھوم پھر کر تفریح کریں اور زندگی کا لطف اٹھائیں۔۔۔۔۔۔۔ کشت یار اور پانچوں بچے اس آدمی کے ساتھ سیر میں مشغول تھے۔کوئی خوبصورت بنچوں پر آرام سے بیٹھا تھا کوئی گھوم پھر کر چیزیں دیکھ رہا تھا۔

بچے بے حد محظوظ ہوئے۔

ان کی ساری تکان اتر گئی۔

اور

وہ ایک دم تازہ دم ہو کر کھیل تماشوں میں دلچسپی سے حصہ لینے لگے۔کشت یار نے بھی بازی گروں کا کھیل دلچسپی سے دیکھا۔

وہ سب دلچسپ مشغلوں میں لگے تھے۔

کہ

اچانک ہی ٹن ٹن کی زوردار آوازوں سے چونک گئے۔

''یہ کیا ہے؟'' کشت یار نے اجنبی سے کچھ خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''گھبرانے کی بات نہیں دوست'' اس نے مسکرا کر کہا ''یہ فراغت کے شہر کی ملکی کی سواری آ رہی ہے''

''ملکہ''

''ہاں اس شہر کہ ملکہ آ رہی ہے''

''بھئی تم نو وارد ہو نہیں جانتے تا کہ اس شہر کی ایک ملکہ بھی ہے۔یہاں ہر شام کو میلہ لگتا ہے۔پھر ملکہ اپنے رتھ میں سوار ہو کر آتی ہے۔اور لوگوں میں کھانے پینے کی مزیدار چیزیں تقسیم کرتی ہے۔لباس بھی بانٹتی ہے۔پیسے بھی دیتی ہے۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں''

''پھر تو ملکہ بہت اچھی ہوئی۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔اس شہر کے لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔وہ دن بھر محنت سے اپنے کام کرتے ہیں۔کوشش اور لگن سے فرائض انجام دیتے ہیں۔اسی لیے شام کو یہاں میلہ لگتا ہے تاکہ یہ لوگ اپنی تھکان اتار کر زندگی کی دلچسپیوں کا مزہ لیں اور محنت کا ثمر حاصل کریں۔۔۔۔۔۔''

''بہت خوب''

اب ملکہ کی رتھ نظر آنے لگی تھی۔بے حد شاندار رتھ تھی۔رتھ سونے اور چاندی کی بنی تھی اور اس میں سچے موتی اور پتھر لگے تھے۔ بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔گدیلی نشست پر ملکہ اک شان سے بیٹھی تھی۔اس نے شاہانہ لباس پہن رکھا تھا۔سر پر شاہی تاج چمک رہا تھا۔گلے میں چمکتی مالائیں تھیں۔جدھر سے رتھ گزرتی تھی لوگ ہاتھ اٹھا اٹھا کر ملکہ کو تعظیم دیتے تھے۔

اور

ملکہ کے اشارے پر اس کے قدموں کے قریب بیٹھی لونڈیاں اور غلام جنہوں نے خود بھی رنگین اور چمکیلے لباس زیب تن کر رکھے تھے'چیزوں سے بھرے تھیلے لوگوں کو دیتے جا رہے تھے۔

بچے کشت یار کے پہلو میں آن کھڑے ہوئے اور شوق و تجسس سے ملکہ کی رتھ کے قریب سے گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔

رتھ ان کے قریب سے گزری تو باقی لوگوں کی طرح انہوں نے بھی ہاتھ اٹھا کر ملکہ کو تعظیم دی

اور

ملکہ نے انہیں بھی انعام سے نوازا۔

اپنے اپنے تھیلے لے کر وہ ایک طرف ہو گئے۔ان تھیلوں میں بہت سی چیزیں تھیں۔خوبصورت اور بیش قیمت کچھ لفافوں میں کھانے پینے کا سامان تھا۔

سب چونکہ دوپہر سے بھوکے تھے۔اس لیے اور چیزیں تو الگ رکھ دیں۔لذیذ اور مزیدار چیزیں چٹخارے لے لے کر کھانے لگے۔

''بہت مزے کی چیزیں ہیں۔''

''اتنی مزیدار چیزیں ہم نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں کھائیں۔۔۔۔۔۔''

''پیٹ بھر گیا ہے۔لیکن نظر نہیں بھری۔جی چاہتا ہے کھاتے ہی جائیں''

''واقعی۔۔۔۔۔۔۔جی نہیں بھر پا رہا۔۔۔۔۔۔''

سب ایسی ہی باتوں کے درمیان کھان کھا رہے تھے۔ملکہ سارے شہر کا چکر لگا کر اب واپس آ رہی تھی۔

''ملکہ واپس آ رہی ہے'' کشت یار نے کہا۔

''ہاں۔اس نے سارے شہر کا چکر لگا لیا ہے'' اجنبی بولا۔

''اب کہاں جائے گی''

''واپس اپنے محل میں۔۔۔۔۔۔''

''اور یہ سب لوگ؟''

''یہ بھی واپس چلے جائیں گے''

''یہ جگہ خالی ہو جائے گی''

''ہاں۔۔۔۔۔۔''

اجنبی کی باتیں گیرو بھی سن رہا تھا۔اسے تو یہ جگہ بے حد بھا گئی تھی۔وہ جلدی سے بولا ''اور جو کوئی واپس نہ جانا چاہے تو''

''تو۔۔۔۔۔۔'' اجنبی مسکرایا پھر بولا ''ملکہ ملازم اسے مار مار کر باہر نکال دیتے ہیں؟''

''واقعی؟''

''ہاں''

''اور اگر کوئی چھپ کر ادھر رہ جائے تو۔۔۔۔۔۔''

''تو بھی وہ لوگ چھپنے والے کو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔اور جب چھپے ہوئے کو پکڑ لیں تو پھر اس کی شامت آ جاتی ہے۔ملکہ انہیں اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ویسے کسی کو چھپنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔۔۔۔۔۔''

''کیوں'' گیرو بولا۔''اتنی اچھی جگہ سے جانے کو بھی تو کسی کا دل نہیں کرتا''

''بھئی۔یہ میلہ ہر شام کو لگتا ہے۔دن بھر لوگ کام کرتے ہیں۔شام کو یہاں فراغت کا وقت گزارتے ہیں۔یہاں جو چھپنے کی کوشش کرتا ہے۔اسے نکما اور کام چور سمجھا جاتا ہے۔اسی لیے ملکہ ان کے ساتھ بہت بے رحمی سے پیش آتی ہے اور سزا کے طور پر انہیں غلام بنا لیتی ہے

''لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے'' گیرو نے دلیل دی'' کہ چھپنے والا چھپا رہے اور کسی کے ہاتھ ہی نہ آئے؟''

''گیرو۔۔۔۔۔۔'' فریدوں اس کی بحث سے الجھ کر بولا۔۔۔۔۔۔''اس بحث کی ضرورت ہی کیا ہے۔شہر کے لوگ دن بھر کام کرتے ہیں شام کو میلہ لگتا ہے تو سیر و تفریح کر لیتے ہیں چھپنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔۔۔۔۔۔''

''یہ تو نکمے اور کام چور لوگ کرتے ہیں۔اور پھر اس کی سزا بھی پاتے ہیں'' اجنبی بولا۔۔۔۔۔۔''بالکل ٹھیک۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے کہا۔

''لوگ واپس جا رہے ہیں۔آپ لوگ بھی واپس چلیے۔کچھ ہی دیر بعد یہ میدان خالی ہو جائے گا اور شہر کے دروازے بند کر دیے جائیں گے'' اجنبی نے سب سے کہا۔

''چلو چلو۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے بچوں سے کہا جوق در جوق لوگ شہر کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کشت یار اور بچے بھی لوگوں کے ہجوم میں آگے بڑھنے لگے۔

لیکن

گیرو دانستہ پیچھے رہ گیا۔

اور

اس نے ہولے سے سیمہ کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔

سیمہ رک گئی۔

کشت یار، فریدوں، شاتم اور رمیلہ لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

''کیا بات ہے'' سیمہ نے چند قدم پیچھے لوٹتے ہوئے گیرو سے کہا۔

''سیمہ''

''ہاں''

ان لوگوں کا جانے دو''

''اور ہم۔۔۔۔۔۔''

''ہم یہیں رک جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''کیوں؟''

''بس مجھے یہ جگہ اچھی لگتی ہے۔کشت یار تو اب یہاں رکے گا نہیں۔ابھی مسرتوں کے شہر کی طرف روانہ ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔''

''ہم یہاں چھپ کر رات گزار لیتے ہیں۔کل شام پھر یہاں مزے کریں گے''

''لیکن۔۔۔۔۔۔''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔نہ ہی ڈرنے کی کوئی بات ہے۔ملکہ کے رتھ کے پیچھے چھپنے کی بہت اچھی جگہ ہے وہ ابھی گئی نہیں۔ہم اس رتھ میں چھپ جاتے ہیں۔''

''نہیں گیرو۔پکڑے گئے تو۔۔۔۔۔۔''

''کچھ نہیں ہوگا''

''اور مسرتوں کا شہر''

''وہ قریب ہی ہے۔ہم چند دن یہاں مزے کر کے وہاں چلے جائیں گے''

سیہ تذبذب کے عالم میں تھی۔

ادھر

کشت یار تینوں بچوں کے ساتھ دروازے کے قریب کھڑا تھا۔گیرو اور سیہ بھیڑ میں ادھر ادھر جو ہو گئے تھے۔بچے بھی پریشان ہو ہو کر ایڑیاں اٹھاتے اور آنے والوں میں ان کو تلاش کرتے۔

''وہ شاید وہیں کہیں چھپ گئے ہیں'' اجنبی نے ان سے کہا اب بھیڑ چھٹ گئی تھی اور شہر کے محافظ دروازے بند کرنے آ رہے تھے۔

اوہ۔۔۔۔۔۔'' فریدوں روہانسا ہو گیا'' یہ انہوں نے کیا کیا۔اب تو دروازے بھی بند ہونے والے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''یقیناً وہ کہیں چھپ گئے ہیں'' کشت یار پریشان ہو کر بولا۔

''اب کیا ہوگا'' شاتم رو دینے کو تھی۔

کشت یار کچھ کہنے کو ہی تھا کہ دروازے کا محافظ آ گیا۔اور ان سب لوگوں کو باہر نکل جانے کا کہا کیونکہ اس نے وقت پر

دروازے بند کرنے تھے۔

''گیروا اور سیبہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔رمیلہ رونے لگی۔

''وہ بہت بیوقوف نکلے وقتی آسائش اور فراغت نے انہیں الجھا لیا۔اب وہ ملکہ کی دستبرد سے بچ نہ سکیں گے۔وہ انہیں اپنا غلام بنا لے گی۔

''غلام۔۔۔۔۔۔۔'' بچے رونے لگے۔

''ہاں' یہ ان کی کاہلی' بزدلی اور نکمے پن کی وجہ سے ہوگا۔۔۔۔۔۔۔'' اجنبی بولا۔

''لیکن۔۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔۔۔ایسے تو نہ تھے۔۔۔۔۔۔'' شاتم بولی۔

''تھے۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے افسردگی سے کہا۔''نہ ہوتے تو ہمارے ساتھ نہ آتے۔

آخری وقت میں ان دو ساتھیوں کے بچھڑنے کا ان سب کو بہت غم تھا۔

لیکن

وہ کیا کر سکتے تھے۔

محافظ نے انہیں باہر بھیج کر دروازہ بند کر دیا تھا۔

اور

اجنبی بھی انہیں خدا حافظ کہہ کر اپنے راستے پہ چل دیا تھا۔

اجنبی کے جانے کے بعد بھی وہ چاروں شہر کے بند دروازے کے باہر کھڑے تھے جب کچھ وقت بے کار میں گزر گیا تو کشت یار نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے تینوں بچوں سے کہا۔

''اب ہمیں چلنا چاہیے۔رات گہری ہوتی جارہی ہے۔اور ہمیں کہیں شب بسری کا آسرا بھی ڈھونڈنا ہے''

''مگر چچا کشت یار گیروا اور سیبہ۔۔۔۔۔۔۔۔'' فریدوں نے کہا۔

''ان کا خیال اب چھوڑ دو۔۔۔۔۔۔۔''

''نہیں چچا کشت یار'' شاتم بولی۔''ہم کچھ دیر یہیں ان کا انتظار کرتے ہیں۔ہوسکتا ہے وہ آجائیں''

''اب وہ کہاں سے آئیں گے دروازہ بند ہو چکا ہے اور تم دیکھتی نہیں ہو کہ شہر کا یہ ایک ہی دروازہ ہے'' فریدوں نے شاتم سے کہا۔

''تو کیا وہ اب کبھی ہم سے نہیں ملیں گے'' رمیلہ روہانسی ہوگئی۔

''تو کیا وہ اب کبھی ہم سے نہیں ملیں گے'' رمیلہ روہانسی ہوگئی۔

''یہ وقت اب ان باتوں کے سوچنے کا نہیں بیٹا'' کشت یار نے کہا۔ ''ہمارے اور ساتھی بھی تو اسی طرح ہمارا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ موہین اور صعف کو بھول گئیں۔ سستی کاہلی اور آرام نے انہیں آگے بڑھنے نہ دیا۔۔۔۔۔۔''

''پتہ نہیں وہ اب کس حال میں ہوں گی؟'' رمیلہ نے پوچھا۔

''جس حال میں بھی ہوں گی اپنی پشتوں پر لدے بوجھ کی وجہ سے تکلیف ہی میں ہوں گی۔'' کشت یار بولا۔

''سیہہ اور گیرو کی جانے کیوں مت ماری گئی۔۔۔۔۔۔'' فریدوں نے افسردگی سے کہا ''مسرتوں کا شہر اب کونسا دور رہ گیا تھا۔ وہاں سے ہو کر ادھر آجاتے''

''ہاں'' شاتم نے کہا ''یہ بھی ہو سکتا تھا۔ ہائے سیہہ میری کتنی پکی سہیلی تھی'' ''اور گیرو میرا دوست تھا'' فریدوں نے کہا۔

''ہم سب ہی اکٹھے کھیلا کرتے تھے'' رمیلہ بولی۔

کشت یار کچھ دیر خاموش کھڑا تینوں بچوں کی باتیں سنتا رہا۔ بچے اپنے دوستوں سے بچھڑ جانے سے دکھی ہو رہے تھے۔ وہ شہر کے دروازے کے باہر ابھی تک کھڑے تھے۔ انہیں شاید امید تھی کہ سیہہ اور گیرو کہیں نہ کہیں سے آکر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

''بچو'' بالآخر کشت یار نے کہا۔

''جی چچا۔''

اب یہاں رکنا بیکار ہے۔ ہمیں ابھی مسافت طے کرنی ہے۔ چلیں اب''

''رات کو ہم زیادہ دور نہیں جا پائیں گے۔۔۔۔۔۔''

''میں جانتا ہوں۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اب چلتے ہیں۔ شاید کوئی بستی ادھر ادھر نظر آجائے۔ جہاں رات گزارنے کا بندوبست ہو سکے۔''

''کھا پی تو ہم چکے ہی ہیں۔'' فریدوں نے کہا۔ ''کچھ دور تک ہم آسانی سے چل سکتے ہیں چلیے''

''لیکن فریدوں'' شاتم کی آواز بھرا گئی۔

''کیا ہے''

''میرا جی سیمہ اور گیرو کے بغیر جانے کو نہیں چاہ رہا۔ دل کہتا ہے وہ ابھی کہیں سے آ جائیں گے''

''یہ خوش فہمی ہے بیٹا'' کشت یار نے اسے پیار سے سمجھایا۔۔۔۔۔۔۔ وہ دانستہ کہیں چھپ گئے ہیں۔ فراغت کے شہر نے انہیں الجھالیا ہے۔ اب وہ باہر نہیں آئیں گے''

''اب تو شاید ملکہ کے آدمی انہیں پکڑ کر بھی لے گئے ہوں'' فریدوں نے گہری سانس چھوڑی۔

شاتم رونے لگی۔

''چلیے کشت یار چچا'' فریدوں بولا۔

''چلیے'' رمیلہ نے بھی بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

سب ملول و دل گرفتہ تھے۔

لیکن

اب یہاں ٹھہرنا بیکار تھا۔

شاتم بار بار اپنی الٹی ہتھیلی سے آنسو پونچھ رہی تھی۔ سیمہ کے یوں بچھڑ جانے کا اسے بہت دکھ پہنچا تھا۔ کچھ یہی حال فریدوں کا تھا۔ وہ بھی گیرو کے چلے جانے سے افسردہ اور ملول تھا۔

''فراغت کا شہر۔ دونوں بہن بھائیوں کو نگل گیا'' کشت یار کرب و اذیت سے بھرے لہجے میں بولا۔

''ہاں کشت یار چچا۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ رو پڑی۔

''ہم کتنے لوگ سفر روانہ ہوئے تھے'' فریدوں افسردگی سے بولا ''لیکن ہمارے ساتھی ساتھ چھوڑتے چلے گئے۔''

''سیمہ اور گیرو نے حد ہی کر دی۔ اب جب ہم منزل کے اتنے قریب آ چکے تھے وہ ہم سے بچھڑ گئے۔'' کشت یار نے ٹھنڈی سانس چھوری۔

''اب ان کا کیا ہوگا'' رمیلہ روہانسی آواز میں بولی۔

''وہی ہوگا۔ جو اجنبی نے بتایا تھا'' کشت یار نے کہا ''وہ لوگ پکڑے جائیں گے اور ملکہ انہیں غلام بنا لے گی۔''

''ہائے ہائے۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے آہ بھری۔ ''آزمائش میں وہ پورے نہ اترے۔ ہمیشہ کے لیے غلام بن گئے۔۔۔۔۔۔''

''شکر کرو ہم لوگ اس آزمائش میں پورے اتر آئے۔'' فریدوں بولا۔ ''ہمارے ارادے مستحکم تھے' ڈگمگائے نہیں''

''ویسے گیرو کے رویے سے مجھے کبھی کبھی محسوس ضرور ہوتا تھا کہ باقی ساتھیوں کی طرح یہ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا'' کشت یار نے رمیلہ کو بازو کے حلقے میں لیتے ہوئے کہا۔ پھر رمیلہ کو تسلی دلاسہ دینے لگا۔

''چچا'' وہ بولی۔

''ہوں''

''اب وہ اپنی پشتوں کے بوجھ کا کیا کریں گے۔''

''یوں ہی لادے پھریں گے اور کیا کرنا ہے''

''اف۔۔۔۔۔۔ ذرا سی تکلیف اور برداشت کر لیتے تو کتنا اچھا تھا۔ اب تو ہم مسرتوں کے شہر پہنچ ہی جائیں گے۔''

''ضرور ضرور۔۔۔۔۔۔ بچو۔ تم سب بزدل نہ بننا' اسی طرح حوصلہ قائم رکھنا۔ اب مسرتوں کا شہر دور نہیں۔''

وہ سب باتیں کرتے بوجھل بوجھل قدموں سے چلتے جا رہے تھے۔ رات جھک آئی تھی راستہ ویران وسنسان تھا۔ سڑک کے دو رویہ درخت تھے۔ لیکن اکثر درخت ٹنڈ منڈ تھے۔ اور رات کے اندھیرے میں بڑے بھیانک لگتے تھے۔ کبھی کبھی تو رمیلہ انہیں دیکھ کر ڈر جاتی اور فریدوں یا کشت یار کے بازو سے لپٹ جاتی۔

''چچا کشت یار۔۔۔۔۔۔'' فریدوں نے راستے کی ویرانی سے ڈر کر کہا۔

''جی بیٹے'' وہ کمال محبت اور شفقت سے بولا۔

''ہم لوگ اس وقت کہاں ہیں''

''کچھ پتہ نہیں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ سیدھے راستے پر چل رہے ہیں''

''رات بہت اندھیری ہے''

''ہاں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھ رہا۔۔۔۔۔۔''

''آج تو چاندنی کا وہ ملگجا غبار بھی نہیں۔۔۔۔۔۔''

''بس تم لوگ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے رہو۔شاید چاند نکل آئے اور یہ اندھا اندھیرا دور ہو جائے۔''

''رات بسر کرنے کا نہیں سوچا۔۔۔۔۔۔''

''کہاں بسر کریں گے۔کوئی ٹھکانہ ملے گا نا تب ہی۔۔۔۔۔۔''

''نظر تو نہیں آتا کہ اس ویران راستے پر کوئی بستی ہو۔۔۔۔۔۔''

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے''

فریدوں کے کچھ کہنے سے پہلے شاتم بولی''کشت یار چچا۔بہتر یہی ہے کہ ہم کسی درخت تلے آرام کرلیں۔۔۔۔۔۔''

''کوئی اچھا قطعہ نظر آئے تو سہی''

''اندھیرے میں کیا نظر آئے گا''

کشت یار نے آسمان کی طرف دیکھا پھر بولا''ہماری آنکھیں تو تاروں کی لو سے مانوس ہوتی جارہی ہیں''

''کیا آپ کو کچھ نظر آرہا ہے''

''کچھ خاص نہیں۔لیکن لگتا ہے یہ سڑک اونچائی کی طرف جارہی ہے''

''ہاں کشت یار چچا مجھے بھی یہی لگ رہا ہے''

''کہیں پھر تو کوئی پہاڑ نہیں آگیا''شاتم سامنے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں پہاڑ تو نہیں۔البتہ لگتا ہے یہ کوئی پل ہے سامنے''کشت یار نے رک کر بغور دیکھا۔

''ہاں''فریدوں بھی بولا۔''پل ہی ہے۔۔۔۔۔۔''

''پل کا مطلب ہے کوئی ندی نالہ بہہ رہا ہے۔۔۔۔۔۔''کشت یار نے کہا۔

''ہاں''شاتم بولی۔

''ہوسکتا ہے یہیں ارد گرد کوئی بستی بھی ہو۔۔۔۔۔۔''فریدوں نے کہا۔

''خدا کرے۔اب تو تکان بہت ہورہی ہے اور نیند بھی آرہی ہے''رمیلہ بولی۔

''بڑھتے چلو''کشت یار بولا۔

سب ہاتھ میں ہاتھ دیئے آگے بڑھنے لگے۔

اب تاروں کی لو اور مدھم مدھم چاندنی پھیل رہی تھی۔ ندی میں زور و شور سے بہنے والے پانی کی آوازیں بھی سکوت کو توڑ رہی تھیں ہوا میں پانی کی پھوار اور پھولوں کی مہک تھی۔ سب تازگی کا احساس اپنے اندر اتارتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

اب پل ان سے چند گز کے فاصلے پر تھا۔

وہ بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

کہ

اچانک

اچانک ہی شاتم نے شور سے چیخ ماری اور تھر تھر کانپتے ہوئے فریدوں سے لپٹ گئی

''کیا ہے''

''کیا ہوا؟''

فریدوں اور کشت یار نے گھبرا کر پوچھا۔

''وہ۔۔۔۔۔۔وہ دیکھو۔۔۔۔۔۔۔اژدھے۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے ہاتھ سے پل کی سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوف سے آنکھیں میچ لیں۔

فریدوں کشت یار اور رمیلہ نے بیک وقت ادھر دیکھا۔ مدھم اور بے نام سی روشنی میں انہیں پل کے اوپر کئی سانپ پھن پھیلائے رینگتے نظر آئے۔

''اف۔۔۔۔۔۔'' فریدوں نے بھی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

اور

رمیلہ کانپتے ہوئے کشت یار کے ساتھ چمٹ گئی۔

کشت یار کی حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی۔ رنگ سپید پڑ گیا تھا۔ اور دل سینے میں بیٹھا جا رہا تھا۔

پل کی سڑک اور کناروں پر سانپ پھنکار رہے تھے۔ وہ پھن پھیلائے تھے۔ ان کی لال زبانیں لپک رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا۔ آگ کی لپٹیں آ رہی ہیں

''اب۔۔۔۔۔۔ہم۔۔۔۔۔۔کک۔۔۔۔۔۔۔کیا کریں'' شاتم ہکلاتے ہوئے بولی۔ ڈر ان پر حاوی ہو چکا تھا۔

کشت یار نے سر اٹھایا اور مایوسی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ایسی صورت میں ہم پل پر نہیں جا سکتے۔۔۔۔۔۔۔"

کشت یار نے سر اٹھایا اور مایوسی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ایسی صورت میں ہم پل پر نہیں جا سکتے۔۔۔۔۔۔۔"

"سڑک تو ادھر۔۔۔۔۔۔۔ہی سے جاتی ہے" فریدوں خوفزدہ تھا۔

"تو پھر۔۔۔۔۔۔۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ کتنے دکھ اور اذیت کی بات ہے کہ ہم منزل کے قریب پہنچ کر ناکام ہو رہے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔۔۔۔۔جب تک پل پار نہیں کریں گے۔ ہم مسرتوں کے شہر تک کیسے پہنچیں گے"

"شہر تو اب قریب ہی ہے لیکن یہ پل۔۔۔۔۔۔۔"

"ہم کیس متبادل راستے سے بھی تو نہیں جا سکتے۔ سیدھے راستے سے بھٹک جائیں گے پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔۔۔۔۔۔۔"

"پھر کیا کریں"

"یہیں پڑے رہتے ہیں۔ شاید دن نکلے تو یہ اژدھے از خود غائب ہو جائیں"

"اور جو نہ ہوئے تو۔۔۔۔۔۔۔" شاتم گھگیائی۔

"پھر بھی۔ دن کی روشنی ہو گی تو ڈر رفو چکر ہو جائے گا"

سب وہیں بھاری بھاری پتھروں پر بیٹھ گئے۔ ان کی نگاہیں پل پر ہی لگی تھیں۔ سانپ رینگ رہے تھے۔

پھنکار رہے تھے۔

لال لال زبانیں نکال رہے تھے۔

رمیلہ اور شاتم نے تو کشت یار اور فریدوں کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ کبھی کبھی خوف کے مارے وہ چیخ بھی اٹھتیں۔

کئی گھنٹے وہ سیلی زمین پر پاؤں لٹکائے ٹھنڈے سخت پتھروں پر بیٹھے خوفزدہ ہوتے رہے

پھر

ایسے میں

فریوں کو اچانک ہی اس چھوٹے لڑکے کا خیال آ گیا۔ جس کا نام "بہادری" تھا اس کی بہادری نے اسے متاثر کیا۔

اور

اسے یوں لگا جیسے اس کے اندر بہادری کا خون دوڑنے لگا ہے۔

وہ اک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا

کشت یار نے حیرانگی سے اسے دیکھا شاتم اور رمیلہ گھبرا گئی۔

''کشت یار چچا'' فریدوں مستحکم آواز میں بولا۔

''کیا ہے بیٹے'' کشت یار کا لہجہ دھیما تھا۔

''ہم اس طرح کب تک بیٹھے رہیں گے۔ہمیں اس مصیبت کا آگے بڑھ کر بہادری سے مقابلہ کرنا ہوگا۔یہ مصیبت آئی اسی لیے ہے کہ ہمیں راہ راست سے بھٹکا دے۔''

کشت یار اس کے لب ولہجے سے حیران سا ہوا۔

لیکن جب فریدوں نے دوبارہ یہی بات کہی تو وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوا۔اسی احساس سے مغلوب ہو کر بولا ''تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔۔۔۔ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔تم صحیح کہتے ہو۔بالکل صحیح کہتے ہو۔۔۔۔۔۔''

وہ اک عزم اور نئے حوصلے سے بولا۔

''ہاں کشت یار چچا۔۔۔۔۔۔'' فریدوں نے کہا ''ہم مصیبت کا سامنا اور مقابلہ نہیں کریں گے تو اسے ختم کرنے کا طریقہ کیسے آئے گا۔۔۔۔۔۔''

پھر

اس نے شاتم اور رمیلہ سے کہا ''اٹھو تم دونوں بھی۔ہم پوری قوت عزم اور ہمت سے اس مصیبت کا مقابلہ کریں گے۔۔۔۔۔۔

فریدوں نے آگے قدم بڑھایا۔

کشت یار شاتم اور رمیلہ کا ہاتھ پکڑے پکڑے آگے بڑھا۔

''ٹھہرو۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ نے پرہمت لہجے میں کہا۔

''کیا ہے'' کشت یار بولا۔

''یہ دیکھو۔۔۔۔۔۔'' اس نے جھکتے ہوئے کہا۔پھر اٹھ کر کھڑی ہوئی۔تو اس کے ہاتھ میں چھڑی نما سوکھے درخت کی ٹہنی تھی۔

''سب ایسی چھڑیاں ہاتھوں میں پکڑ لو۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے بھی چھڑی اٹھاتے ہوئے کہا اس سے ہم اژدھوں کو مار تو سکتے ہیں نا۔ مقابلے کے لیے یہی ہتھیار سہی۔۔۔۔۔۔۔

''ہاں شاتم تم نے ٹھیک کہا'' فریدوں کہا۔

پھر کشت یار اور اس نے چھڑیاں اٹھا لیں۔ کشت یار بولا ''اصل ہتھیار تو ہمارا حوصلہ اور ہمت ہیں۔ لیکن یہ چھڑیاں بھی ٹھک رہیں گی۔''

اب سب ''بہادری'' جیسے بن چکے تھے۔ وہ خوفزدہ تو تھے۔ لیکن اب خوف ان پر غالب نہیں تھا۔ وہ پل کی طرف لپک رہے تھے۔

''اررے۔۔۔۔۔۔'' کشت یار اچانک ہی چلایا۔

''کیا ہوا۔۔۔۔۔۔''

''بھئی یہ تو چھوٹے چھوٹے سانپ ہیں۔ بلکہ سنپولیے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ وہ بولا۔

تینوں آگے بڑھے تو دیکھا کہ واقعی وہ بے ضرر قسم کے کیڑے مکوڑے ہی تھے۔

''یہ کیا؟'' شاتم ہنسی۔۔۔۔۔۔۔ دور سے تو یہ اژدھے لگ رہے تھے

چھڑی سے رینگتے سانپوں کو ادھر سے ادھر کیا

''ڈر ہمیں بزدل بنا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے رمیلہ سے کہا ''یہ بھی شاید ہماری آزمائش تھی

''شکر ہے فریدوں نے بہادری دکھائی اور ہم اس آزمائش میں بھی پورے اترے'' کشت یار نے فریدوں کا کندھا پیار سے تھپکا۔۔۔۔۔۔۔ اب کشت یار کا رویہ بالکل ایسا ہی تھا۔ جیسا ایک شفیق باپ کا اپنے پیارے پیارے بچوں سے ہوتا ہے۔

چھڑیوں کی مدد سے سب نے راستہ صاف کیا۔

اور

یوں

انہوں نے ہنستے مسکراتے پل پار کر لیا۔

اب صبح کا اجالا مشرق سمت پھیل رہا تھا۔ گو رات باقی تھی۔ لیکن صبح کی نوید مل رہی تھی

وہ ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انہیں چند مکان نظر آئے۔

وہ جلدی سے ادھر لپکے انہیں آرام کرنا تھا۔ کیونکہ رات بھر سفر اور بے خوابی کی وجہ سے انہیں تکان محسوس ہو رہی تھی۔

وہ چھوٹی سی بستی میں پہنچ گئے۔ صبح کی ہلچل یہاں شروع تھی۔ کئی گھروں کی چمنیوں سے دھواں بھی نکل رہا تھا۔ اور ہنسنے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ فریدوں نے کشت یار سے کہا ''چچا یار۔ آپ بتائیں کس گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔۔۔۔۔۔۔''

کشت یار نے مسکرا کر اسے دیکھا اسے خوشی ہو رہی تھی کہ بچے اب بہت تمیز دار ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ بڑے ادب سے بات کرتے تھے۔

کشت یار نے ایک بڑے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔۔۔۔۔۔۔ ''یہ گھر سب گھروں سے بڑا اور ممتاز دکھائی دے رہا ہے۔ یقیناً اس گھر کے مکینوں کی مالی حالت اچھی ہوگی اور وہ ہمارے کھانے پینے اور ٹھہرنے کا انتظام بخوشی کریں گے۔''

فریدوں نے سر اثبات میں ہلایا اور آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ چند ہی لمحوں بعد ایک خوش پوش مرد نے دروازہ کھولا۔ اور بڑی خندہ پیشانی سے بولا ''فرمائیے

فریدوں کی بجائے کشت یار آگے بڑھا۔ اور اپنی روئیداد مختصراً بتاتے ہوئے بولا۔

''ہم بے حد تھکے ہوئے ہیں۔ بھوک بھی محسوس کر رہے ہے۔ آپ کے گھر آئے ہیں''

''بخوشی بخوشی'' وہ آدمی بڑی انکساری سے بولا۔۔۔۔۔۔۔۔ ''اندر تشریف لے آئیے۔

ہم ہر ممکن کوشش کریں گے کہ آپ کو ہر سہولت فراہم کر سکیں۔''

''شکریہ'' کشت یار کے ساتھ فریدوں نے بھی کہا۔

''وہ چاروں اس آدمی کے ساتھ اندر چلے آئے۔ وہ انہیں ایک نشست گاہ میں لے آیا۔۔۔۔۔۔۔ ''آپ یہاں تشریف رکھیے۔ میں چند منٹوں میں آپ کے منہ ہاتھ دھونے کا بندوبست کرتا ہوں۔ جب تک آپ فارغ ہوں گے ناشتہ تیار ہوگا''

وہ انہیں بٹھا کر باہر نکل گیا۔

سب گدے دار کرسیوں میں تساہل پڑ گئے۔

''بھئی کہیں نرم نرم گدوں میں دھنس کر سو نہیں جانا۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے ہنس کر فریدوں سے کہا۔

''کشت یار چچا'' رمیلہ مسکرا کر بولی ''کبھی بھوکے پیٹ بھی نیند آئی ہے''

''بالکل۔۔۔۔۔۔۔میرے پیٹ میں تو چوہے ناچ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔'' فریدوں بولا۔

''ہائے مجھے تو گیرو اور سیمہ یاد آرہے ہیں'' شاتم بولی ''کم بختوں نے کس منزل پہ آکے ساتھ چھوڑ دیا۔۔۔۔۔۔۔''

''پیاری بچی'' کشت یار نے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔۔۔۔۔۔۔'' وہ بزدلی دکھا گئے۔ اب انہیں یاد کر کے ملول ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔''

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وہی آدمی دروازے میں آتے ہوئے بولا'' آیئے آپ لوگ منہ ہاتھ دھولیں۔۔۔۔۔۔۔تازہ دم ہو کر ناشتہ کریں''

وہ ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے ہاتھ منہ دھو کر واقعی تازہ دم ہو گئے۔ ناشتہ تیار تھا۔ اس کی خوشگوار مہک سارے گھر میں پھیلی تھی۔ اور ان کی اشتہا کو تیز کر رہی تھی۔

جب وہ سب ناشتے کے لیے بڑی سی لکڑی کی میز کے گرد بیٹھے ان کا جی چاہ رہا تھا کہ مزے مزے کی چیزوں پر جھپٹ پڑیں۔ لیکن

اب وہ سب سلجھے ہوئے لوگ تھے۔ بچے تمیز دار اور شائستہ بن چکے تھے۔ کشت یار بھی وضع داری نبھانا جان گیا تھا۔ وہ یکسر بدل چکا تھا۔ چہرے مہرے سے اب وہ ظالم اور عیار نہیں۔ بلکہ بڑا محترم اور قابل قدر آدمی دکھائی دیتا تھا۔

''شروع کیجئے'' میزبان نے گرم گرم دودھ کے پیالے بھی سب کو پیش کیے۔ اس کی بیوی بھی آگئی تھی۔ جو بڑی پیاری صاف ستھری اور خوش گو خاتون تھی۔ وہ بڑے اصرار سے سب کا ناشتے میں رکھی چیزیں پیش کرنے لگی۔

''یہاں سے مسرتوں کا شہر اب کتنی دور ہو گا'' رمیلہ انڈوں کا حلوہ کھاتے ہوئے بولی۔

''آپ لوگ واقعی باہمت اور پر عزم ہیں'' میزبان نے کہا۔

''خدا کرے ہم منزل تک پہنچ جائیں۔ اور اپنی پشتوں پر لدے ان بوجھوں سے نجات پالیں'' کشت یار فرائی گوشت کا ٹکڑہ اٹھاتے ہوئے بولا

''یہ آخری پڑاؤ ہے اس راستے کا'' خاتون مسکرائی ''سمجھئے کہ آپ منزل پر پہنچ ہی گئے''

بچے بے حد خوش نظر آنے لگے۔ کشت یار انہیں کمال محبت سے دیکھنے لگا۔

ناشتے کے بعد ان لوگوں نے دوسرے کمرے میں جا کر آرام کیا۔ اہل خانہ نے ان کے لیے صاف ستھرے بستر لگا دیئے تھے۔

وہ ساری رات بے آرام رہے تھے۔ اس لیے نرم نرم صاف ستھرے بستروں میں لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

وہ شاید شام تک بے خبر پڑے سوئے رہے۔

لیکن

میزبان نے انہیں چند گھنٹوں کی نیند نکال لینے کے بعد جگا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ان لوگوں نے سفر پہ جانا ہے۔ اور یہ سفر بے حد ضروری ہے۔

وہ سب بیدار ہو گئے۔

معاف کیجئے گا۔۔۔۔۔۔" وہ بولا۔ آپ لوگ خواب راحت کے مزے لے رہے تھے۔ میں نے آپ کو جگا دیا۔۔۔۔۔۔ اگر آپ نے مسرتوں کے شہر نہ جانا ہوتا تو میں آپ کو ہرگز بے آرام نہ کرتا۔۔۔۔۔۔"

"نہیں۔۔۔۔۔۔" نہیں۔۔۔۔۔۔" کشت یار بستر سے نکلتے ہوئے بولا۔۔۔۔۔۔" آپ نے بہت اچھا کیا۔ ہم آپ کے احسان مند ہیں"

فریدوں شاتم اور رملیہ بھی اٹھ گئے۔ وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ نیند نکال لینے سے ان کے چہروں کی تکان اب بشاشت میں بدل گئی تھی۔ مسرتوں کے شہر پہنچنے کی بھی خوشی ہو رہی تھی۔ اب ان کی منزل مقصود قریب ہی جو تھی۔

وہ سب اہل خانہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

شاتم خاتون سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی" آپ کے گھر میں ہمیں بہت سکون ملا۔ اب باقی راستہ طے کرنا بہت آسان ہو گا۔۔۔۔۔۔"

فریدوں اور کشت یار نے بھی مرد سے مصافحہ کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

رملیہ کو خاتون نے لپٹا کر پیار کرتے ہوئے کہا" میں اس چھوٹی سی بچی کے عزم اور حوصلے کی داد دیتی ہوں۔ کئی دنوں کا پر صعوبت سفر اس بچی نے بھی طے کیا"

"واقعی" میزبان نے بھی رملیہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا"

وہ لوگ انہیں سیدھے راستے تک چھوڑنے آئے۔

"ہم نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔" فریدوں نے مرد سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں واقعی'' کشت یار سڑک پر رکتے ہوئے بولا۔

مرد مسکرایا اور بولا۔ ''میرا نام مہمان نواز ہے''

''اور آپ کا'' رمیلہ تو خاتون سے پوچھا۔

''میں مہمانداری ہوں'' خاتون خوبصورتی سے مسکرائی۔

وہ

سب

مہمان نواز اور مہمانداری کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے سیدھے راستے پر چلنے لگے۔

جب تک یہ لوگ نظر آتے رہے وہ گردنیں موڑ موڑ کر انہیں ہاتھ ہلاتے اور الوداع کہتے رہے۔

وہ سب پرلطف باتیں کرتے سیدھے راستے پر چلے جا رہے تھے۔ اب سڑک بالکل ہموار تھی۔ اس کے دو رویہ گھنے درخت تھے۔ اور فضا میں ہلکی ہلکی مہک رچی تھی۔ اس لیے ان کا سفر بہت خوشگوار طور سے طے ہو رہا تھا۔

''وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔'' اچانک ہی کشت یار خوشی سے چلا اٹھا۔

''کیا ہے چچا۔۔۔۔۔۔'' سب بچے اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

''وہ دیکھو۔۔۔۔۔۔سامنے شہر کی دیواریں۔۔۔۔۔۔نظر آ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔''

سب نے ادھر دیکھا۔ دور ہاں زیادہ دور بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔۔اونچی اونچی دیواریں نظر آ رہی تھیں۔

''یہ ضرور مسرتوں کے شہر کی دیواریں ہیں'' کشت یار نے ہاتھ بلند کر کے خوشی سے جیسے نعرہ لگایا۔

''ہاں واقعی۔۔۔۔۔۔فریدوں بھی زور سے نعرے کے انداز میں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ۔۔۔۔۔۔مسرتوں کا شہر ہی ہے۔۔۔۔۔۔''

''ہاں۔۔۔۔۔۔'' کشت یار کا چہرہ فرطِ مسرت سے دمک اٹھا ''مہمان نواز نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے گھر اور مسرتوں کے شہر کے درمیان اب کوئی بستی نہیں آئے گی''

''چچا کشت یار۔۔۔۔۔۔'' فریدوں اس سے لپٹ گیا۔ شاتم اور رمیلہ بھی خوشی سے جیسے پاگل ہو گئیں۔ ''ہم پہنچ گئے۔ ہم پہنچ

گئے'' وہ بار بار بلند آواز میں کہہ رہی تھیں۔

خوشی سے سب باؤلے ہورہے تھے۔ فرط مسرت سے آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور چاروں دیوانہ وار ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر اپنی بے پناہ خوشیوں کا اظہار کررہے تھے۔

کچھ دیر

وہ اسی جذباتی اظہار میں مصروف رہے۔ جب خوشیوں کا بار کچھ سنبھال پائے تو کشت یار نے کہا ''میرے پیارے بچو اب ہمیں روانہ ہونا چاہیے شہر کی دیواریں تو نظر آرہی ہیں۔ لیکن ہم نے شہر تک پہنچنا بھی تو ہے''

''چلیں'' سب نے قدم بڑھائے۔

''اب یہ فاصلہ منٹوں میں کٹے گا چچا کشت یار'' فریدوں خوشی سے بولا۔۔۔۔۔۔ منزل ہمارے سامنے ہے۔۔۔۔۔۔''

''ہم نے اپنی منزل پالی'' شاتم خوشی سے لہرائی۔ پھر قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

''کاش ہمارے سارے ساتھی یہاں تک پہنچ پاتے۔''

کشت یار گہری سانس چھوڑتے ہوئے بولا۔ ''انہوں نے بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کیا بچو جان لو کہ کم ہمتی اور بزدلی کریں تو منزل نہیں ملتی۔''

''ہاں چچا کشت یار۔۔۔۔۔۔'' فریدوں بولا ''مستحکم ارادوں اور بلند حوصلہ رکھنے والوں ہی کو منزل ملتی ہے۔''

''بالکل۔۔۔۔۔۔ ہم نے یہ بات بخوبی جان لی ہے'' رمیلہ معصومیت سے بولی ''ہم ہر آزمائش میں بھی پورے اترے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''شکر ہے'' کشت یار بولا۔

''اف میں تو خوشی سے پاگل ہو رہی ہوں'' رمیلہ بولی۔۔۔۔۔۔ ہماری پشتوں کے بوجھ اترنے کا وقت آ گیا ہے''

شاتم اداس لہجے میں بولی ''کتنے بدقسمت ہیں ہمارے ساتھی۔ جو عارضی تکلیفوں سے گھبرا کر ساتھ چھوڑ گئے۔ عمر بھر اب پشتوں کے بوجھ نہیں اتار سکیں گے''

''ہاں شاتم۔۔۔۔۔۔'' فریدوں بولا۔۔۔۔۔۔ ''خاص کر گیرو اور سیہہ۔۔۔۔۔۔ انہوں نے تو ابھی جانے کی کتنی لمبی زندگی گزارنی ہے۔ بیوقوف قریب پہنچ کر بھی منزل تک نہ پہنچ سکے۔ فراغت کے شہر ہی میں گم ہو گئے''

سب تیز تیز قدم اٹھاتے چل رہے تھے۔ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ کبھی بے حد مسرور انداز میں اور کبھی ساتھیوں کو یاد کر کے افسردگی سے

وہ چلتے گئے۔

چلتے گئے۔

اور

بال آخر انہیں شہر کی دیواریں قریب لگنے لگیں۔

اب

آبادی کے آثار بھی نظر آ رہے تھے۔ شہر کی دیواروں کے باہر کئی مکانات تھے کہیں فصلیں اگی تھیں' کہیں پگڈنڈیاں بنی تھیں۔
وہ ایک بار پھر خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ اچھل اچھل کر ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے اور اپنی بے پناہ خوشیوں کا اظہار بہتے آنسوؤں سے کرنے لگے۔

''یقین نہیں آ رہا کہ ہم اپنی منزل کے اتنے قریب آ گئے ہیں۔۔۔۔۔۔''

''اب تو چند گز کا فاصلہ رہ گیا ہے''

''شہر کی صاف ستھری دیواریں ہم اتنی قریب دیکھ رہے ہیں''

''وہ۔۔۔۔۔۔وہ بڑا سا دروازہ؟''

''بند ہے شاید۔۔۔۔۔۔''

''ہم جا کر کھلوا لیں گے''

''جلدی چلو۔۔۔۔۔۔''

''جلدی''

سب باتیں کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ بڑھے سے آہنی دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ جو شہر کا غالباً داخلی دروازہ تھا۔

''وہ۔۔۔۔۔۔ادھر۔۔۔۔۔۔کشت یار چچا۔۔۔۔۔۔ادھر۔۔۔۔۔۔'' شاتم نے ایک طرف اشارہ کیا۔

''کیا ہے شاتم بیٹے۔۔۔۔۔۔'' وہ بولا۔

''ادھر دیواریں نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔۔وہ نالہ ہے۔ جو شہر کے اندر سے آ رہا ہے اور اس میں زیادہ پانی بھی نہیں ہے'' فریدوں بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا خوشی سے بولا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔کشت یار نے کہا۔''ہم ادھر ہی شہر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چلو' چلو۔۔۔۔۔۔۔'' سب نالے کی طرف جانے لگے۔

یہاں واقعی شہر کی دیوار نہیں تھی۔ اور صاف وشفاف پانی کا نالہ اندر سے باہر آ رہا تھا۔

وہ وہاں تک جا پہنچے۔

''ہم اس کے کنارے کنارے چلتے اندر پہنچ جائیں گے'' کشت یار نے آگے بڑھ کر دیکھا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔'' فریدوں بولا

''بہت آسانی سے ہم اندر داخل ہو سکتے ہیں'' شاتم نے آگے کو جھک کر اندازہ کیا۔

''غالباً یہ نالہ اسی ندی میں جا کر ملتا ہے۔ جس کے پل پر سے ہم گزرے تھے فریدوں بولا۔

''اور۔۔۔۔۔۔۔'' رمیلہ خوشی سے چہکی ''ننھے ننھے بے ضرر کیڑوں اور سنپولیوں کو اژدھا سمجھ کر ڈرتے رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔''

''بالکل۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار بولا'' فریدوں بہادری نہ دکھاتا تو شاید اب تک ہم وہیں پڑے ڈر رہے ہوتے۔۔۔۔۔۔۔''

بھائی کی تعریف سن کر رمیلہ اور شاتم کے چہرے چمک اٹھے۔

''چلیں اب'' فریدوں نے کہا۔

''چلیں''

سب نالہ کے سوکھے کنارے پر چلنے لگے

لیکن

وہ چند قدم بھی چل نہ پائے تھے کہ نالے میں جیسے اچانک ہی باڑھ آ گئی۔ زوردار ریلوں سے پانی اندر سے آنے لگا اور اتنی تیزی سے آنے لگا کہ ان چاروں کو توازن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا رمیلہ اور شاتم خوف سے چیخ اٹھیں۔

فریدوں اور کشت یار کے رنگ فق ہو گئے۔

پانی برابر تیزی سے آ رہا تھا اور کوشش کے باوجود یہ چاروں ریلوں کے تھپیڑوں کے آگے بے بس ہوئے جا رہے تھے۔

ان کی کوششیں بالکل بے کار ہو گئیں اور وہ پانی کے شدید بہاؤ کا مقابلہ نہ کر سکے ان کے قدم اکھڑ گئے۔

اور وہ خاصی دور تک بہاؤ کے ساتھ بہتے چلے گئے۔

ان کی حالت بری تھی۔ بچیوں کے تو گلے چیخ چیخ کر بیٹھ گئے تھے۔

بالآخر

بڑی جدوجہد کے بعد فریدوں اور کشت یار نے اپنے اپ کو سنبھالا اور وہ نالے کی تہہ میں قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔

انہوں نے شاتم اور رمیلہ کے ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی طرف کھینچا۔ وہ بھی بڑی مشکل سے پانی میں کھڑی ہو پائیں۔ سب پانی سے باہر نکلے۔ ان کے کپڑے بھیگ چکے تھے۔ وہ پھر شہر کی طرف چلنے لگے۔

رمیلہ اور شاتم زاروقطار رو رہی تھیں۔ کشت یار اور فریدوں بھی دل گرفتہ تھے۔

''یہ سب کیا ہے'' شاتم روتے ہوئے بولی۔ ''ہم اتنے قریب ہو کر بھی اپنی منزل کو نہ پا سکے۔۔۔۔۔۔''

''خود حیران ہوں'' کشت یار کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''نالے میں پانی تو برائے نام تھا۔۔۔۔۔۔'' فریدوں بولا۔

''جب کوئی شہر میں غلط طریقے سے داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے تو یہی ہوتا ہے'' ایک بے حد کڑک دار آواز آئی۔

سب نے چونک کر دیکھا۔

وہ شہر کے دروازے کے سامنے آ چکے تھے۔

اور

دروازے کے آگے کھڑا ایک قوی الحبثہ آدمی جو غالباً دربان تھا۔ انہیں غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ اس شخص کو دیکھ کر سہم گئے۔

پھر

کشت یار نے ہمت کی اور بڑی تعظیم سے بولا۔ ''اے شخص۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ شہر میں اس طرح داخل ہونا منع ہے۔۔۔۔۔۔''

''ہم سے انجانے میں غلطی ہوگئی ہے تو ہم معافی چاہتے ہیں'' فریدوں نے انکساری سے کہا۔

''کیا آپ ہمیں اس دروازے سے شہر کے اندر جانے دیں گے؟'' شاتم تمیز سے بولی۔

''یہ مسرتوں کے شہر ہی کا دروازہ ہے نا'' رمیلہ نے معصوم انداز میں سوال کیا۔

''ہاں ــــــــ'' وہ شخص جیسے غرایا ــــــــ ''لیکن میں ہر شخص کو مسرتوں کے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

چاروں نے مایوس کن پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ یہ کیا ہوگیا تھا۔ وہ مسرتوں کے شہر کے دروازے تک پہنچ کر بھی اندر نہ جا پا رہے تھے۔

''محترم شخص ــــــــ'' کشت یار نے قدرے توقف کے بعد کہا ''کیا اندر داخل ہونے کے لیے ہمیں کسی خاص شخص سے اجازت لینا ہوگی؟''

''نہیں'' وہ سختی سے بولا۔

''تو پھر ــــــــ آپ ہمیں اندر داخل کیوں نہیں ہونے دے رہے'' ایک دم ہی شاتم کہہ اٹھی۔ رمیلہ معصومیت سے بولی ''ہم چاروں کا اندر جانے دیں نا ــــــــ ہم بہت دور سے آئے ہیں''

''نہیں ــــــــ'' وہ اسی سخت لہجے میں بولا ــــــــ ''تم سب اجنبی ہو۔ اور میں اجنبیوں کو اندر جانے کی اجازت نہیں دوں گا ــــــــ''

''ہمیں نہ روکیے ــــــــ''

''ہمیں اندر جانے دیں''

''ہم بہت دور سے آئے ہیں۔''

''ہماری منزل یہی ہے''

''ہم نے ضرور اندر جانا ہے''

''خدا کے لیے ہمیں نہ روکیے''

وہ سب دربان سے استدعا کر رہے تھے۔

لیکن

دربان ان کی سنی ان سنی کرتے ہوئے دوسری طرف چل دیا۔

وہ

سب

تھک ہار کر

بے انتہا مایوس ہو کر پتھروں کے اوپر بیٹھ گئے۔ وہ اپنے سر جھکائے ہوئے تھے اور اتنے پریشان تھے کہ انہیں کچھ سوجھ بوجھ ہی نہ رہا تھا۔

بھوک پیاس سے الگ برا حال تھا۔

وہ جانے کتنی دیر اسی طرح خاموش بیٹھے رہے کہ اچانک ہی ایک نرم و لطیف آواز نے انہیں چونکا دیا

''کون ہو تم لوگ اور اس طرح سر جھکائے کیوں بیٹھے ہو؟''

سب نے سر اٹھائے اور گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

سادہ لیکن انتہائی پروقار لباس میں ایک معزز بزرگ وہاں کھڑا تھا۔ جس کی حیرت انگیز حد تک شکل اس بزرگ سے ملتی تھی۔

جس نے

ان کے شہر میں آ کر ان کے گناہوں کے بوجھ ان کی کمروں پر نمودار کئے تھے۔

بے اختیار سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''آپ------ وہ؟------ آ------ پ------ وہٗ وہ سب حیرت کا شکار تھے ''جو ہمارے------ شہر------''

''ہاں------ میرے بچو------'' بزرگ نے بڑی شفقت اور محبت سے کہا۔ ان کی ادھوری بات سے بزرگ ان کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور کشت یار سے ہاتھ ملانے کے بعد بچوں کو پیار کرتے ہوئے بولا------ وہ میرا بھائی تھی۔ جو آپ کے شہر گیا

''ہم دراصل------'' کشت یار نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

بزرگ اس کی بات کاٹتے ہوئے نرمی سے بولا "ہاں ہاں۔ میں سب سمجھ چکا ہوں۔ تمہاری پشتوں پر یہ بوجھ دیکھ کر کچھ سمجھنا مشکل نہیں ہے۔"

"ہم۔۔۔۔۔۔" فریدوں بولا۔

"نہیں میرے بچو۔۔۔۔۔۔۔ اب تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم ان گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہو یہاں تک پہنچنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ تم لوگ اپنے کیے پر نادم ہو۔ اور ان برائیوں کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے جو تم سے سرزد ہو چکی ہیں"

سب نے شرمندگی سے سر جھکا لیے۔

بزرگ ان کی ہمت بندھانے لگا

پھر

بولا۔ آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔۔۔۔ آج شام تک خدا نے چاہا تو تم ان بوجھوں سے نجات حاصل کر لو گے"

شاتم اور رمیلہ خوشی سے ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

لیکن

"فریدوں بولا۔" اس دروازے کا دربان ہمیں اندر نہیں جانے دیتا۔

بزرگ نے فریدوں کا کندھا تھپتھپایا اور پیار سے بولا "بعض اوقات دشمن اجنبیوں کی صورت اس شہر میں داخل ہو کر بدی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم نے اجنبیوں کے سلسلے میں قدرے سختی روا رکھی ہوئی ہے۔ اب تمہیں کوئی نہیں روکے گا آؤ میرے ساتھ۔۔۔۔۔۔"

بزرگ نے بڑی شفقت سے کہا۔۔۔۔۔۔۔ وہ سب اس کی نرم و لطیف آواز کے سحر میں ڈوبے تھے۔ اس لیے اس کے حکم پر اس کے ساتھ چل دیئے۔

وہ دروازے سے شہر کے اندر داخل ہوئے۔ یہاں زندگی کی بڑی گہما گہمی تھی۔ پاکیزہ صورت لوگ خوشنما اور پروقار لباس پہنے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔

وہ چاروں اپنے بوجھوں کی وجہ سے ندامت محسوس کر رہے تھے

لیکن

انہوں نے دیکھا کہ کسی نے بھی ان کی طرف تمسخرانہ نظر نہیں اچھالی۔ نہ ہی کسی نے آوازہ کسا۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ کچھ لوگوں نے انہیں خوشدلی سے استقبالی الفاظ بھی کہے۔

بزرگ ایک گھر کے سامنے رک گیا۔ اس نے کسی شخص کو پکارا۔

جب وہ باہر آیا تو بزرگ نے کہا ''یہ مہمان ہیں۔ انہیں آرام و احترام سے اس گھر میں ٹھہراؤ کھانا کھلاؤ۔ اور شام تک آرام کرنے دو۔ شام کو انہیں میرے پاس لے آنا''

''بہت بہتر حضور۔۔۔۔۔۔۔'' وہ شخص مودبانہ جھکتے ہوئے بولا۔

پھر

ان سب کو لے کر گھر کے اندر آ گیا۔

گھر بے حد ستھرا تھا۔ ہر طرف روشنی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ نور کا سیلاب بہہ رہا ہے وہ چاروں بڑے مرعوب و متاثر ہوئے۔

''آپ لوگ یہاں تشریف رکھیں۔ میں آپ کے لیے کھانا لے آؤں۔ یقیناً آ کو بھوک لگی ہوگی''

وہ سب دھیرے سے مسکرائے۔ بھوک انہیں واقعی بہت لگی تھی۔

''ہاتھ منہ دھونے کی تو اب ضرورت نہیں رہی'' وہ شخص مسکرا کر بولا ''کیونکہ آپ سب مقدس پانی میں تقریباً نہا آئے ہیں۔ آپ کے کپڑے بھی پاک ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔''

سب نے اپنے اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی۔ ان کے کپڑے جو پانی میں بھیگ گئے تھے۔ اب تقریباً سوکھ گئے تھے۔ کپڑے نہایت اجلے اور بے داغ نظر آ رہے تھے۔ وہ حیران ہو کر کبھی اپنے لباس اور کبھی دوسروں کے لباس دیکھنے لگے۔

''مسرتوں کے شہر کی ہر چیز پاک و صاف ہے۔ یہ نالہ جس میں آپ لوگ بہہ گئے تھے اس کا پانی ساری کثافتوں اور آلودگیوں کو دور کر دیتا ہے''

''حیرانی کی بات ہے'' کشت یار بولا۔

''یہ مسرتوں کا شہر ہے محترم۔۔۔۔۔۔۔'' وہ شخص مسکرایا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چاروں صاف ستھری نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اور اک انجانی سی خوشی ان کے اندر اترنے لگی۔ ایسی خوشی کا احساس نہیں زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ وہ پھولے نہیں سما رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ شخص کے خوان لے کر آ گیا۔ کھانا سادہ تھا۔ لیکن بہت عمدہ اور لذیذ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔ ٹھنڈا میٹھا پانی

پیا۔اور میزبان کا شکریہ ادا کیا۔

''شکریئے کی کوئی بات نہیں۔یہ ہمارے رہنما کا حکم تھا۔آپ ہمارے رہنما کے مہمان ہیں اور ان کے حکم کے مطابق آپ لوگوں کا خیال رکھنا میرا فرض۔یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اپنے رہنما کے مہمانوں کی خدمت کا موقع مجھے میسر آیا۔۔۔۔۔۔''

وہ چاروں بڑے متاثر ہوئے اپنے رہنما کے لیے اس کے دل میں جو قدرت منزلت تھی' جو احترام تھا۔اس نے سب کو بہت مرعوب کیا۔

''اب آپ آرام کریں۔۔۔۔۔۔''ان ہی نشستوں پر آپ لیٹ سکتے ہیں'' میزبان برتن سمیٹ کر بولا

''ٹھیک ہے'' رمیلہ بولی۔

''شام میں آپ کو لے کر اپنے رہنما کے پاس جاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔تب تک آپ آرام کریں۔'' وہ بولا۔

''ہم تھوڑی دیر کے لیے یہاں پڑ رہیں گے'' فریدوں بولا۔''ویسے آرام کی ضرورت اب نہیں'ہمیں آپ کے رہنما کے میٹھے بولوں اور آپ کی شیریں باتوں نے ہماری ساری تکان دور کر دی ہے''

''اور احساس نے بھی ہمیں تر و تازہ کر دیا ہے کہ ہم مسرتوں کے شہر پہنچ چکے ہیں'' کشت یار بولا۔

''بالکل۔میں تو شگفتگی محسوس کر رہی ہوں۔یہ احساس کتنا مسرت بخش ہے کہ شام کو ہم اپنے پشتوں کے بوجھ سے نجات پا لیں گے'' شاتم نے کہا۔

''مجھے تو خوشی کے ان لمحات کے انتظار میں نیند ہی نہیں آئے گی'' رمیلہ نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں۔

''بہر حال'' میزبان واپس جاتے ہوئے بولا''میں اب شام ہی کو آؤں گا۔۔۔۔۔۔۔'''' ٹھیک ہے'' سب نے بیک زبان کہا۔

وہ شخص برتن لے کر کمرے سے نکل گیا اور یہ چاروں آنے والے خوش کن لمحات کے تصور میں ڈوب گئے

اور

پھر

ان کی آنکھوں میں پر سکون سی نیند بھی اتر آئی۔سب بے خبر ہو کر سو گئے۔

وہ

تو

اس وقت جاگے۔ جب میزبان انہیں رہنما کے پاس لے جانے کے لیے کمرے میں آ گیا۔

شام اتر رہی تھی۔ اس کے دھندلکے پھیل رہے تھے۔ فضا میں نمی اور مہک گھل گئی تھی۔

وہ سب رہنما کے پاس جانے کے لیے تیار تھا۔ ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ تجسس اور اشتیاق ان کے چہروں سے ہویدا تھا۔ وہ آج شام اپنی پشتوں پر لدے گناہوں کے بوجھوں سے نجات پانے والے تھے۔

وہ میزبان کے ساتھ رہنما کی رہائش گاہ کی طرف چل دیئے۔ راستے میں انہوں نے بہت کم باتیں کیں۔ وہ اپنے آپ کو آنے والے لمحات کے لیے تیار کر رہے تھے۔ جن میں انہیں مسرتیں ملنے والی تھیں۔

رہنما کی رہائش گاہ شہر کے غربی حصے میں تھی۔ بہت بڑی عمارت تھی۔ جس میں روشنی کا بہترین انتظام تھا۔ اونچے داخلی دروازے کے آگے وسیع وعریض صحن تھا۔ اور اس صحن کے چاروں طرف رہائشی کمرے تھے۔

اس وقت رہنما صحن ہی میں موجود تھا۔ بے شمار لوگ صحن میں تھے۔ سامنے ایک قدرے اونچے چبوترے پر رہنما کھڑا تقریر کر رہا تھا۔ لوگ ہمہ تن گوش تھے۔ اور سر جھکائے بڑی عقیدت واحترام سے رہنما کی باتیں سن رہے تھے۔

وہ کہہ رہا تھا۔

''لوگو۔۔۔۔۔۔ ہمیشہ سچ بولو بدی سے بچو۔۔۔۔۔۔ جھوٹ سے دامن بچاؤ۔ شر نہ پھیلاؤ۔۔۔۔۔۔ اللہ نے دنیا بڑی خوبصورت بنائی ہے۔ اس کی خوبصورتی کو قائم رکھو۔ بچوں سے پیار کرو۔ بزرگوں کا ادب کرو۔ دھوکے فریب اور ریاکاری کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ ایک دوسرے کی مدد میں ہمیشہ پیش پیش رہو۔ علم حاصل کرو۔ اور اس کی روشنی پر محبت پھیلاؤ۔

میزبان ان چاروں کو لے کر رہنما کے قریب پہنچ گیا۔ رہنما تقریر ختم کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''آؤ میرے دوستو'' بزرگ نے بڑی محبت سے کہا۔

چارون اس کے سامنے آ گئے۔۔۔۔۔۔ بزرگ نے ایک ہاتھ کشت یار کی طرف بڑھایا دوسرا فریدوں کی طرف۔ پھر شاتم اور رومیلا کو اپنے سامنے کھڑے ہونے کا کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں پکڑے کشت یار اور فریدوں کے ہاتھ اوپر اٹھائے۔

''میرے ساتھیو! اس نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

لوگ سر اٹھا اٹھا کر رہنما اور ان چاروں کو دیکھنے لگے جن کی پشتوں پر کب اٹھے ہوئے تھے'' ہمارے نئے دوست اور ساتھی ہیں۔۔۔۔۔۔'' رہنما نے قدرے توقف کے بعد لوگوں سے کہا'' یہ اپنے شہر سے میلوں کا پرصعوبت اور کٹھن راستہ طے کر کے

مسرتوں کے شہر میں آئے ہیں۔انہوں نے ہمت نہیں ہاری حوصلے اور عزم سے کام لیا۔مشکلات کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔راستے میں جتنے برے لوگ ملے ان سے انہوں نے بچنا اور نفرت کرنا سیکھا۔ جتنے اچھے لوگ ملے ان سے اچھائیوں کا سبق سیکھا۔یہ اب سب برائیاں دلوں سے نکال چکے ہیں۔اس سفر کے تجربے نے انہیں خوبیوں کا خوگر بنا دیا ہے اور یہ بدیوں سے اجتناب کرتے ہیں

رہنما ایک لحہ کو رکا۔پھر ان چاروں سے پوچھا ''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔۔۔۔۔۔''

''جی۔۔۔۔۔۔بالکل۔۔۔۔۔۔'' بڑے پرجوش اور پرزور انداز میں وہ چاروں کہہ اٹھے۔

''تو میرے بچو۔اب میں تمہارے یہ بوجھ اتار دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔'' رہنما نے کہا۔وہ سب خوشی سے بے قرار ہو گئے۔ان کے چہرے گلگوں ہو گئے۔اور وہ رہنما کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھنے لگے۔

''اب اپنے دل و دماغ کو پاک صاف کر کے صرف اور صرف اللہ کو یاد کرو۔ اور جب تک میں نہ کہوں آنکھیں نہ کھولو۔۔۔۔۔۔''

انہوں نے ایسا ہی کیا

کئی منٹ گزر گئے۔وہ آنکھیں بند کئے اللہ کی طرف دھیان دیئے کھڑے رہے۔معاً انہیں ایسے لگا کہ وہ بالکل ہلکے پھلکے ہو گئے ہیں۔ان کے کندھوں پر ذرہ بھر بھی دباؤ نہیں۔دماغ میں عجیب سی تازگی اترتی آرہی ہے اور سانسوں کے ساتھ ان کے اندر مہکتی ہوئی خوشبو جا رہی ہے۔''

''اب آنکھیں کھول دو۔'' رہنما نے کہا۔

انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔خوشی سے ان کی چیخیں ہی تو نکل گئیں۔ان کے کب ختم ہو گئے تھے۔اور وہ سب اب ٹھیک ٹھاک عام سے انسان بن گئے تھے۔کسی قسم کا بار یا دباؤ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

وہ سب خوشی سے ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ گئے۔مجمع سے تحسین و آفریں کی آوازیں اٹھنے لگیں۔

''میں کتنی ہلکی پھلکی ہو گئی ہوں'' شاتم کندھے ہلاتے ہوئے مسکرائی۔

''ہمارے گناہوں کا بوجھ بہت زیادہ تھا'' کشت یار بولا۔''اسی لیے تو کندھے اٹھا نہ سکتے تھے ہم''

''واقعی۔۔۔۔۔۔'' فریدوں اپنے کندھوں کو گردن موڑ موڑ کر دیکھنے لگا۔

رمیلہ بھی خوشی سے چہک کر بولی ''میں خود کو ہوا میں اڑتا محسوس کر رہی ہوں''

''کاش ہمارے باقی ساتھی بھی یہاں تک پہنچ جاتے۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار دکھ سے بولا

''ہاں آج وہ بھی ہماری طرح آزاد ہو جاتے۔ گناہوں کے بوجھ سے آزاد'' فریدوں نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

''تمہیں اپنے ساتھیوں کے یہاں تک نہ پہنچنے کا بڑا دکھ ہے'' رہنما نے ان سے پوچھا۔

''جی ہاں۔۔۔۔۔۔۔کاش وہ بھی یہاں آجاتے۔۔۔۔۔۔۔'' کشت یار نے کہا۔

''کیا تمہیں ان سینکڑوں ہزاروں لوگوں کا خیال نہیں آرہا۔ جو تمہارے شہر میں ہیں اور گناہوں کے اندھیرے میں ڈوبے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔'' رہنما نے شفیق لہجے میں پوچھا

''آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔'' کشتی یار سر جھکاتے ہوئے ہولے سے بولا ''لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''تم۔۔۔۔۔۔۔'' رہنما کی آواز گونجی۔

چاروں نے چونک کر رہنما کی طرف دیکھا۔

''تم بھی تو وہی کچھ کر سکتے ہو۔ جو میرا بھائی اور میں کر رہے ہیں۔ یا ہمارے یہ ساتھی جو صحن میں کھڑے ہیں کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔''

کچھ نہ سمجھتے ہوئے چاروں نے مجمع پر نگاہ ڈالی۔ تو رہنما نے وضاحت کرتے ہوئے کہا'' میں میرا بھائی اور یہ سب لوگ نیکیوں کو پھیلانے اور گناہوں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی طرف لانا ہی ہمارا کام ہے۔ کیا تم چاروں اپنے شہر جا کر یہ کام نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔۔۔''

''کر سکتے ہیں''

''کر سکتے ہیں''

''کر سکتے ہیں''

وہ سب بیک زبان بولے۔ ان کے لہجے جوشیلے اور جذبے سے بھرپور تھے۔

''تو آؤ۔۔۔۔۔۔۔میرا ہاتھ تھام لو۔۔۔۔۔۔۔'' رہنما نے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ چاروں نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے

''یہ ہاتھ پکڑ کر وعدہ کرو کہ تم بھی ہماری طرح برائی کے خلاف جہاد کرو گے۔ دنیا کا امن وسکون کا گہوارہ بنا دو گے۔ اس

خوبصورت دنیا کو سچائی کے حسن سے آراستہ کرو گے۔ جھوٹ کا قلع قمع کرو گے۔ لوگوں کو سکھ کا سانس لینے کی ہر ممکن سبیل نکالو گے وعدہ کرو۔۔۔۔۔۔۔وعدہ!

چاروں نے بزرگ کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے اور بلند مضبوط اور پر عزم لہجے میں بولے۔

''ہم وعدہ کرتے ہیں۔ ہم اس مقصد کے لیے اپنی جانوں تک داؤ پر لگا دیں گے۔ گناہوں کے خلاف جہاد کریں گے۔ ہم لوگوں کو نیکی اور سچائی کا سیدھا راستہ دکھائیں گے۔''

رہنما نے ان کے کندھے شفقت سے تھپتھپائے۔

وہ چاروں

اپنے آپ کو

بالکل

بدلا ہوا پا رہے تھے

ان کے چہرے روشن اور پرنور ہو گئے تھے۔

کیونکہ

انہوں نے

گناہوں کے اندھیروں کا قلع قمع کرنے کا عزم راسخ کر لیا تھا۔

◆◆◆